سیرت پاک
حضرت فریدالدین مسعود
المعروف
گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
سید ارتضیٰ علی کرمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
دے ملاحت مجھ کو نمکینئ ایمان سے
اور حلاوت بخش گنج شکر عرفان سے
شہہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
مولانا اشرف علی تھانویؒ

سیرت پاک

آفتاب انوار ولایت، پیشوائے عالم ہدایت، گنجینہ ذوق اسرار،
بمشاہدۂ احدیث بیدار، صاحب راز دار حضرت معبود، قطب اکبر

شیخ فرید الدین مسعود

المعروف

گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

از

ارتضیٰ شاہ

پبلشرز

عظیم اینڈ سنز پبلشرز الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

محمد عظیم بٹ

نے

گنج بخش پرنٹرز سے

چھپوا کر شائع کی۔

قیمت 50 روپے

انتساب بنام

عزیزان گرامی

محمد ظفر اعوان

محمد نعیم میاں

محمد طاہر شاہین راجہ

ترتیب مضامین

عرض ناشر

عزیزی قارئین! سلسلہ اولیائے عظام رحمتہ اللہ علیہم میں ایک اور کتاب بعنوان "سیرت گنج شکر" حاضر خدمت ہے۔ ادارہ اس امید پر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ہمہ تن مصروف عمل ہے کہ شائد دین و دنیا کی بھلائی حاصل ہو سکے۔

جیسا کہ آپ کے علم میں بھی ہے کہ دور جدید میں بزرگوں کے متعلق تحقیق و جستجو کا ایک جذبہ پیدا ہو چکا ہے اور ہماری نوجوان نسل بزرگان کے متعلق جاننے کے لئے بیتاب ہے اس لئے ادارہ نے نوجوانان اسلام کے لئے اس سلسلہ کو تن، من، دھن سے شروع کیا ہے۔ اگر آپ ہماری رہنمائی فرمانا چاہیں تو ہم آپ کے از حد مشکور ہوں گے۔

خیر اندیش

محمد عظیم بٹ

نذر گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

الحمدللہ رب العلمین الذی من علی المومنین اذ بعث فیھم رسول من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ و یز کیھم ویعلمھم الکتب و الحکمتہ و ان کانو من قبل لفی ضلل مبین امابعد

بندۂ حقیر عرض کرتا ہے کہ تمام تعریفیں صرف اور صرف اللہ کریم غفور الرحیم کے لئے ہیں جو کل کائنات کا مالک و خالق ہے جو غائب بھی ہے اور حاضر بھی ہے اسی کی شان ہمیں تمام جہان میں دکھائی دیتی ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں ہے جو کچھ اس کائنات میں ہے اور اس کے علاوہ تمام عالم میں جو ظاہر اور جو کچھ بھی پنہاں ہے۔ اس کی شان بے نیازی ہے کہ اپنے نافرمانوں پر بھی احسان عظیم فرماتا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی صفات ان گنت ہیں۔ میرے جیسے کم علم، پلید، عاصی اور بدکردار بندے سے بھلا کیونکر قادر مطلق کے اوصاف بیان ہو سکتے ہیں۔

سلامتی ہو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ باعث وجہ وجود کائنات پر۔ اللہ کریم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ "اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر سلام بھیجتے ہیں اس لئے اے ایمان والو! تم بھی سلام بھیجو۔" اللہ کریم کا فضل و کرم آقائے نامدار پر ازحد ہوا۔ میری اور میرے آباو اجداد کی خوش قسمتی کہ میں اور میرے آباو اجداد اور میرے تمام دوست احباب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ کیا یہ شرف کچھ کم ہے۔ حالانکہ میرے گناہوں اور لغزشوں کا کوئی شمار قطار نہیں ہے۔ میری

کوتاہوں کی کوئی حد نہیں۔ مگر مجھے رب کریم کے فضل کی امید ہے اور رحمت دو جہاں کی شفاعت کی امید ہے کہ مجھ عاصی اور خطاکار سے درگزر فرمایا جائے گا۔ ورنہ مجھ گناہ گار کا کوئی پرسان حال نہ ہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جن اصحاب قدسی نے درجہ کمال حاصل کیا ان کو اہل اسلام اولیائے کرام کہتے ہیں۔ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس نے تبلیغ اسلام کے لئے اپنے شوق اور وطن کو خیرباد کہہ دیا۔ ان کا مطمع نظر محض دین متین کی تبلیغ ہی تھا۔ دنیاوی لالچ حرص و طمع ان کے نزدیک کبھی نہیں آیا تھا۔ ان مقدس نفوس نے اپنے آبائی وطن کو محض تبلیغ دین کے لئے چھوڑا پھر اللہ کریم کا فضل ان پر یوں ہوا کہ غیر وطن میں جہاں جہاں ان کا قیام ہوا وہ مقام انہی کے نام سے منسوب ہو گیا۔ جیلان سے عبدالقادر بغداد پہنچے تو بغداد کی پہچان بن گئے۔ ہجویر سے داتا سرکار لاہور پہنچے تو لاہور کی پہچان بن گئے اور لوگوں کی زبان پر لاہور کا دوسرا نام "داتا کی نگری" آ گیا۔ خواجہ معین چشتی اجمیر پہنچے تو اجمیر کی پہچان بن گئے اور اسی طرح بہت سے علاقوں کو ان مقدس نفوس کی بدولت شہرت حاصل ہوئی۔

انہی برگزیدہ بندوں میں سے ایک برگزیدہ بندہ جب اجودھن پہنچا تو یہ علاقہ پاک پتن کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ایک ایسا علاقہ جس کا اس سے قبل کوئی ذکر ہی نہ کرتا تھا وہی علاقہ اہل اسلام کے شیدائیوں کے لئے پاک پتن بن گیا۔ کیونکہ اس غیر معروف علاقہ میں ایک ولی کامل سکونت پذیر ہو چکا تھا۔ اسی کی خیر و برکت سے اس غیر معروف علاقہ کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ اس برگزیدہ بندے کا نام ہے حضرت فرید الدین مسعود رحمتہ اللہ علیہ جن کو عام طور پر بابا فرید گنج شکر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اولیائے عظام کو عوام الناس میں اس قدر عزت و تکریم محض اس لئے حاصل ہوئی کہ انہوں نے تمام زندگی صرف اللہ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت میں گزاری اللہ کریم غفور الرحیم کلام اللہ شریف میں فرماتے ہیں کہ

ترجمہ : "پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا خواہاں

ہو۔ اسے لازم ہے کہ اعمال صالحہ بجا لائے اور اپنے رب
کریم کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (110:18)

اولیائے کرام کی حیات مبارکہ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ان کی زندگیاں اس آیت ہی کی تفسیر تھیں۔ اولیائے کرام نے دنیا میں رہتے ہوئے تبلیغ دین کا کام سرانجام دیا انہوں نے دنیا کو بالکل ہی نہیں چھوڑ دیا۔ کیونکہ یہ تو راہبانیت ٹھہری اور راہبانیت دین متین میں منع ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے انہوں نے دنیا کو چھوڑا اور اپنے اعمال صالحہ سے غیر مسلموں کو دین اسلام کی طرف مائل کیا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ غیر مسلموں نے اس نئے مذہب کو قبول کر کے دین کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

اولیائے کرام نے پیروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پہلے تو ان غیر مسلم لوگوں کا تزکیہ نفس کیا اور پھر ان کو قرآن کی تعلیم دی۔ تزکیہ نفس سے ان غیر مسلموں کے اندر کا گند صاف ہوا تو ان کو قرآن کریم فرقان حمید کی تعلیمات کی روشنی نظر آنا شروع ہوئی اور پھر انہی نومسلموں نے اس روشنی کو اپنے قرب و جوار میں نہایت عمدگی سے پھیلایا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اجودھن میں حضرت بابا فرید گنج شکر لاہور میں حضرت داتا سرکار اور اجمیر میں حضرت معین الدین چشتی اپنے اپنے لشکر لے کر نہیں پہنچے تھے۔ بلکہ تن تنہا تشریف فرما ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کو اس آیت کا صحیح مفہوم معلوم تھا کہ

ترجمہ : "بس! ہر شے کا اول ہے اور ہر شے کا آخر ہے
اور ہر شے کا ظاہر ہے اور ہر شے کا باطن ہے (یعنی وہی ہے)
اور وہ ہر شے کی ماہیت سے آگاہ ہے۔" (3:57)

یعنی اولیائے کرام کو صرف اور صرف اللہ تبارک تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر یقین کامل تھا۔ اور ان کے یقین کامل نے سچ کر دکھایا کہ جو کام لاکھوں کا لشکر سرانجام نہیں دے سکتا وہ ایک ولی کامل نے کر دکھایا۔ یہ تھی قوت ایمانی کہ جس غیر مانوس جگہ پر ایک ولی کامل گم نامی میں پہنچا تو پھر اس کے بعد اس گم نام بزرگ کے دم قدم سے وہ علاقہ شہرت کی بلندیوں پر جا پہنچا۔ کیونکہ کلام اللہ

شریف میں وارد ہوتا ہے کہ

ترجمہ : "بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور احسان کرنیوالے بھی۔ (128:16)

یہی وہ اوصاف حمیدہ تھے جن کی بدولت غیر مسلم اور دشمن قوم کے افراد بزرگان دین کی قربت حاصل کرنے کے متمنی ہوئے تھے۔ اور انہی کی عقیدت میں ان لوگوں نے اپنے آبائی مذہب کو بھی خیرباد کہنا شروع کر دیا۔ یہی وہ نومسلم افراد تھے جنہوں نے بزرگان دین کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کے بعد تبلیغ دین کو اپنی زندگیوں کا نصب العین بنالیا۔ کیونکہ ان نومسلموں کے پیش نظر ان بزرگان دین کی زندگیاں تھیں۔ وہی ان کے لئے روشن مثالوں کی صورت میں موجود تھیں۔

اولیائے کرام نے یہ کام اس خوبصورتی سے سرانجام دیا کہ بڑی سے بڑی فوج بھی یہ کام نہ کر سکتی تھی۔ افواج کا کام تو علاقوں کو فتح کرنا اور ایک حد تک قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی ہے مگر اولیائے کرام نے دلوں کو فتح کیا۔ علاقے خود بخود فتح ہونا شروع ہو گئے اور علاقے بھی کچھ اس انداز سے فتح ہونا شروع ہوئے کہ انہی کے ناموں سے ہی منسوب ہو گئے۔ انہی بزرگان دین میں سے ایک حضرت بابا فرید گنج شکر ہیں۔ انہی کی سیرت پاک ہم آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ کریم غفور الرحیم حضرت بابا فرید گنج شکر کے درجات بلند فرمائے۔

مجھے جب جناب محمد عظیم بٹ صاحب نے بابا فرید صاحب کی سیرت پاک کو مرتب کرنے کے لئے کہا تو مجھے ازحد خوشی ہوئی اور میں نے دلی طور پر اس کو ایک سعادت خیال کیا۔ کیونکہ میری قلبی عقیدت بھی حضرت صاحب کے ساتھ ہے۔ کتاب شروع کرنے سے قبل میں نے جناب محمد عظیم بٹ کا بار بار شکریہ ادا کیا۔

میری عقیدت باباجی سرکارؒ سے یونہی نہیں۔ یوں کہہ لیجئے کہ میری عقیدت سنے سنائے قصوں سے مرعوب شدہ نہیں۔ بلکہ اس عقیدت کے

پیچھے حضرت باباجی سرکار ؒ کی کرامت کارفرما ہے۔ یعنی یقینی طور پر آپ کی بہت سی کرامات لوگوں میں مشہور ہیں۔ مجھے کسی ایک سے بھی انکار یا اختلاف نہیں۔ میری تو اتنی اوقات ہی نہیں ہے کہ میں آپ کی کسی کرامت کا انکار کرسکوں یا کسی کرامت سے اختلاف ہی۔

میں ذکر کر رہا تھا کہ ایک کرامت کا میں خود گواہ ہوں۔ وہ کیسے! آپ کو یقینی طور پر تجسّس تو ہوگا۔ میں عرض کئے دیتا ہوں۔ یہ بات حلفیہ ہے۔ یعنی اس بات میں ایک فیصد بھی مبالغہ آئی نہیں ہے۔ میں پورے ہوش و حواس سے یہ بات رقم کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

جب میری عمر آٹھ دس برس تھی تو مجھ پر پولیو کا حملہ ہوا۔ ہماری رہائش اس وقت بھی چاہ میراں میں تھی۔ اور اس وقت وہاں پر آبادی برائے نام ہی تھی۔ پورے لاہور شہر میں موجود مستند معالجین نے علاج معالجہ سے معذوری ظاہر کر دی اور صبر شکر کی تلقین کر دی۔ میرے والد محترم جناب سید اجتبیٰ علی کرمانی مرحوم و مغفور (اللہ تعالٰی انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے) نے میرے علاج میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

آپ فرماتے تھے کہ شدید سردیوں میں جب میرے والد محترم اور والدہ محترمہ میری ٹانگوں کو گرم پانی میں کمبل بھگو کر لپیٹا کرتے تھے تو ان کو پسینہ آجایا کرتا تھا۔ میرے والدین کو یہ مشورہ ڈاکٹر محمد حفیظ مرحوم نے دیا تھا جن کا کلینک مصری شاہ میں تھا۔ یہ نئے نئے وہاں آئے تھے اور پورے علاقے میں ان کی ذہانت اور لیاقت کی دھوم تھی۔ انہی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میرے والدین اس پر عمل کیا کرتے تھے۔ مگر دو تین ماہ مسلسل یہ عمل کرنے کے باوجود میری ٹانگوں میں خون رواں نہ ہوا۔

میری والدہ صاحبہ بتاتی ہیں کہ ان دنوں ان کا رو رو کر برا حال ہو جاتا تھا۔ کیونکہ ان کی اس وقت دو ہی اولادیں تھیں یعنی میں اور میری بڑی بہن، خیر اسی کسمپرسی میں چار چھ ماہ گزر گئے تو ایک رات میری والدہ صاحبہ کو خواب میں ایک مزار شریف کے احاطہ میں ایک بزرگ نے فرمایا کہ بی بی اپنے بچے لے

کر یہاں چلی آؤ ٹھیک ہو جائے گا۔ اسی اثناء میں ان کی آنکھ کھل گئی۔ اس خواب کا تذکرہ انہوں نے میرے والد گرامی سے کیا۔ مگر مزار شریف کن کا ہے کہاں واقع ہے یہ نہ بتا سکیں۔

تین دن مسلسل ہی یہی خواب دکھائی دیا۔ مگر چونکہ میری والدہ کبھی پاک پتن نہیں گئیں تھیں اس لئے پہچان نہ پائیں۔ چوتھے یا پانچویں روز انہیں کہا گیا کہ بی بی اپنے بچے کو لے کر پاک پتن چلی آؤ۔ اب میری والدہ صاحبہ نے صبح بوقت فجر یہ خواب میرے والد گرامی کو سنایا۔ انہوں نے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہ فرمایا۔ چونکہ سردی شدید تھی اور بقول ان کے میری حالت اسقدر طویل سفر کے قابل نہ تھی۔ آج سے پچیس تیس برس قبل سفر کی مشکلات کا اندازہ آپ بخوبی کر سکتے ہیں۔

آخر میری والدہ صاحبہ نے اپنے ایک عزیز جن کو ہم بڑے ماموں جان کہا کرتے تھے ان سے ان خوابوں کا تذکرہ کیا۔ بڑے ماموں جان مرحوم ریلوے میں آفیسر تھے' انہوں نے چند ہی دنوں میں پروگرام بنا لیا اور یوں ہم لوگ عازم پاک پتن ہوئے۔ ہم لوگ یعنی میں' میری والدہ صاحبہ' بڑے ماموں اور ان کے صاجزادے جناب عبدالریاض صاحب۔

مجھے کچھ کچھ یاد ہے کہ جب ہم لوگ بڑی مشکل سے چڑھ کر دربار شریف کے صدر دروازے پر پہنچے۔ (بڑی مشکل سے میں نے اس لئے کہا ہے کہ میں تو عالم معذوری میں تھا۔ کبھی کوئی اٹھاتا تو کبھی کوئی۔ یقینی بات ہے کہ میں تو چل پھر نہیں سکتا تھا۔ پھر چڑھائی چڑھنی مشکل ہی تو ہے۔ جو لوگ دربار شریف میں گئے ہیں ان کو اس بات کا بخوبی علم ہو گا) تو ہمیں ایک بزرگ سرخ لبادے میں ملبوس ملے۔ انہوں نے میری والدہ صاحبہ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ آگئی ہو بی بی۔ میری والدہ صاحبہ اور دیگر لوگوں کی حیرت دوچند ہوگئی کہ ہم نے یہاں کسی کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی پھر یہ بزرگ کس طرح فرمارہے۔ ان کے لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ ہم لوگوں کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔

انہوں نے ہمیں صدر دروازے کے ساتھ ہی واقع ایک کمرے کا تالا کھول کر کمرہ ہمارے حوالے کیا اور کہا کہ یہاں اطمینان سے اپنا سامان وغیرہ رکھو آپ لوگ باباجی کے مہمان ہو۔ ہم لوگ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ کھانا آگیا۔ کھانے

سے فراغت کے بعد سب لوگ سلام کرنے کے لئے صحن میں آگئے۔ اس وقت صحن میں قدرے اونچا ایک خاصہ چوڑا تھڑا سا تھا۔ اب تو کافی حصہ ناپید ہو چکا ہے اور اس تھڑے پر مزار بن گئے ہیں۔ میری والدہ صاحبہ نے مجھے ہاتھوں میں اٹھایا ہوا تھا اور پوری طرح کمبل میں لپیٹا ہوا تھا۔

ابھی میری والدہ صاحبہ کا رخ دربار شریف کی ہی طرف تھا اور وہ آہستگی سے مجھے اٹھائے ہوئے چل رہی تھیں کہ معاً وہی استقبال کرنے والے بزرگ آئے اور میری والدہ صاحبہ سے فرمایا کہ بی بی اپنے بچے کو اس تھڑے پر لٹا دو اور کمبل اتار دو۔ اس کی فکر کرنا چھوڑ دو۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے کسی طرف چل دیئے۔ میری والدہ صاحبہ گومگو کی حالت میں تھیں کہ بڑے ماموں جان نے کہا کہ چل بی بی سلام کر لیں۔ بچے کو مٹ لٹانا' سردی بڑی شدید ہے۔ مگر میری والدہ صاحبہ تو فیصلہ کر چکی تھیں۔ کہنے لگیں کہ بڑے بھائی جی اب جو ہونا ہے ہونے دیں۔ جب یہاں تک آ ہی گئے ہیں تو یہ بھی کر لیتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ میری والدہ صاحبہ نے مجھے اس تھڑے پر لٹا کر کمبل اتار دیا۔ ابھی وہ واپس مڑی بھی نہ تھیں کہ ایک شخص نے وہاں مکھانے پھنکے' جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا کہ اس دربار شریف میں لوگ مکھانوں کی بارش کرتے ہیں۔ مکھانے مجھ سے تھوڑے فاصلے پر گرے تھے۔ جیسے ہی مکھانے گرے میں نے تیزی سے دوڑتے ہوئے مکھانوں کو چننا شروع کر دیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر بڑے ماموں اور میری والدہ صاحبہ کی چیخیں نکل گئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور دونوں نے بیتابی سے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ کبھی ایک پیار کرے تو کبھی دوسرا۔

مجھے بھی اپنی موجودہ حالت کا اندازہ بخوبی ہو رہا تھا۔ اب ہم لوگ تیزی سے مزار شریف کی جانب چل دیئے۔ مگر وہاں جا کر دیکھا تو دروازہ بند تھا۔ وہی بزرگ آئے اور انہوں نے دروازہ کھول کر ہمیں اندر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ میری والدہ صاحبہ نے ان کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے فرمایا کہ اندر جا کر انہی کا شکریہ ادا کرو! بی بی! جنہوں نے تمہیں یہاں بلوایا ہے۔

ہم لوگ وہاں تین روز قیام پذیر رہے اور تینوں دن ہمیں کھانا مہیا ہوتا رہا۔ چوتھے روز وہی بزرگ تشریف لائے اور فرمایا کہ اب تم لوگ واپس

جاؤ۔ اب ہم لوگ واپس لاہور آ گئے اس وقت چونکہ چاہ میراں کی آبادی بہت کم تھی۔ اس لئے دور دور سے ہی مناظر صاف نظر آیا کرتے تھے۔ ہم نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ والد صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ جب ہمارا تانگہ ان کے قریب جاکر رکا تو میرے والد صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے تانگے سے چھلانگ لگائی اور ان کی ٹانگوں سے چمٹ گیا۔ انہوں نے مجھے وفور جذبات سے مغلوب ہو کر چھاتی سے چمٹا لیا اور رونے لگے۔

گھر جاکر انہوں نے بتلایا کہ حاجی سخی محمد صاحب جن کی چائے کی دکان ہماری گلی میں نکڑ پر تھی' وہاں اتنے روز یہی موضوع جاری رہا۔ میرے والد صاحب کے بعض دوست تو یہ بھی کہہ چکے تھے کہ شاہ جی ہماری بھابھی تو ہمارے بھتیجے کو پاک پتن ہی دفنا آئے گی۔ اس کی حالت تو جاتے وقت ہی ٹھیک نہیں تھی۔ اس قسم کی باتیں سن سن کر میرے والد محترم کے حواس بھی جواب دیتے جا رہے تھے کہ میں نے تانگے سے چھلانگ لگا کر سبھی لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ الحمد اللہ اس کے بعد سے تاحال بفضلہ تعالیٰ میں صحت یاب ہوں۔ یہ ایک کرامت تھی کہ جس سے میری زندگی اجیرن ہونے سے بچ گئی۔ "لعنت اللہ علیٰ الکاذبین"

میری رب کریم سے دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمات جلیلہ کے طفیل مجھ پر' میرے والدین پر' میرے عزیز و اقارب اور میرے دوستوں پر اپنا فضل خاص نازل فرمائے۔ ہماری بداعمالیوں اور کوتاہوں سے درگزر فرمائے۔ اے اللہ کریم مجھے معاف فرما دے۔ کیونکہ تو ہی معاف فرمانے والا ہے۔

من بندہ شرمسارم' تو رحم کن رحیمہ
در فسق بے شمارم تو رحم کن رحیمہ

احقر العباد

خاکپائے سگ سگان کوئے مدینہ
السید ارتضیٰ علی کرمانی۔ عفی عنہ

☆☆☆☆☆

سیرت پاک

حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فرید الدین مسعود رحمتہ اللہ علیہ جن کو عوام و خواص بابا فرید گنج شکر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بلا مبالغہ آپ ایک صاحب کشف و کرامت ولی کامل ہیں۔ خطہ پنجاب میں شمع ہدایت کی روشنی آپ کی بدولت تیزی سے پھیلی۔ آپ نے دین متین کی تبلیغ کو تمام زندگی اپنا شعار بنائے رکھا اور اپنی زندگی میں اس کے علاوہ اور کچھ نہ کیا۔ طلب علم کے سلسلہ میں آپ نے حددرجہ سفر اختیار کئے اور اولیائے عظام کو ملنے کے لئے اکثر دور دراز کے علاقوں کا سفر اختیار کیا۔ انشاء اللہ العزیز اس کی تفصیل آگے چل کر بیان ہو گی۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سلسلہ صوفیاء کے نہایت درخشندہ ستارے تھے۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کو اپنے پیشرو اولیائے عظام ہی کی طرح اپنی زندگی کا واحد نصب العین سمجھ کر کیا۔ اس کے علاوہ آپ کی کوئی منشاء نہ تھی۔ تمام زندگی آپ نے عملی طور پر اور زبانی و تحریری طور پر صرف شریعت اور واحد نیت کی ہی تعلیم لوگوں کو عطا فرمائی۔ جیسا کہ فقراء کاملین کے ارشادات

سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اولیائے کرام کو تین باتوں سے پہچانو۔

(1) ان کا بھروسہ مکمل طور پر خالق کائنات اور معبود حقیقی پر ہو اور اسی پر توکل ہو۔

(2) ان کی بے نیازی مخلوق کے ساتھ مکمل طور پر ہو۔

(3) ان کی ہر سانس کی آمدورفت میں اللہ تعالیٰ کی یاد شامل ہو۔

انہی خصوصیات کو ہم حضرت بابا فرید گنج شکر کی حیات مبارکہ کے مطالعہ میں دیکھتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ درج بالا تینوں خصوصیات صرف بابا فرید ہی کے لئے ہیں۔ آپ عاشق جمال حق، صاحب کشف و کرامت، سرور ارباب توحید اور توکل الی اللہ تھے۔ آپ کا شمار فقرائے کاملین میں کیا جاتا ہے۔ اپنے دور کے آپ قطب الاقطاب اور قطب امیر تھے۔ جبکہ آپ کو شیخ کبیر فرید گنج شکر بھی کہا جاتا تھا اور یہ کہنے والے جاہل اور عام عقیدت مند نہیں بلکہ اولیائے کرام، علمائے کرام اور فضلا تھے۔

ولادت شیخ

حضرت شیخ قطب الاقطاب فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ کی ولادت باسعادت 575 ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت قرسم خاتون اپنے وقت کی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ حضرت قاسم خاتون کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔ صاحبزادوں کے نام فرید الدین مسعود، اعزالدین محمود اور نجیب الدین متوکل ہیں۔ آپ کی صاحبزادی کا نام حضرت ہاجرہ خاتون تھا مگر ان کے زہد و تقویٰ کی بنا پر ان کو جمیلہ خاتون کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ آپ حضرت صابر کلیری کی والدہ صاحبہ تھیں۔

آپ کی والدہ صاحبہ بہت عبادت گزار خاتون تھیں۔ گھریلو کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد ان کا زیادہ تر وقت عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ ایک نہایت دیندار خانوادے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد ماجد نہایت معروف عالم دین تھے۔ جن کا اس وقت بہت شہرہ تھا۔ ان کے والد

گرامی کا نام حضرت مولانا وجیہ الدین نجندی تھا۔

آپ کی والدہ محترمہ کی عبادت و ریاضت کے متعلق مختلف تذکرے کتابوں سے حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ سردیوں کی ایک منجمد کر دینے والی رات کی سیاہی چہار سو پھیلی ہوئی تھی اور مخلوق گرم کمروں میں آرام کر رہی تھی۔ مگر موسم سرما کی یخ بستہ اس رات میں اللہ کی نیک بندی اپنے رب کے حضور گریہ کناں تھی۔ یہ کوئی مخصوص رات نہ تھی بلکہ یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا کہ یہ تو ان کا روزہ مرہ کا معمول تھا۔

یقینی بات ہے کہ مشاہیر کی مائیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کسی ولی کامل کی ماں دنیا دار ہو جیسا کہ مشہور بات ہے کہ بہادروں کی مائیں بھی بہادر ہی ہوتی ہیں اسی طرح اولیاء کرام کی مائیں بھی ولی ہی ہوتی ہیں کیونکہ خون اور گود کا اثر تو ہوتا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کو بلا مبالغہ پیدائشی ولی کہا جاتا ہے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ ایک سرد رات میں حضرت قرسم خاتون عبادت الٰہی میں ہمہ تن مشغول تھیں حضرت نظام الدین اولیاء نے روایت کی ہے کہ آپ کے لبوں پر یہ دعا تھی کہ

"اے خالق کائنات! تو ہی کائنات کا مالک بھی ہے اے رب العزت تیری یہ عاجز بندی تجھ سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کی خواست گار ہے تو غفور الرحیم ہے میرے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف فرما۔ میری کوتاہیوں سے درگزر فرما یہ تیری ہی صفات ہیں تو معاف کرنے والا ہے اور درگزر کرنے والا بھی۔

"اے رب کریم! تجھ کو تیرے اسماء الحسنیٰ کا واسطہ، میری کمزوری، ناتوانی اور روسیاہی کے پیش نظر قبل از موت میری بخشش فرما کیونکہ روز محشر جب مجھ سے میرے گناہوں اور میری کوتاہیوں کی باز پرس ہو گی تو میرے پاس کوئی جواب اور

جواز نہ ہوگا۔"

آپ کی والد محترمہ جس وقت اپنے رب کے حضور گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا فرمارہیں تھیں تو اس وقت ایک چور اندھیری رات کا فائدہ اٹھانے کی غرض سے گھر کے اندر چلا آیا۔ مگر اس کو کیا پتہ تھا کہ اس اندھیری رات میں جس گھر میں وہ داخل ہوا ہے اس گھر میں تو دین کی شمع جل رہی ہے میرے خیال میں تو اس چور کی قسمت ہی جاگ اٹھی تھی کہ وہ اس گھر میں چوری کی نیت سے چلا آیا تھا ورنہ اس کو بھی معلوم تو ہو گا ہی کہ دینداروں کے اس گھر میں آخر اس کو ملے گا کیا۔ قسمت یوں جاگ اٹھی کہ ایک نیک بخت و نیک سیرت' عابدہ و زاہدہ خاتون کی دعا اور نظر کرم سے اس کو اپنی عاقبت سنوارنے کا کیا خوب موقع میسر آگیا۔

جس وقت وہ چور گھر میں داخل ہوا تو اس نے گھر میں ہر جانب خاموشی ہی کا راج دیکھا مگر گھومتے گھومتے جب وہ حضرت قرسم خاتون کے قریب پہنچا تو اس کی بینائی جاتی رہی۔ اب اس کو اندازہ ہوا کہ وہ کسی ولی کامل کے گھر میں داخل ہو چکا ہے اس نے اس مشکل وقت میں اپنے آپ سے عہد کیا کہ اگر میری بینائی واپس آگئی تو میں چوری سے تو ہر حال میں توبہ کر لوں گا اور دین اسلام بھی قبول کر کے صاف ستھری زندگی گزاروں گا اس کی آواز سے حضرت قرسم خاتون کو اندازہ ہوا کہ یہ اجنبی کسی مشکل میں گرفتار ہے۔

اس چور کو حضرت قرسم خاتون نے تسلی و تشفی دی اور اس کے حسب حال اس کے حق میں بارگاہ الٰہی دعا فرمائی کہ رب العزت اس کو اپنے کرم کے صدقے معافی عطا فرمادے۔ آپ کی دعا سے اس چور کی بینائی واپس آگئی آپ نے اس کو کافی نصیحتیں کر کے وہاں سے رخصت کیا اور ایک مرتبہ پھر اپنے معمولات میں مشغول ہوگئیں کہ جیسے کوئی واقعہ وقوع پذیر ہی نہیں ہوا۔ یہی اللہ کے مقرب بندوں کی شان ہوا کرتی ہے کہ ان کو دنیاوی واقعات کبھی حد درجہ متاثر نہیں کر سکتے۔ ان کی زندگیوں کا مقصد ہی اپنے رب کو خوش کرنا ہوتا ہے اسی لئے ان کا ہر فعل اپنے رب کی خوشنودی کے حصول کے لئے ہوتا ہے نہ ان کو غم متاثر کر سکتے

ہیں اور نہ ہی ان کو خوشیوں میں دیوانہ دیکھا جاتا ہے۔

خیر صبح ہوئی اور حضرت قرسم عبادت و ریاضت کے بعد گھریلو کام کاج میں مصروف ہوگئیں تو آپ نے سنا کہ سویرے سویرے باہر سے لوگوں کے تیز تیز بولنے کی آوازیں آنا شروع ہوئیں، کچھ ہی دیر بعد رات والا چور چند دیگر افراد جن میں اس کے بیوی بچے بھی شامل تھے اندر آنے کی اجازت مانگنے لگا آپ نے ان لوگوں کو گھر کے اندر بلوا لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا وجہ ہے آپ لوگ کس طرح آئے ہیں اس تائب چور نے روتے روتے عرض کیا کہ جناب عالیہ آپ کو بھی ابھی تک رات کا واقعہ بھولا تو نہ ہو گا، میں رات والا چور ہوں جس کی بینائی آپ کی دعا کی تاثیر سے لوٹ آئی تھی۔

آپ نے ان لوگوں کی خاطر مدارت کی اور ان کو نصیحتیں فرمائیں وہ تائب چور بولا کہ اے پاک بی بی! ہم لوگ آئے ہیں کہ آپ کا دین اختیار کر لیں آپ نے ان کو دین کی چند باتیں بتائیں اور انہیں کسی عالم دین سے رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ اس چور کا نام روایت میں ہے کہ عبداللہ تجویز کیا گیا اور اس نے اپنی باقی ماندہ زندگی دین متین کے لئے وقف کر دی۔ میں نے اس لئے پہلے تحریر کیا تھا کہ اس چور کی قسمت ہی جاگ اٹھی تھی کہ وہ اس گھر میں ہوا ورنہ وہ ساری عمر چوریاں ہی کرتا رہتا۔ اس کی دنیا بھی خراب رہتی اور اس کی آخرت بھی نہ سنورتی۔ اس کے لئے تو وہ اندھیری رات اجالوں کا پیغام لیکر آئی۔

آپ کی والدہ ماجدہ ملتان کے عظیم المرتبت عالم دین حضرت مولانا وجیہہ الدین ﷫ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ خاندان پورے شہر میں اپنی خدا ترسی اور عبادت و ریاضت میں اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شجرہ مختصر چشتیہ صابریہ امدادیہ منظوم

از جناب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

از طفیل ذات پاک و بہر ختم المرسلین
بہر حق اولیا و بندگان صالحین

سیدے شیخ رشید احمد[1] امام وقت خویش
دہ مرا از بہر جاہ قرب او صادق یقین

حضرت امداد[2] و نور و[3] حاجی عبد[4] الرحیم
عبدباری[5] عبد ہادی[6] عضد[7] دین مکی امین[8]

شہ محمدی[9] شہ محب[10] اللہ و شاہ بوسعید[11]
شہ نظام[12] و شہ جلال[13] و عبد قدوس[14] فطین

سیدی[15] شیخ محمد شیخ عارف[16] عبد حق[17]
شہ جلال[18] و شمس[19] و صابر شہ فرید و قطب[20] دین[21]

شہ معین[22] و شاہ عثمان[23] زندنی[24] مودود شاہ[25]
شاہ ابو یوسف[26] ولی و بو محمد[27] ذی الیقین

شاہ[28] ابی احمد ابی اسحاق[29] و ممشاد[30] علو
بوہبیرہ[31] شہ حذیفہ[32] ابن ادہم[33] شاہ دین

شہ فضیل[35] و عبد[34] واحد شہ حسن[36] حضرت علی
اتنا الحسنات فی الدارین رب العالمین

حضرت شیخ کا خاندانی پس منظر

حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کا خاندانی پس منظر کچھ یوں کہ آپ کا
تعلق براہ راست سیدنا و مولانا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ سے جاملتا ہے وہی
فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ عالم اسلام کے ایک درخشندہ باب ہیں۔ اہل اسلام کے
بزرگوں نے تو جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اور اگر دیکھا
جائے تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں، ہر مذہب اور ہر مکتبہ فکر میں یہی کچھ ہوتا ہے
کہ لوگ اپنے سربر آوردہ لوگوں کی تعریف و توصیف کیا ہی کرتے ہیں۔

مگر جب غیر مذہب کے دانشور کسی دوسرے مذہب کے عظیم رتبہ
شخص کی تعریف کرتے ہیں تو دیکھا جاتا ہے کہ اس نے تعریف کس انداز میں کی ہے
سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف یوں تو بہت سی غیر مسلم شخصیات نے کی
ہے مگر ایک غیر مسلم محقق "مائیکل ایچ ہارٹ" نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "دی
ہنڈرڈ" میں آپ پر کمال درجہ کی تحقیقی بحث کی ہے اور اس میں ایک فقرہ تو مجھے
کبھی بھول سے بھی نہیں بھولتا، صاحب مضمون لکھتے ہیں۔

"عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے خلیفہ (راشد) تھے اور یقینی
طور پر مسلم خلفاء میں عظیم ترین بھی آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
نوجوان ساتھی اور ہمدم تھے اور انہی کی طرح وہ بھی مکہ
(مکرمہ) میں پیدا ہوئے آپ کی پیدائش کا سال معلوم نہ ہو

سکا مگر اغلب ہے کہ آپ کا سن پیدائش 586ء ہے۔
(حضرت عمر فاروق ﷛ حقیقی طور پر حضرت محمد ﷺ کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے اور آپ کے اس نئے مذہب کے بھی۔ پھر اچانک عمر ﷛ نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام کے مدد گار بن گئے اس کا موزانہ آپ عیسائیت میں سینٹ پال کے عیسائیت قبول کرنے سے کر سکتے ہیں)
حضرت عمر ﷛ جلد ہی حضرت محمد ﷺ کے معتمد خاص بن گئے اور یہ مرتبہ آپ کو حضرت محمد ﷺ کی رحلت تک حاصل رہا۔
632ء میں حضرت محمد ﷺ اپنے کسی جانشین کو نامزد کئے بغیر رحلت فرما گئے حضرت عمر ﷛ نے فوری طور پر آنحضرت کے خسر اور قریبی ساتھی حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کا نام بطور جانشین تجویز کیا یوں طاقت حاصل کرنے کی رسہ کشی اور اختلاف کی گنجائش نہ رہی۔ اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہل اسلام کا پہلا خلیفہ (یعنی جانشیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم) باضابطہ طور پر بنا دیا گیا۔ (یہاں راقم الحروف اصل میں اپنے قارئین کو بیعت کے مفہوم سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ ضابطہ ہے کہ جس کے بعد اہل اسلام میں اختلافات کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔)
(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ایک کامیاب راہنما تھے مگر بطور خلیفہ ان کو محض دو برس موقع حاصل ہوا تا آنکہ ان کی وفات ہوگئی۔ انہوں نے (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ (یہ بھی نبی کریم کے خسر تھے) یوں ایک مرتبہ پھر اقتدار حاصل کرنے کے لئے کوششوں کو قبل از وقت ختم کر دیا گیا۔ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) 634ء

میں خلیفہ بنے اور 644ء میں ایک مجوسی (فیروز لولو) کے ہاتھوں شہید ہوئے۔
آپ نے بستر مرگ پر نئے خلیفہ کے انتخاب کے لئے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی (مجلس شوریٰ) کا اعلان کیا۔ یوں ایک مرتبہ پھر حصول اقتدار کے لئے جنگ وجدل کا خطرہ ختم ہو گیا۔ کمیٹی نے (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کو بطور خلیفہ سوئم منتخب کر لیا۔ آپ 644ء تک حکمران رہے۔
(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے دس سالہ دور خلافت میں عربوں نے عظیم ترین فتوحات حاصل کیں۔ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے خلافت سنبھالتے ہی عرب افواج نے شام اور مصر کا رخ کیا جو کہ اس وقت بازنطینی حکومت میں شامل تھے۔ جنگ یرموک (636ء) میں عربوں نے بازنطینی افواج کو عبرت ناک شکست سے دو چار کیا۔
دمشق بھی اسی برس فتح ہوا اور محض دو برس کے بعد یروشلم بھی قبضہ میں آ گیا۔ 641ء تک عربوں نے تمام ملک شام اور فلسطین کو قبضہ میں لے لیا تھا اور اس کے بعد ادھر کا رخ کیا جس کو آج ترکی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ 639ء میں عرب افواج نے مصر کو فتح کیا جو کہ بازنطینی حکومت کا حصہ تھا۔ صرف تین برس کے اندر عربوں نے مصر کو بھی مکمل طور پر فتح کر لیا۔

عربوں نے اب عراق پر حملہ کر دیا' اس وقت (عراق) ایران کی ساسانی حکومت کا ایک حصہ تھا۔ ابھی (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کو امور خلافت سنبھالے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ عربوں کی کلیدی فتح' جنگ قادسیہ (636ء) تھی جو کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے دور میں حاصل ہوئی۔

642ء تک، تمام عراق عربوں کے زیر نگیں ہو چکا تھا۔ یہی نہیں بلکہ، عرب افواج نے ایران پر چڑھائی کی اور جنگ نہاوند (642ء) میں ساسانی حکمران کی افواج کو مکمل طور پر شکست فاش سے دو چار کیا۔
(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت (644ء) تک عرب افواج نے مغربی ایران کا خاصہ حصہ فتح کر لیا تھا۔ مگر شہادت (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کا عرب افواج کی پیش قدمی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ مشرقی سمت سے انہوں نے جلد ہی ایران میں فتوحات مکمل کیں جبکہ مغربی سمت سے انہوں نے شمالی افریقہ تک پیش قدمی کی۔
جیسا کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کی فتوحات اہمیت کی حامل ہیں اسی طرح ان کا استحکام بھی اہم ہے۔ ایران، جس کی غالب اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر انہوں نے جلد ہی عربوں کی حکمرانی سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دیں۔ مگر شام، عراق اور مصر میں ایسا ردعمل ظاہر نہ ہوا۔ انہوں نے عربوں کو ذہنی طور پر قبول کر لیا اور خود بھی عربی بن گئے۔ وہ آج بھی اسی روش پر قائم ہیں۔
(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے، واقعی، اپنی افواج اور مفتوحہ علاقوں کا نظم نسق چلانے کے لئے عمدہ ترین اقدامات کئے۔ انہوں نے عرب افواج کو مفتوحہ علاقوں میں ہی رکھنے کا فیصلہ کیا اور ان کو الگ بستیوں (یعنی چھاؤنیوں) میں رہنے کا پابند کر دیا گیا۔ ان علاقوں کے غیر مسلم لوگوں کو کہا گیا کہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کریں۔ (ان میں غالب اکثریت عرب تھی) تاکہ ان کو امن و سکون حاصل ہو۔ نیز ان کو جبری طور پر اسلام قبول کرنے کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (درج بالا

سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عرب فاتحین نے یہ جنگیں قومی بالادستی کے لئے نہیں لڑی تھیں۔ یہ محض جذبہ ایمانی ہی تھا۔ یا اس کو مذہبی جوش و جذبہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے)

(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کی کامیابیاں ازحد متاثر کن ہیں۔ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد، وہی ایک قد آور شخصیت ہیں جنہوں نے اسلام کو فروغ دیا۔ ان کی پے در پے فتوحات کے بغیر، یہ ممکن نہ تھا کہ اسلام میں اسقدر ترقی ہوتی، جیسا کہ آج ہے۔ نیز یہ کہ، بہت سے مفتوحہ ممالک عرب معاشرت ہی کا جزو بن گئے۔ یقینی طور پر، یہ درست ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اس تحریک کا باعث تھے آپ ہی کی ذات ان تمام عوامل کا سرچشمہ تھی۔ مگر (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کی خدمات سے صرف نظر کرنا بھی ایک فاش غلطی ہوگی۔

جس قدر فتوحات انہوں نے حاصل کیں یہ خود بخود یا براہ راست نہ تھیں اور نہ ہی ان کے عقب ہی (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکمل اثر انگیزی کارفرما تھی۔ کچھ اثر ظاہر تو ہوتا مگر اس قدر وسیع و عریض سلطنت کا حصول (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کی عظیم الشان قیادت کے بغیر ممکن نہ تھا۔

(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ۔ بعض لوگوں کے لئے یہ بڑے حیران کن انکشاف کی بات ہوگی کہ، ان کی قد آور شخصیت سے اہل مغرب آگاہ نہیں ہیں۔ مگر یہاں ان کا درجہ چارلی مین اور جولیس سیزر سے بڑھا دیا گیا ہے۔ وہ اس لئے! کہ جس قدر عربوں نے فتوحات (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ)

کے دور میں حاصل کیں اس قدر شاندار فتوحات وسعت اور
استحکام کے اعتبار سے نہ تو چارلی مین اور نہ ہی سیزر نے
حاصل کیں۔"

جی ہاں یہ ہے وہ تعریف و توصیف جو ایک غیر مسلم نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف میں کی۔ یہی تو تھے حضرت بابا فرید گنج شکر کے جد امجد، جن پر بجا طور پر حضرت بابا فرید کو فخر تھا۔ اور یہی وہ فخر تھا کہ جس کے حصول کے لئے سلطان محمود غزنوی جیسا فاتح بیقرار تھا۔ کیونکہ وہ بھی اس خاندان کی نجابت کو جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ حضرت شعیب (جو کہ حضرت بابا فرید کے دادا جان تھے) فرخ شاہ کی چوتھی پشت سے ہیں۔

اس قسم کا فخر تو حاصل کرنا چاہتے تھے جناب عمر فاروق جب آپ ؓ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ کریم سے ان کی صاحبزادی سید ام کلثوم سے نکاح کی درخواست کی تھی اور اسی فخر کے حصول کے لئے آپ نے سید ام کلثوم سے نکاح فرمایا تھا۔

اسی فخر کے حصول کے لئے سلطان ہند نے حضرت شعیب کو مختلف ذرائع سے یہ باور کروایا کہ سلطان اپنی ہمشیرہ کی شادی ان کے ساتھ کرنا باعث فخر گردانتا ہے۔ مگر حضرت شعیب بھی اپنے وقت کے کامل ولی تھے۔ انہوں نے پس و پیش سے کام لینا شروع کر دیا۔ ادھر حاسدوں نے سلطان کو کہنا شروع کیا کہ ایک درویش بھلا کس طرح آداب سلطانی کو بجا لائے گا۔ وہ تو کسی طرح آداب سلطانی کو قبول نہ کرے گا۔ بعد میں جو بدمزگی پیدا ہونی ہے چنانچہ یہ خیال چھوڑ دیا جائے۔

مگر سلطان کے عزم صمیم نے سب کے منہ بند کر دیئے۔ چنانچہ بعض درباری سلطان کی اجازت سے حضرت شعیب کے پاس آئے اور سلطان کی آرزو بتلائی۔ حضرت شعیب کو تمام معاملہ کا علم تو تھا ہی۔ درپردہ آپ نے انکار تو اس سے قبل ہی کر دیا تھا۔ مگر اب چونکہ باضابطہ سفارت آئی تھی۔ اس لئے اتمام حجت کے لئے فرمایا کہ

"سنو! سلطانی اور درویشی میں کوئی قدر مشترک نہیں۔ کیونکر
یہ رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ ان باتوں کے باوجود بھی اگر سلطان
کی خواہش ہے تو ان کو چاہئے کہ پہلے اپنی ہمشیرہ سے اس کی
رائے طلب کریں۔ کہ کیا وہ محلات سے نکل کر فقیر کی ٹوٹی
پھوٹی کٹیا میں رہ لے گی۔ کیا وہ تمام تر آرام و عیش کو چھوڑ کر
ایک تہی داماں شخص کے ساتھ گزارہ کر لے گی۔ جو خود
مفلوک الحال ہے۔"

اس کلام کو انکار سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مگر سلطان بھی آخر جہاندیدہ شخص تھا اس نے آپ کی یہ شرط بھی پوری کر ڈالی اور اپنی ہمشیرہ کی رضا معلوم کر کے حضرت شعیب کو مطلع کر دیا۔ لوگوں کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی۔ کہاں سلطان وقت' فاتح ہند اور کہاں ایک بوریہ نشین' لوگوں کو اپنی سماعت پر شک ہونے لگا۔ مگر تمام فیصلے تو آسمانوں پر ہوتے ہیں۔ سلطان معظم تمام تر فتوحات کے باوجود فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نسل کے ساتھ قرابت داری کو اولیت دے رہا تھا۔ پہلے ان کے پاس دنیاوی حکومت نہ تھی۔

ایک مرتبہ اس نے درباریوں کی چہ می گوئیوں سے تنگ آکر کہا کہ سنو! میری حکمرانی تو تمہارے اجسام پر ہے۔ مگر شعیب کی حکمرانی تو لوگوں کے دلوں پر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ فرخ شاہ کی اولاد میں سے ہیں۔ وہی فرخ شاہ جن کو روحانیت کا شہنشاہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر تم لوگ اس حوالہ کو بھی حد خور اعتنا نہیں گردانتے تو وہ فرخ شاہ کے مورث اعلیٰ کی طرف نظر کر لیں۔ میں اپنی ہمشیرہ کو اس نوجوان کے عقد میں دے رہا ہوں جس کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے نسبی تعلق حاصل ہے۔ اور یہی وہ تعلق ہے جس کا اعزاز میری ہمشیرہ کو تاقیامت رہے گا کہ اس کو بھی فاروق اعظم کے خاندان سے قریبی تعلق حاصل ہوا۔

اب بھلا کس کی مجال تھی۔ حاسدین اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور پھر ایک دن دنیا نے دیکھا کہ ایک سلطان کی ناز و نعم میں پلی بڑھی بہن ایک درویش کے ساتھ بیاہی گئی۔ شادی کے بعد لوگوں کی نظر میں حضرت شعیب اب شاہی

خاندان سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ مگر حضرت شعیب نے اس تعلق کو کبھی قابل فخر نہیں سمجھا۔ بلکہ اپنے آپ کو حکومتی معاملات سے حتیٰ الامکان الگ ہی رکھا۔ اگر کبھی سلطان نے ان کی مدد کرنے کی کوشش بھی کی تو آپ نے فرما دیا کہ اے سلطان! میری سابقہ حالت سے تو تم اچھی طرح آگاہ تھے۔ میری عسرت و تہی دامنی تمہارے سامنے تھی۔ کیا میں تمہارے نذرانے قبول کر لوں تاکہ میری عسرت ختم ہو جائے۔ نہیں یہ تو ممکن نہیں۔ مجھے میرے حال میں خوش رہنے دو۔ مجھے زر و جواہرات سے سکون حاصل نہ ہو گا۔

سلطان محمود غزنوی جیسے باجبروت سلطان کے بہنوئی ہونے کے باوجود آپ نے کبھی کسی قسم کے لالچ کو اپنے قریب نہیں آنے دیا اور اپنے حال میں خود کو مگن رکھا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد فاتح ہند سلطان محمود غزنوی بے پناہ کامیابیوں کو لئے ہوئے اس جہاں سے رخصت ہو گیا۔ مگر حکومت کو اس کے دور حکومت والا استحکام حاصل نہ ہو سکا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ وقت امت کے زوال کا وقت تھا۔

پوری کی پوری اسلامی سلطنت انتشار و بدامنی کا شکار تھی۔ ان حالات میں تاتاری وحشیوں نے جی بھر کر اہل اسلام کو تہہ تیغ کیا۔ انہی فتنہ خیز ایام میں جناب شیخ شعیب کے والد محترم بھی شہید ہو گئے۔ یہ وہ حالات تھے کہ حضرت شعیب کو ہجرت کرنا پڑی۔

غزنی سے شیخ شعیب نے سوچا کہ کس طرف ہجرت کی جائے۔ کیونکہ ہر طرف بدامنی کا دور دورہ تھا۔ دہلی میں آئے دن کے حملوں سے ڈر محسوس ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ لاہور بھی حکومت کا ایک مرکزی مقام تھا۔ انہوں نے لاہور آنے کو ترجیح دی۔ دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے آپ بمعہ اہل خانہ لاہور وارد ہوئے۔ آپ نے کچھ عرصہ لاہور میں قیام کیا اور پھر کسی وجہ سے ملتان کا رخ کر لیا۔

شیخ شعیب ایک بالکل نئی جگہ آئے تھے۔ جہاں کی آب و ہوا اور رہن سہن ان کے لئے بالکل ہی نیا تھا۔ حکومت وقت کے پر زور اصرار پر آپ نے قاضی القضاء کا عہدہ بہ امر مجبوری قبول کر لیا۔ یوں آپ کھتوال کے قاضی بن کر قاضی شعیب کے نام سے مشہور و معروف ہوگئے۔ آپ نے پورے علاقے میں اسلامی اقدار کو فروغ دیا اور عوام و خواص کو شریعت کا پابند بنانے کے لئے اپنا پورا زور صرف کر دیا۔

حضرت شیخ شعیب کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے کا نام تھا شیخ جمال الدین سلیمان آپ کے علم و فضل کا چہار سو چرچا تھا۔ حالانکہ ابھی آپ نو عمر ہی تھے۔ مگر علوم دنیوی پر آپ کو کامل عبور حاصل تھا اسی طرح آپ کو دینی علوم میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ بڑے بڑے علمائے کرام آپ سے گفتگو کر کے اپنی دینی اور دنیاوی معلومات میں اضافہ فرمایا کرتے تھے۔

ملتان ہی میں ایک نامور عالم دین اور صاحب علم و حکمت مولانا وجیہ الدین بھی رہائش پذیر تھے۔ جن کا پورے شہر میں بڑا نام تھا۔ شہر بھر کے ممتاز علمائے کرام سے مولانا وجیہ الدین سے تعلق داری تھی۔ شدا شدا بات ان کے کانوں تک بھی پہنچی کہ شیخ شعیب کے صاحبزادے جناب جمال الدین سلیمان بڑے صاحب علم و فضل ہیں۔ چنانچہ مولانا وجیہ الدین نے ان کو اپنی دامادی میں لینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ یوں دونوں صاحبان علم باہم یکجا ہو گئے اور یکجا بھی ایسے ہوئے کہ ازحد قریبی تعلق قائم ہوگئے۔ مولانا وجیہ الدین نے اپنی بیٹی قرسم بی بی کا نکاح (کسی اور نے نہیں بلکہ شیخ نے) خود پڑھایا۔

یہ وہی نیک خاتون ہیں۔ جنہوں نے ایک ہندو ڈاکو داخل اسلام کیا تھا۔ مولانا وجیہ الدین صاحب علم و نظر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ میری بیٹی نیک پاک اور عبادات کی بہت پابند ہے۔ چنانچہ آپ کو قاضی شعیب کے صاحبزادے ایک عالم دین کے روپ میں نظر آئے تو ان کو یوں لگا کہ جیسے ان کی دلی تمنا پوری ہو گئی ہو۔ مولانا کے دلی جذبات جب کسی واقف حال نے قاضی شعیب تک پہنچائے تو ان کو کسی قسم کی بات سوچنے کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی۔

کیونکہ مولانا وجیہ الدین ملتان میں کوئی غیر معروف شخصیت تو نہ تھے۔ بلکہ ایک قد آور اور انتہائی معتبر شخص تھے۔ بہت سے دیگر بڑے بڑے خاندان مولانا صاحب کے لئے قرابت داری کے متمنی تھے۔ مگر بات تو تب بنی تھی کہ جب مولانا کی نگاہ جوہر شناس حتمی فیصلہ کرتی اور کسی میں بھی اس بات کا حوصلہ نہ تھا کہ خود سے کوئی رشتہ کی بات کرتا۔

اس قرابت داری کی خبر پورے ملتان شہر اور ارد گرد کے شہروں کے دیندار حلقوں میں بڑی خوشی سے سنی گئی اور دعا کی گئی کہ اللہ اس جوڑے پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور انہی دعاؤں کے طفیل اللہ کریم غفور الرحیم نے حضرت جمال الدین سلیمان کے گھر سیدنا و مولانا' برہان شریعت' سلطان طریقت گنج حقیقت حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر تولد ہوئے۔

روایات ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو چہرہ مبارک آفتاب کی مانند دمک رہا تھا اور پورے گھر میں نور ہی نور برس رہا تھا۔ والدہ محترمہ سمجھ گئیں کہ ایک ولی کامل آپ کی گود میں اللہ پاک نے بھیج دیا ہے۔

حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر کے بڑے بھائی کا اسم گرامی حضرت شیخ اعزالدین محمود اور چھوٹے بھائی کے نام مبارک ہے حضرت شیخ نجیب الدین متوکل وہی آپ کے خلیفہ اور مرید بھی تھے۔

آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کا نام نامی اسم گرامی تھا ہاجرہ خاتون' آپ کا لقب اطہر جمیلہ خاتون تھا۔ آپ بڑی پابند صوم صلوٰۃ خاتون تھیں اور کیوں نہ ہوتیں کہ دادا' والد' والدہ اور بھائی سبھی حاملین علم اور پھر اللہ کبیر و علیم نے آپ کو فرزند ارجمند بھی ایک ولی کامل عطا فرمایا۔ آپ کے فرزند محترم کا نام ہے حضرت علی احمد صابر کلیری آپ نے علوم شرعیہ کی تکمیل حضرت بابا فرید گنج شکر سے حاصل کی۔

تعلیم و تربیت

میں نے بفضلہ تعالیٰ بے شمار اولیائے عظام کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے ایک چیز شدت سے محسوس ہوئی ہے کہ اولیائے کرام کی اکثریت

اپنی کم سنی میں ہی یتیم ہوئی۔ شاید اولیائے کرام کی ابتدائی تربیت میں مولا کریم نے یہ بات رکھی کر اس طرح ان کو زمانے کے سرد گرم زیادہ نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملے۔

مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ سارے کام اللہ میاں جی کے ہی ہیں۔ وہی خالق و مالک ہے۔ دنیا اور آخرت کا۔ وہی دنیا بنانے والا ہے اور وہی دنیا کو بوقت روز قیامت ختم کر دے گا۔ وہی پیدا کرنے والا ہے اور وہی مارنے والا ہے اور پھر وہی ہے جو دوبارہ زندہ کرے گا کبھی نہ مارنے کے لئے۔ میرے مولا کی ہی تسبیح کرتے ہیں۔ پہاڑ و اشجار میں کیا تعریف کر سکتا ہوں۔ میں جو ایک پلید' گناہ کار' عاصی' پر خطا جس میں عیوب کی بھرمار ہے۔ نیکی کی رمق بھی نہیں۔ مگر میرے مولا کریم کی رحمت ہی اس خاکپائے سگ سگان کوئے مدینہ کی آس اور امید ہے۔ اللہ میاں جی مجھے دنیا اور آخرت میں رسوا ہونے سے بچانا۔ صدقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت شیخ الاسلام فریدالدین مسعود گنج شکر ابھی تقریباً" پانچ برس کے ہی ہوئے تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ جمال الدین سلیمان کا انتقال پرملال ہو گیا۔ پورے شہر میں کہرام مچ گیا۔ ایک صاحب علم' ماہر علوم شرعیہ ایک پاکباز ہستی کا دنیا سے اٹھ جانا کسی سانحہ سے کم نہیں ہوتا۔ ان کی نیک چلنی' راست بازی اور دینداری ہی ان کی سب سے بڑی کرامت ہوا کرتی ہے۔

حضرت قرسم خاتون بیوہ ہو گئیں۔ دنیاوی طور پر ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں گے۔ جیسا کہ عام طور پر دیکھا ہے کہ جو خاتون بیوہ ہو گئی اس کو مالی اور معاشرتی طور پر بیشمار مسائل و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور کسی حد تک اس بات کی تشویش بھی کی جاتی ہے کہ ان کے بچوں کا کون کفیل ہو گا۔ عورتیں روزانہ حاضر خدمت ہوتیں اور چاہتیں کہ آپ کو دلاسہ دیں۔ مگر یہ کیا آپ ان عورتوں سے فرماتیں مجھے کوئی غم نہیں۔ میرا اور میرے بچوں کا حامی و ناصر میرا اللہ موجود ہے۔

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ آپ کی پیدائش کھتوال میں ہوئی

اور وہیں آپ نے ابتدائی تعلیم بھی حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے زیادہ تر اپنی والدہ محترمہ سے ہی حاصل کی۔ کیونکہ آپ کی والدہ محترمہ خود عالمہ و فاضلہ تھیں اور ان کے یعنی آپ کی والدہ محترمہ کے والد گرامی بھی بہت بلند پایہ عالم دین تھے۔

کھتوال میں آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کا زیادہ تر حصہ والدہ محترمہ سے ہی حاصل کیا مگر آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کو ایک مدرسہ میں بھی بٹھا دیا تاکہ آپ باقاعدگی سے علوم شرعیہ کی تکمیل کریں۔ کھتوال میں جس مدرسہ میں آپ نے علم حاصل کیا وہاں آپ کے استاد محترم تھے جناب سید نذیر احمد صاحب۔

آپ نے کلام اللہ شریف اسی مدرسہ میں قاری محمد کی زیر نگرانی حفظ کیا۔ جبکہ دیگر علوم میں آپ کے استاد محترم جناب سید نذیر احمد صاحب تھے۔ یہ اپنے زمانے کے بہت معروف عالم دین تھے۔ انہوں نے بڑی توجہ و انہماک سے بابا سرکار کی تربیت کی۔ جناب بابا سرکار ساری زندگی اپنے استاد محترم کا احترام سے نام لیتے رہے۔

ابھی عمر مبارک بارہ برس سے زیادہ نہ تھی کہ اہل خانہ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ اس زمانے میں حج اس قدر آسان تو نہ ہوا کرتا تھا۔ حج کے سفر کے لئے باقاعدہ قافلے تیار ہوا کرتے تھے اور اکثر اوقات سفر میں پیدل بھی چلنا پڑتا تھا اور اس آمدورفت میں مہینوں لگ جاتے تھے۔ لازمی بات ہے کہ مہینوں کے سفر کے لئے زادراہ یعنی سفر کا خرچہ بھی تو ہونا لازمی امر تھا۔

اسی لئے اس زمانے میں لوگ کئی کئی برس حج کے پروگرام ہی بناتے رہتے مگر حج نہ کر پاتے۔ کبھی قافلہ نکل گیا تو کبھی کوئی اور پریشانی۔ مگر آج وہ صورتحال نہیں ہے۔ آج تو حج کرنا بڑا آسان ہے۔ نہ قافلے کی فکر نہ ساتھی اکٹھے کرنے کا مسئلہ۔ مگر افسوس بعض لوگ آج بھی باوجود استطاعت ہونے کے بھی اس سعادت کی حصول کے لئے کوشش نہیں کرتے۔

حج کے زکر سے مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ پچھلے

برس اردو بازار کے چند تاجر عمرہ کی سعادت حاصل کرنے حجاز مقدس گئے۔ ان میں سے چند میرے جاننے والے بھی تھے۔ میری یہ بڑی خواہش رہی ہے کہ جو بھی حج یا عمرہ سے واپس آئے اس سے جس قدر جلد ممکن ہو ملوں۔ جناب فہیم صاحب سے ملاقات کی اس طرح ملک نعیم صاحب سے بھی ملاقات کی اور آقائے نامدار کے دیس کی باتوں سے قلب کو گرمایا۔ پھر میں نے جناب طارق چودھری صاحب سے عرض کی کہ جناب بابر صاحب سے بھی ملوا دیں۔

جناب بابر صاحب ایک نامور باپ کے بیٹے ہیں۔ ان کے والد محترم الحاج محمد حسین گوہر صاحب بہت معروف شخص ہیں اور حجاج کرام کے لئے تربیتی کیمپ بھی لگائے ہیں۔ خیر! چودھری طارق صاحب نے بڑی عنایت کی اور مجھے لے کر جناب بابر صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

☆☆☆☆☆
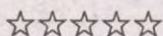
جناب بابر صاحب سے میری یہ پہلی باقاعدہ ملاقات تھی۔ اس سے پہلے بس سرراہے میرا تعارف جناب قبلہ معاذ حسن ہاشمی صاحب (جو کہ معروف ادیب ہیں) نے کروایا تھا۔ اس ملاقات میں انہوں نے مجھے اور طارق صاحب کو بڑی خوش دلی سے خوش آمدید کہا اور فوری طور پر چائے لانے کالڑکے کو کہا۔

اتنی دیر میں طارق صاحب اٹھ کر کسی کام کو چلے گئے۔ تو میں اور جناب بابر صاحب آمنے سامنے رہ گئے۔ دونوں خاموش۔ کوئی قابل زکر شناسائی نہیں تھی۔ بحرحال میں نے گفتگو کی ابتدا کی اور عرض کیا کہ

جناب آپ کو عمرہ شریف کی سعادت کی بہت بہت مبارک ہو۔

بابر صاحب نے شکریہ ادا کیا اور خاموش رہے۔

میں نے دوبارہ عرض کیا

جناب کوئی بات تو بتائیں۔ وہاں کیسے دن رات گزرے۔

بس جی پھر تو جناب بابر صاحب نے عقیدت بھری باتوں کی برسات کر دی اور لاہور سے چلنے اور لاہور واپس پہنچنے تک کی ساری کیفیت بیان کر دی۔ میں باتیں سنتا جارہا تھا اور آنسوؤں کو ادھر ادھر منہ کرکے چپکے چپکے پونچھتا جارہا

تھا۔

آخر میں بابر صاحب نے کہا کہ

"جناب! میرا تو یہ پہلا عمرہ تھا۔ میں ایک دنیا دار شخص ہوں۔ مجھے کوئی مذہبی علم بھی نہیں۔ میں نے اپنا زیادہ وقت بیت اللہ شریف میں گزارا۔ جبکہ فہیم صاحب اور ملک نعیم صاحب نے زیادہ تر وقت مدینہ طیبہ میں گزارا۔

جب واپس آنے کا پروگرام بنا تو مجھے سب نے کہا کہ تم نے مدینہ طیبہ کب چلنا ہے۔ اب تو واپسی میں دن کم رہ گئے ہیں۔ میں نے سوچا کہ مدینہ طیبہ بھی چلیں کیونکہ یہ بھی بہت ہی ضروری ہے۔

لیکن جب مدینہ طیبہ پہنچا تو یوں معلوم ہوا کہ دنیا پر ہی اب آیا ہوں۔ دل و دماغ روشن ہوگیا اور اب لاہور واپس جانے کو دل نہ چاہے۔ دل کرے کہ ساری زندگی یہیں پر گزار دوں۔ دوران سفر سارے راستے میرے دل و دماغ پر آقا و مولا کا روضہ ہی گھومتا رہا۔"

میں یہ باتیں سن کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا کہ اچھا بابر صاحب اجازت دیں۔ مگر انہوں نے کمال شفقت فرماتے ہوئے بٹھا لیا اور خود اپنے ہاتھوں سے چائے پیش کی۔ اللہ تبارک تعالیٰ انہیں بہت سے عمرے کرنے کی توفیق دے اور مجھ گناہگار کو بھی ان کے اور دیگر صالحین کے طفیل حجاز مقدس جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں مانتا ہوں کہ اس واقعہ کی اس کتاب میں جگہ نہیں بنتی مگر میرے نزدیک یہ بات اہم تھی کہ میں ایک شخص کی عقیدت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ' قارئین کرام کے سامنے پیش کروں۔

میں بات کر رہا تھا کہ فقط بارہ برس کی عمر میں حضرت بابا فرید گنج شکر حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ قافلے کی روانگی کی

تیاری زور و شور سے جاری تھی۔ کہ اچانک باباجی سرکار نے ام محترمہ سے پوچھا کہ

"امی جان! کیا نذیر شاہ صاحب بھی ہمارے ساتھ چل رہے ہیں"۔

جواب ملا کہ

"نہیں بیٹا! ان کا ہمارے ساتھ جانے کا تو ارادہ نہیں ہے اور وہ نہیں جارہے"

آپ نے بڑے لاڈ پیار سے عرض کیا کہ

"امی جان! میری دلی خواہش ہے کہ میرے استاد محترم بھی ساتھ چلیں"

آپ کی والدہ محترمہ کچھ سوچنے لگیں۔ وجہ یہ تھی کہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ اس زمانے میں حجاز مقدس کا سفر بڑا دشوار گزار ہوا کرتا تھا۔ اس میں مہینوں لگ جاتے تھے۔ اس لئے ان مہینوں کے لئے خرچ بھی ساتھ ہونا لازمی تھا۔ یہی بات سوچ کر غالباً" حضرت قرسم خاتون خاموش ہوگئیں۔ کہ اپنا زاد راہ تو اکٹھا کرلیا ہے اب اپنے بیٹے کے استاد کے زاد راہ کا بندوبست کیسے کروں۔

اسی اثنا میں باباجی سرکار نے والدہ محترمہ کے خیالات کو بھانپتے ہوئے عرض کیا کہ

"میرے استاد محترم نے مجھ پر اپنی وہ دولت نچھاور کی ہے جو بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس بھی نہیں ہوتی۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ میرے ساتھ میرے استاد و محترم بھی حج اور روضہ رسول کریم ؐ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم ان کے اخراجات برداشت کرسکتے ہیں"

یوں ننھے بچے فرید الدین مسعود نے جسے بڑا ہو کر گنج شکر بننا تھا۔ اپنے پہلے سفر حج میں اپنے استاد محترم کو فراموش نہ کیا اور بڑے جوش اور خوشی کے ساتھ اس مبارک سفر پر چلے۔ جنہوں نے بڑے ہو کر عظیم المرتبت شخصیت بننا ہوتا ہے سچ ہے کہ ان کا بچپن ہی ان کی گواہی بن جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ ہندوؤں کے

اوتاروں کی طرح بچپن میں تو مکھن چراتے رہے اور جوان ہو کر اوتار بن گئے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت علامہ اقبال کے بچپن کا واقعہ کہ جس میں آپ نے کہا کہ تھا کہ اقبال تو دیر سے ہی آتا ہے۔ اس بات کی گواہی ہے کہ کسی بچے کی ذہانت ہی اس کی جوانی کے تدبر کو اشکار کرتی ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ فرماتے ہیں۔

نہیں دیکھی یہ قدرت کی غلط بخشش کہ ہو جائے
شغال پست خو میں قوم کا لخت جگر پیدا

اولیائے عظام کی شان ولایت ان کے بچپن سے ہی نظر آجاتی ہے۔ ان کی عظمت اچانک نازل نہیں ہوتی بلکہ اوائل عمر سے ہی ان کی تربیت بحکم الٰہی درست طریقہ سے ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ ان کو جوان ہو کر دین کی تبلیغ کرنا ہوتی ہے۔

حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کر کے آپ ملتان آگئے اور آپ کی والدہ محترمہ نے بعد از تحقیق آپ کو مزید تعلیم کے لئے ملتان میں حضرت مولانا منہاج الدین کے مدرسہ میں بھیج دیا۔ آپ نے یہاں پر دینی تعلیم کو پورے جوش و جذبہ سے حاصل کیا۔

حالانکہ آپ اس وقت کم عمر تھے۔ سن یہی کوئی 13 تا 14 ہو گا۔ مگر باوجود یہ کہ زمانہ لڑکپن کا تھا۔ مگر عادت کوئی بچوں اور نوجوانوں والی نہ تھی۔ ہمہ وقت مطالعہ میں مستغرق، زیادہ سے زیادہ وقت مسجد اور مدرسہ میں گزارتے تھے۔ باقاعدہ نمازی حضرات اس کم سن نوجوان کو دیکھتے اور حیران ہوتے کہ چہرے بشرے سے تو بچہ معلوم ہوتا ہے مگر جب دیکھو عبادت یا مطالعہ میں مصروف ہوتا ہے۔

نہ لڑکوں کے ساتھ کھیلتا ہے نہ ہنستا ہے اور نہ ہی کسی سے فالتو بات چیت کرتا ہے۔ آپس میں لوگ سرگوشیاں کرتے رہتے تھے کہ معلوم نہیں اس کو اسقدر شوق کیوں ہے۔ حالانکہ ابھی یہ بچہ ہی ہے۔ مگر اس کا ذوق و شوق ماسوائے دینی کتابوں کے مطالعہ یا عبادت کے علاوہ کسی اور جانب نہیں ہے۔

بیعت مرشد

مگر ان سب باتوں کی جناب بابا فرید کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ان کا دل تو بس عبادت الٰہی اور مطالعہ کے علاوہ کسی اور جانب راغب ہی نہیں ہوتا تھا۔ ایک روز حسب معمول آپ مطالعہ میں غرق تھے۔ کہ یکایک آپ کو ایک نہایت لطیف خوشبو کی مہک آئی۔ یہ ایک ایسی مہک تھی کہ نہ تو آپ نے پہلے کبھی سونگھی اور نہ خیال کیا۔ آپ نے کتاب کو ہاتھوں میں مضبوطی سے تھامتے ہوئے گردوپیش پر نگاہ دوڑائی کہ یاالٰہی یہ عجیب سی خوشبو کہاں سے آرہی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ایک فرشتہ صورت بزرگ مسجد میں داخل ہو کر وضو خانے کی جانب آہستہ روئی سے قدم اٹھا رہے ہیں۔ آپ نے جو بزرگ عالی شان کو دیکھا تو پھر کسی اور طرف دیکھنا ہی بھول گئے۔ آپ یک ٹک انہی بزرگ کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اطمینان سے وضو کیا اور دو رکعت نفل ادا کئے، جتنی دیر وہ بزرگ وضو اور نماز میں مصروف رہے آپ کی نگاہیں بس انہی پر مرکوز رہیں۔

کتاب کو بند کر کے ہاتھوں میں تھام کر آپ فقط اس نورانی بزرگ کا ہی مطالعہ کر رہے تھے۔ ایک صاحب سے پوچھا کہ جناب یہ بزرگ کون ہیں تو انہوں نے بتایا کہ کیا تم انہیں نہیں جانتے یہ تو حضرت معین الدین چشتی کے خلیفہ اکبر جناب شیخ قطب الدین بختیار کاکی ہیں۔

نماز سے فارغ ہو کر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سیدھے آپ کی طرف چلے آئے۔ آپ حضرت شیخ کے احترام میں جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ مگر نگاہیں بدستور فرش پر مرکوز تھیں۔ حضرت شیخ بختیار کاکی کو بذریعہ کشف حضرت بابا فرید کی دلی کیفیات کا علم ہو چکا تھا۔

"تمہارا کیا نام ہے" حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے نوجوان سے دریافت فرمایا۔

"میرا نام فرید الدین مسعود ہے" آپ نے نہایت ادب سے جواب دیا۔

"مسعود! تو چہ می خوانی" حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے دریافت فرمایا۔

ترجمہ :۔ مسعود! تم کیا پڑھ رہے ہو۔

"کتاب نافع" حضرت فرید الدین گنج شکر نے نہایت اختصار سے مودبانہ جواب دیا۔

"میدانی کہ نفع تو ازیں نافع خواہد بود"

ترجمہ : تمہیں معلوم ہے کہ "نافع" سے تمہیں نفع ہو گا" حضرت شیخ نے دریافت فرمایا۔

آپ نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ

"جناب عالی! مجھے تو نفع آپ کی قدم بوسی سے ہی حاصل ہو گا۔ میں آپ کی نگاہ کرم کا طالب ہوں"

حضرت بختیار کاکی زیر لب مسکرائے اور پوچھا کہ

"کیا تم مجھے جانتے ہو میں کون ہوں اور کیا ہوں"

"جی ہاں! میں آپ کو بہت زیادہ نہیں جانتا۔ مگر میرا دل یہ جانتا ہے کہ میری تلاش اور میری جستجو کا مرکز و محور آپ ہی ہیں۔" حضرت بابا جی سرکار نے نہایت دل گرفتہ انداز میں عرض کیا۔

"کیا میں آپ کی پاک صحبت سے مستفید ہو سکتا ہوں۔" حضرت بابا

سرکار نے دل کی بات کو آخر کار کہہ ہی دیا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اس نوجوان طالب علم کو غور سے دیکھنے لگے۔ ان کو معلوم ہو گیا کہ نوجوان طالب علم محض ایک عام سا طالب علم نہیں بلکہ مستقبل قریب میں ایک عظیم رتبہ والا ولی کامل بننے والا ہے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے نہایت شفقت سے حضرت بابا جی سے کہا کہ

"میں تو شیخ بہاؤالدین زکریا کا مہمان ہوں۔ میرا قیام بھی وہیں ہے۔ اگر تمہیں فرصت ملے تو وہیں چلے آنا"

اتنا فرمانے کے بعد حضرت قطب جناب بابا فرید کو حیران و ششدر چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ خوشی و انبساط کے جذبات سے اس عظیم ترین ہستی کو فقط دیکھتے رہ گئے جن کو ملنے اور دیکھنے کی تڑپ آپ کو مدتوں سے تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی ازحد قیمتی خزانہ اچانک سر راہے مل ہو۔ یہ سب کچھ غیر متوقع ہی تو ہوا تھا۔ رات جیسے تیسے کاٹی اور پوری رات ہی مرشد پاک کے خیالوں میں گزار دی بس تہجد ہی پڑھ پائے۔ جیسے ہی نماز فجر سے فارغ ہوئے آپ نے حضرت بہاؤالدین زکریا کی خانقاہ کا رخ کر لیا۔

یہی سوچتے چلے جا رہے تھے کہ بس وہاں پر حضرت بہاؤالدین زکریا اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی ہی ہوں گے۔ انہی خیالوں میں غلطاں و پیچاں چلے جا رہے تھے کہ معلوم ہی نہ ہوا کہ سارا راستہ کیسے کٹ گیا۔ سامنے ہی حضرت بہاؤالدین زکریا کی خانقاہ نظر آئی۔ بس یوں لگا کہ جیسے ابھی مسجد سے نکلے تھے اور ابھی خانقاہ آ گئی۔

مگر یہ کیا یہاں تو ہجوم ہی اس قدر تھا کہ اللہ کی پناہ۔ جس طرف دیکھیں لوگ ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ حالانکہ ابھی سپیدہ سحر مکمل طور پر نمودار نہیں ہوا تھا اور قدرے اندھیرا ہی تھا مگر پھر بھی لوگوں کا ہجوم اور ہلکا سا شور تو محسوس کیا جا سکتا تھا۔ آپ بھی ایک مناسب جگہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کی بیتابی کا مشاہدہ کرنے لگے ہے۔

ہر شخص خانقاہ کے اندر جانے کا متمنی و منتظر تھا۔ مگر خدام ان کے راستے روکے ہوئے تھے۔ ایک ایک کر کے لوگوں کو اندر بھیج رہے تھے۔ جو شخص بھی واپس آتا لوگ اس کو بڑے اشتیاق سے دیکھتے اور وہ شخص بھی اپنے اپنے میں فخر محسوس کرتا۔

لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی دہلی سے تشریف لائے ہیں۔ لوگ اپنے اپنے انداز میں دونوں بزرگوں کی عظمت بیان کر رہے تھے۔ مگر چونکہ حضرت بابا فرید کی یہ پہلی ملاقات تھی اس لئے آپؒ کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ لوگوں کی زبانی پہلے بھی ان بزرگوں کی بابت باتیں سنتے رہے تھے مگر روبرو ملاقات کا یہ پہلا موقع تھا۔

کافی دیر بابا فرید اس انتظار میں رہے کہ کسی طرح انہیں بھی اندر جانے کی اجازت مل جائے گی۔ مگر وہاں تو بڑی بڑی عمر کے بزرگوں کو ان کی عمر کے حساب سے اولیت دی جا رہی تھی۔ پھر نوجوان لڑکے کو بھلا کسی طرح اجازت مل سکتی تھی۔

آخر آپ نے ایک خادم کو ملتجی لہجے میں کہا کہ

"جناب عالیٰ! مجھے بھی اندر جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں"

"تم کیا کرو گے اے لڑکے۔" خادم نے ترش لہجے میں کہا۔

"کیوں کیا میں شیخ کو مل نہیں سکتا۔ میں تو بڑے ارمانوں سے آیا ہوں" حضرت بابا فرید نے لجاجت سے کہا۔

"ارے میاں صاحبزادے! یہاں تو بڑے بڑے لوگ محروم ہیں ابھی تک۔ پھر تم کیا ہو۔ اگر دیدار ہی کرنا ہے تو یہیں دروازے کے پاس کھڑے رہو۔ جب حضرت قطب باہر تشریف لائیں گے تو دیدار کر لینا" خادم نے نرم پڑتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھے تو شیخ نے خود یہاں آنے کے لئے فرمایا تھا۔ آپ براہ مہربانی صرف یہ شیخ سے عرض کر دیں کہ ایک طالب علم جس کا

نام فرید ہے۔ ملاقات کے لئے آیا ہے۔" حضرت بابا فرید نے کہا۔

خادم نے اس نوجوان کی آنکھوں میں ملاقات کی تڑپ اور لگن دیکھی۔ بادل نخواستہ خانقاہ کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے لرزتے لرزتے حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے عرض کیا کہ ایک طالب علم جس کا نام فرید الدین مسعود ہے۔ ملاقات کی اجازت چاہتا ہے۔

"پھر تم اس کو اندر کیوں نہیں آنے دیتے۔ ہم نے ہی تو اسے یہاں آنے کے لئے کہا تھا۔" حضرت قطب جلدی سے بولے "جی اچھا سرکار" خادم جلدی سے باہر کی طرف لپکا۔

اسی اثنا میں لوگ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے کہ یہ ہمہ وقت مطالعہ میں غرق رہنے والا دیوانہ سالڑکا آج اگر بول بھی رہا ہے تو کس قدر بچوں والی بات کر رہا ہے کہ مجھے شیخ نے خود بلوایا ہے۔ اسی طرح کی باتیں ہو رہی تھیں کہ خادم تیزی کے ساتھ آپ کے قریب آیا۔

"آپ اندر چلئے! شیخ کو آپ ہی کا انتظار ہے" اس مرتبہ خادم کے لہجے میں انتہائی شائستگی تھی اور پہلے والی درشتگی کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

لوگوں کی زبانیں یکایک بند ہوگئیں اور اس کو قدرے حیرت ہوئی کہ واقعی ہمیشہ چپ رہنے والا یہ نوجوان تو چھپا رستم نکال۔ مگر حضرت بابا فرید ان سب باتوں سے بے نیاز' آہستہ آہستہ خانقاہ کے اندر داخل ہوگئے۔ اندر کافی سارے عقیدت مند بیٹھے دھیرے دھیرے حضرت قطب سے باتیں کر رہے تھے۔ آپ ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ نامعلوم حضرت مجھ سے کیا بات کرتے ہیں اور مجھے تو کوئی بات کرنے کا حوصلہ ہی نہیں۔

اتنے میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے فرمایا۔

"شیخ بہاؤالدین! یہ ہے فرید' جس کا ذکر میں نے کیا تھا۔"

"ماشاء اللہ! ماشاء اللہ" حضرت بہاؤالدین نے شفقت بھرے لہجے میں

فرمایا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت بہاؤالدین زکریا اور حضرت بابا فرید گنج شکر دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ مگر تاریخی سند نہیں ملتی۔ میرے خیال میں رشتہ داری ضرور ہوگی اور اسی وجہ سے یقینی بات ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے۔

اس کے باوجود کہ دونوں ایک دوسرے سے آشنا ضرور تھے۔ مگر حضرت بہاؤالدین زکریا کو یہ امید تو نہیں ہو سکتی تھی کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی جیسے شیخ ان کے شہر کے ایک نوجوان سے چاہے ان کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اس قدر الفت سے پیش آئیں گے۔

روایات میں آیا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ملتان میں حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آٹھ دس روز فروکش رہے۔ ان ایام میں حضرت بابا فرید ہمہ وقت آپ کی خدمت میں ایک خادم کی حیثیت سے موجود رہے۔ آپ کا طرز عمل حضرت بہاؤالدین زکریا اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی بخوبی دیکھ رہے تھے اور اپنے اپنے کشف کے ذریعہ معلوم کر چکے تھے کہ یہ نوجوان دین کی کیسی تڑپ رکھتا ہے اور اس کو حصول علم کے لئے کس قدر جستجو ہے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے ملتان میں قیام کے دوران ہی آپ نے حضرت بابا فرید کو بیعت فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت بابا فرید کو جب دہلی میں دوبارہ بیعت کیا تو وہ تجدید بیعت تھی۔ جس میں آپ کو خرقہ بھی عنایت فرمایا گیا۔ بحرحال کچھ بھی ہو۔ ان دونوں مواقع کا تذکرہ اولیائے کرام کی تاریخ میں ملتا ہے۔ فقیر کا تو یہی خیال ہے باقی تمام حالات کا علم اللہ عزوجل کو ہے۔

ہفتہ عشرہ قیام کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے ملتان سے دہلی کے لئے رخت سفر باندھا۔ حضرت بابا فرید بضد تھے کہ ان کو بھی ہمراہی کا شرف عطا کیا جائے۔ مگر پیرو مرشد نے آپ کو مزید تعلیم حاصل کرنے اور مشاہدات و مجاہدات کا حکم فرمایا۔ پیرو مرشد کے حکم سے سرتابی کی گنجائش تو نہ

تھی۔ مگر حضرت بابا فرید نے اپنے طرز عمل سے اپنے جذبات و احسابات کا مکمل طور پر حضرت قطب الدین بختیار کاکی پر اظہار کر دیا۔

مگر صاحب علم اور صاحب کشف مرد حق قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے کمال محبت سے ارشاد فرمایا۔

"بابا فرید! اللہ کے تخلیق کردہ دین کا مشاہدہ کرو۔ اس کے برگزیدہ بندوں سے ملو۔ اور یہ مشاہدہ کرو کہ کون کس مقام پر ہے اور کیا کر رہا ہے۔"

حضرت بختیار کاکی اب ملتان سے چل دیئے۔ مگر یہ کیا۔ نوجوان مسعود جس نے مستقبل قریب میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے نام سے لازوال شہرت اختیار کرنا تھی۔ اس نوجوان کو لوگ نے دیکھا کہ یہ نوجوان جو نہ تو زیادہ بولتا تھا اور نہ ہی زیادہ گھومتا پھرتا تھا۔ مگر اس وقت وہی ہروقت مطالعہ میں غرق رہنے والا نوجوان نا صرف چل پھر رہا تھا بلکہ سواری کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا اور اونچی آواز میں پیرو مرشد سے نظر کرم کی التجائیں بھی کر رہا تھا۔

حضرت بابا فرید کی آواز اور چال اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ آپ از حد رنجیدہ ہیں اور کسی طرح ان کا بس نہیں چل رہا کہ اپنے پیرو مرشد کے ساتھ ان کے آستانہ عالیہ تک ان کے ساتھ جا پہنچیں۔ آخر جب حضرت بختیار کاکی کی سواری ملتان سے تین کوس کے فاصلے پر چلی گئی تو حضرت بختیار کاکی نے آپ سے فرمایا کہ

"بابا فرید! اب تم جاؤ اور کچھ عرصہ علوم ظاہری حاصل کرو۔ پھر تم دہلی کا رخ کرنا۔ تم دیکھو گئے کہ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا ہوں گا۔ بس اب تم واپس جاؤ۔ اللہ تمہارا حامی و مدد گار ہو۔"

ان تسلی بخش حکمات کو سن کر حضرت بابا فرید کو خاصی ڈھارس بندھی اور آپ دکھے دل کے ساتھ واپس ملتان چلے آئے۔ مگر خاصے دنوں تک سنبھل نہ پائے۔ ہروقت اپنے شیخ کے حضور میں حاضر ہونے کے متعلق ہی سوچتے رہتے

کہ کب حضرت پیرو مرشد کی زیارت نصیب ہوگی۔

آپ نے ابھی درج بالا سطور میں ملاحظہ کیا ہو گا کہ حضرتُ بختیار کاکی نے حضرت بابا فرید سے فرمایا کہ "بابا فرید"۔ یعنی بابا فرید کہہ کر مخاطب کیا۔

اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نے بڑے لاڈ اور پیار سے آپ کو بابا کہہ کر مخاطب فرمایا جیسا کہ عام طور پر بزرگ بچوں سے بات کیا کرتے ہیں۔ یہاں پر سمجھنا مناسب نہیں ہے کہ حضرت بختیار کاکی نے آپ کو بزرگی کا مرتبہ عطا کر دیا تھا۔ بلکہ آپ کو اپنے سایہ میں لینے کا گویا کہ اعلان کر دیا تھا۔
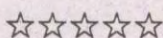
حصول فیض

جیسا کہ آپ پچھلے اوراق میں پڑھ آئے ہیں کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا تھا کہ "ابھی کچھ عرصہ تم اللہ کے دین کو دیکھو اور اللہ کے برگزیدہ بندوں سے مل کر یہ دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور ان کی مصروفیات کیا کچھ ہیں۔" یہ ارشاد گرامی ہروقت آپ کے کانوں میں گونجتا رہتا اور آپ اسی بارے میں غوروفکر کرتے رہتے کہ اس کام کی ابتدا کس طرح کی جائے۔

مگر اس سلسلہ میں سب سے اہم مرحلہ تھا کہ والدہ محترمہ سے کس طرح اجازت حاصل کی جائے۔ آپ کو معلوم تھا کہ والدہ دور دراز سفر کی اجازت ذرا مشکل سے دیں گی۔ کیونکہ کھتوال سے ملتان اس قدر دور نہ تھا مگر آپ کی والدہ محترمہ بڑی بیتابی سے ملنے آیا کرتی تھیں۔

آخر کافی غوروخوص کے بعد آپ نے مشاہدات و مجاہدات کے لئے مسافرت کا مصمم ارادہ کر لیا مگر اس سلسلہ میں آپ کی اپنی والدہ ماجدہ کی اجازت حاصل کرنا تھی۔ ملتان میں تعلیم حاصل کرنا آپ کے لئے اب ایک مشکل مرحلہ بن چکا تھا۔ خیر اب آپ نے اپنی والدہ صاحبہ سے بات کرنا ضروری خیال فرمایا اور تھوڑے دنوں کے غوروفکر کے بعد کھتوال چلے آئے۔

"مسعود تم! کیا تم مقررہ وقت سے پہلے ہی نہیں چلے آئے۔ کیا تمھاری

تعلیم مکمل ہوگئی ہے۔" ڈھیروں سوالات کے ساتھ ایک عالم دین کی بیٹی اور ایک عالم دین کی بیوہ اپنے فرزند ارجمند سے مخاطب تھی۔ اپنے اس فرزند سے کہ جس نے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لافانی شہرت حاصل کرنا تھی۔

قاضی شعیب کی بہو اور مولانا وجیہ الدین کی عالمہ اور فاضلہ بیٹی کو بخوبی معلوم تھا کہ تحصیل علم میں کتنا عرصہ درکار ہوتا ہے اور یہ میرا حکم تھا کہ تحصیل علم کے بعد ہی ملتان سے کھتوال لوٹنا اس عرصہ میں تمہیں ملنے کے لئے خود ہی ملتان آجایا کروں گی۔ تمہیں کھتوال آنے کی ضرورت نہیں۔

والدہ گرامی قدر کے پے در پے سوالات نے حضرت بابا فرید کو بولنے پر مجبور کر دیا آپ نے عرض کیا کہ کسی طرح حضرت شیخ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ سے مسجد میں ملاقات ہوئی اور آپ نے شرف ملاقات بخشا اور پھر کیا حکم دے کر خود دہلی تشریف لے گئے۔

جہاں دیدہ ماں اپنے لائق فائق بیٹے کی والہانہ گفتگو سن رہی تھی اور اس کو بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا ہونہار بیٹا کن منزلوں کو سر کرنے پر آمادہ ہے۔ علمائے دین سے گہرے تعلق کی وجہ سے ان کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ اور حضرت بہاؤالدین زکریا علیہ الرحمۃ کے مراتب کیا ہیں۔ اور اگر حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمۃ نے ان کے فرزند ارجمند پر نظر کرم فرمائی ہے تو یقینی بات ہے کہ ان کے بیٹے کی قسمت ہی جاگ اٹھی ہے۔ ان کو اس بات کا ادارک ہو چکا تھا کہ ان کا بیٹا غیر معمولی صفات کا حامل ہے۔ وگرنہ حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمۃ ہزاروں عقیدت مندوں میں ایک نو عمر طالب علم پر اس قدر توجہ نہ فرماتے۔ مگر جس کو سعادت حاصل ہونا ہوتی ہے اس کو ہی ہوتی ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ ادا کیا اور آپ سے یوں ارشاد فرمایا۔

"پیارے بیٹے مسعود! اللہ پاک نے میری راتوں کی جاگ جاگ کر کی جانے والی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ مجھے اس دن کا کس قدر شدت سے انتظار تھا۔

اللہ کریم نے تمہارا اقبال بلند فرمایا ہے کہ حضرت بختیار کاکی جیسے عالم اجل اور ولی کامل خود تم تک آن پہنچے۔ تمہیں جستجو کی ضرورت نہ پیش آئی۔ انہوں نے تمہیں دولت لازوال سے سرفراز فرمایا۔

میری خوشی کا اندازہ میرے بیٹے تم کسی طرح نہیں کر سکتے۔ تمہارے لئے اب مناسب یہی ہے کہ اپنے شیخ کے حکم کو بجالاؤ۔ اس کو اپنے لئے مسئلہ نہ بناؤ اور اس طرح تم اپنے شیخ کو خوش کر لو گے۔ کبھی ہمت نہ ہارنا۔ ہمیشہ اپنے حوصلوں کو بلند رکھنا اور اللہ کو ہر وقت یاد رکھنا۔

میرے پیارے بیٹے! میری دعائیں ہر وقت تمہارے ساتھ ساتھ ہوں گی۔ اللہ تمہیں کامیاب و کامران فرمائے گا۔"

ان دعاؤں کو اپنے دامن اطہر میں سمیٹ کر حضرت بابا فرید اب مسافرت پر چلنے کے لئے تیاری کرنے لگے۔ ایک ایسی مسافرت جس میں زر و مال کا حصول مطمع نظر نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اور صرف علم کا حصول پیش نظر رہتا ہے۔ جس سفر کے دوران کبھی کبھار ہی پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوتا ہے۔ ورنہ اکثر راتیں بھوکے پیاسے ہی گزارنا پڑتیں ہیں۔ ان سب باتوں سے سفر کرنے والے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھوک پیاس کے علاوہ عمدہ کپڑوں سے بھی واسطہ نہ رکھنا ہو گا۔ مگر طالبان حق ان سب باتوں کے لئے ہمہ وقت تیار ہی ہوتے ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی مسافرت کے دوران بزرگوں سے فیض حاصل کرنے کے واقعات قلمبند کرنے سے پہلے ہم آپ کے لئے حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد گرامی کا مختصر تعارف پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام حضرت قطب الدین بختیار اوشی کاکی رحمتہ اللہ علیہ تھا۔ آپ ماوراء النہر کے ایک قصبہ اوش میں پیدا ہوئے تھے اس وجہ سے آپ کو اوشی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ دوشنبہ کی رات 537ھ کو پیدا ہوئے۔

آپ کا نام بختیار تھا جبکہ لقب اطہر قطب الدین تھا۔ آپ حسینی سادات میں سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ بن سید کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ بن سید احمد اوشی رحمۃ اللہ علیہ بن سید کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ بن سید محمد رحمۃ اللہ علیہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ بن سید رضی الدین رحمۃ اللہ علیہ بن سید حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ بن سید رشید الدین رحمۃ اللہ علیہ بن سید جعفر رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت تقی الجواد رحمۃ اللہ علیہ بن علی موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ بن موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ بن جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ بن محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ بن زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ابھی محض ڈیڑھ دو برس کی عمر میں ہی پہنچے تھے کہ آپ کے والد گرامی اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ آپ کی پرورش آپ کی

والدہ ماجدہ نے ہی فرمائی۔ آپ کی پیدائش سے قبل کا ذکر آپ کی والدہ یوں فرماتی ہیں کہ ابھی آپ ان کے پیٹ میں تھے کہ نصف شب گزرنے کے بعد ایک پہر دن نکلنے تک اللہ پاک کا ذکر فرماتے تھے۔

اس بات کی وجہ سے آپ کی والدہ کو یہ تو معلوم ہو ہی گیا تھا کہ میرا یہ پاک بیٹا مادر زاد ولی ہے۔ اس لئے انہوں نے آپ کی تربیت آپ کی ذہنی قوت کے مطابق کی کیونکہ آپ جانتی تھیں کہ میرا بیٹا کوئی معمولی بچہ نہیں ہے۔

جب آپ کی عمر مبارک پانچ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو حضرت ابو حفص ﷫ کے مدرسہ میں برائے حصول تعلیم ظاہری و باطنی داخل کرا دیا۔ یوں حضرت بختیار کاکی نہایت کم سنی سے ہی عبادات، ریاضات اور مجاہدات میں منہمک ہو گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت معین الدین چشتی ﷫ ایک مرتبہ امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں تشریف لائے۔ وہاں پر علاوہ دیگر بزرگان دین کے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی ﷫، شیخ اوحد الدین کرمانی ﷫، شیخ برہان الدین چشتی ﷫ اور شیخ محمد اصفہانی ﷫ بھی موجود تھے۔ سیر العارفین صفحہ نمبر 46 اور سیر الاقطاب صفحہ 145 میں درج ہے کہ اوش سے نکل کر یا تعلیم سے فراغت پاکر حضرت بختیار کاکی ﷫ جب بغداد پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت معین الدین چشتی ﷫ بغداد تشریف لائے ہوئے ہیں۔

آپ خود مجاہدات و مشاہدات اور عبادت اور ریاضت میں ہمہ وقت مشغول رہنے والے تھے۔ بھلا حضرت معین الدین چشتی جیسی ہستی سے کیسے لاتعلق رہ سکتے تھے۔ فوراً امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حاضر ہوئے۔

آپ نے حضرت معین الدین چشتی ﷫ سے دلی وارفتگی کا اظہار فرمایا۔ شیخ علیہ رحمتہ نے آپ کے قلبی رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے آپ کو بیعت کر لیا۔ یہ بیعت تمام بڑے بڑے برگزیدہ اولیائے عظام کے سامنے ہوئی اور سبھی بزرگوں نے آپ کے لئے دعائے خیر فرمائی اور حضرت معین الدین چشتی ﷫ نے

آپ کو ولایت کے اسرار و رموز سے آگاہ کیا اور حد درجہ شفقت فرماتے ہوئے باطنی طور پر مالا مال فرما دیا۔

روایات میں وارد ہوتا ہے کہ یہ غالباً" 566 کا ہجری سال تھا۔ یعنی ابھی آپ بیس برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ آسمان ولایت کا آفتاب آپ پر حد درجہ مہربان ہو گیا اور حضرت معین الدین چشتیؒ نے نا صرف آپ کو بیعت سے سرفراز فرمایا بلکہ آپ کو خرقہ خلافت سے بھی نواز دیا۔

حضرت معین الدین چشتیؒ آپ کو وظائف و ریاضت کی تعلیم عطا فرما کر خراسان کی طرف تشریف لے گئے اور آپ بحکم مرشد پاک انہی معاملات میں مصروف ہو گئے۔

بغداد آنے سے قبل روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شادی بھی کی اور بیوی کو طلاق بھی دے ڈالی تھی۔ سبب اس کا کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ علاوہ دیگر اوروود و وظائف کے دن اور رات میں کل ملا کر ایک سو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ جبکہ ہر شب سونے سے قبل تین ہزار بار درود پاک پڑھ کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں بطور ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔

یہ معمولات ایک عرصہ سے آپ نے اختیار کر رکھے تھے۔ مگر شادی کی تین ابتدائی راتوں میں اس کا ناغہ ہو گیا۔ روایت ہے کہ ایک زاہد نے خواب میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے حکم دیا کہ قطب صاحب سے پوچھیں کہ یہ بے نیازی کیونکر ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

مگر ایک اور روایت بھی بڑے مستند حوالوں سے کتب میں ملتی ہے کہ سیر العارفین صفحہ 54' سفینۃ الاولیا صفحہ 161 اور سیر الاقطاب میں تحریر ہے کہ ہندوستان کے حکمران سلطان شمس الدین التمش کو آپ کے ساتھ بے حد عقیدت تھی اور وہ اکثر آپ کے پاس حاضری دیا کرتا تھا۔ حضرت بختیار کاکیؒ اپنے ملفوظات میں تحریک فرماتے ہیں کہ

"ایک رات وہ (بھی التمش) میرے پاس آیا اور میرے

پاؤں پکڑ لیا۔ میں نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو۔ اس نے کہا کہ رب العزت نے مجھ کو مملکت تو عطا فرما دی ہے، مگر قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور اس کا حساب دینا ہوگا، تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیئے گا۔ وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک کہ میں نے اس کی بات نہ کر لی۔"

مگر اس کے باوجود آپ اس سے کچھ حاصل نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ کے پیرو مرشد نے آپ کو تھوڑا بہت قرض لینے کی اجازت مرحمت فرما رکھی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرما رکھا تھا کہ آپ کے ہمسایہ میں جو پرچون فروش ہے اس سے قرض لے کر بچوں کے لئے کھانے کا انتظام کریں۔ ایک روز پرچون فروش کی اہلیہ نے آپ کی زوجہ محترمہ سے کہا کہ

"اگر ہم تم لوگوں کو قرض نہ دیں تو تمہارے بچے بھوکوں مر جائیں۔"

اس بات کا علم حضرت بختیار کاکی ﷫ کو بھی کسی طرح ہو گیا۔ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا کہ اس پرچون فروش کا حساب بے باق کرنے کے بعد اس سے قرض نہیں لینا ہے۔ خیر جب قرض ادا ہو گیا تو آپ نے اپنی زوجہ سے فرمایا کہ اب آپ کو جب روٹی کی حاجت ہو تو طاق میں سے روٹی نکال کر کھا لیا کریں۔ اللہ کریم غفور الرحیم کی قدرت سے یہی معمول کافی عرصہ چلتا رہا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شادی دوبارہ کر لی ہوگی۔ جس سے بچے بھی ہوئے ہوں گے۔ بحرحال دونوں روایات تواریخ میں موجود ہیں۔

جب لوگوں کو اس بات کا علم ہوا تو آپ کا لقب اطہرہی کاکی یعنی روٹی والے مشہور ہو گیا کیونکہ کاک روٹی کو کہا جاتا ہے۔

اس لقب کی ایک وجہ بھی روایات میں وارد ہوئی ہے۔ حضرت بختیار کاکی اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ دریا کی طرف نکلے۔ دریا کے گھاٹ پر پہنچ کر ہم دونوں بیٹھ گئے۔ بھوک کی شدت سے دونوں بے حال تھے۔ مگر ہم دونوں ایک دوسرے سے اس کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک بکری اپنے منہ میں دو روٹیاں دبائے ہوئے چلی آرہی تھی۔

بکری ہمارے قریب پہنچ کر رک گئی اور روٹیوں کو ہمارے آگے رکھ کر چلی گئی۔ ہم دونوں نے آپس میں کہا کہ یقینی بات ہے کہ یہ بکری غیب سے آئی تھی اور یہ روٹیاں قدرت کاملہ نے ہمارے لئے بھیجی تھیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور وہ کھالیں۔"

آپ کے مرشد پاک بھی عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار رہتے تھے۔ انہی کی صحبت کا اثر آپ پر بھی تھا۔ اس لئے آپ ہر رات کو تین ہزار درود پاک پڑھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اپنی مجالس میں احادیث نبوی ؐ کا ذکر برابر فرماتے رہتے۔

ایک مرتبہ آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ آپ نے فرمایا کہ "شروع شروع میں مجھ سے کلام اللہ شریف حفظ نہیں ہوتا تھا۔ ایک رات میں درود پاک پڑھ کر سوگیا۔ رات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پاک سے شرف ہوا۔ میں آقا کے قدموں پر گر پڑا اور رونے لگا۔

پھر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ کلام اللہ شریف حفظ کر لوں۔ آقائے دو جہاں کو میرے رونے پر رحم آگیا اور بڑی شفقت سے فرمایا کہ سر اٹھاؤ۔ میں نے حسب الحکم سر اٹھایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ یوسف برابر پڑھا کرو۔ قرآن

قرآن مجید یاد ہو جائے گا۔

میں بیدار ہوا تو حسب الحکم سورۂ یوسف کی مواظبت کی یہاں تک کہ یوں کلام اللہ شریف حفظ کر لیا"

ایک بار بادشاہ کا حاجب اختیار الدین ایبک قدم بوسی کی غرض سے ہوا اور بطور عقیدت آپ کی خدمت عالیہ میں کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے۔ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو ناگوار محسوس کیا اور اس شخص کو اپنے قریب بلوایا جب وہ قریب آگیا تو آپ نے اس کو اپنی جانماز کا ایک گوشہ الٹا کر نیچے دیکھنے کو کہا۔

جب اس نے بچشم خود دیکھا تو اس کو خزائن الہٰی کے دریائے ذخائر بہتے دکھائی دیئے۔ وہ دم بخود کچھ دیر یونہی ساکت بیٹھا رہا۔ آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس کے یہاں خزائین کا دریا بہتا ہو وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا۔ جاؤ اور آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی مت کرنا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آپ اپنے مرشد کے ساتھ اوش سے دہلی چلے آئے اور یہاں پر آپ نے فیوض و برکات بانٹنے شروع کئے تانکہ 634ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ نے رحلت سے قبل یہ وصیت کی تھی کہ جب آپ کا انتقال ہو جائے تو آپ کا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے کسی قسم کی کوئی بھی حرام کاری نہ کی ہو۔ کبھی عصر کی سنتیں قضا نہ کیں ہوں اور ہمیشہ نماز باجماعت ادا کی اور تکبیر اولیٰ میں شریک رہا ہو۔

بعد از وصال آپ کا جنازہ برائے نماز جنازہ رکھا ہوا تھا۔ سب کو آپ کی وصیت کا علم تھا۔ بڑے بڑے مشائخ عظام تشریف لائے ہوئے تھے۔ مگر کوئی بھی نماز پڑھانے کے لئے قدم نہ اٹھا رہا تھا۔ آخر سلطان ہندوستان سر جھکائے ہوئے آئے بڑھا اور یہ کہتے ہوئے نماز پڑھانے کے لئے آیا کہ آج مرشد پاک نے مجھ کو لوگوں میں عیاں کر دیا۔ یوں ایک ملک کے بادشاہ نے شہنشاہ ولایت کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔

آپ کا مزار اقدس دہلی سے کچھ فاصلہ پر مہرولی نامی مقام پر موجود ہے اور آج بھی مرجع خلائق ہے۔ فقیر آپ کے روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جیسا کہ آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ جب ملتان میں تشریف لائے تو وہاں ان کا قیام حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر میں تھا۔ دور و نزدیک سے طالبان حق آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لئے دوڑے چلے آرہے تھے۔ ملتان میں ہی آپ کی ملاقات حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تھی۔ ابھی ہم آپ کی خدمت میں حضرت بابا گنج شکر کی مسافرت حال بیان کر رہے ہیں۔ حضرت قطب سے آپ کی دوبارہ ملاقات اس مسافرت کے خاتمہ پر ہی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت بابا فرید ملتان میں تعلیم مکمل کر کے والدہ ماجدہ سے اجازت اور دعائیں لے کر ملتان سے بغداد کی طرف عازم سفر ہوئے۔ کیونکہ اس زمانے میں بغداد ہی عالم اسلام کا دینی اور علمی مرکز تھا۔ اور پوری دنیا سے طالبان علم بغداد کی طرف پروانوں کی مانند اڑے چلے آتے تھے۔

حضرت اجل سنجری رحمۃ اللہ علیہ

بغداد پہنچنا اس زمانے میں آسان نہ تھا۔ آج کی طرح شاہراہوں کی سہولت موجود نہ تھی۔ قافلوں کو تیار کر کے معروف راستوں پر سفر کرنا پڑتا تھا۔ میلوں بعد کوئی آبادی نظر آتی تھی۔ آپ جب ملتان سے بغداد کی طرف چلے تو آپ کو بخارا شہر سے ہو کر گزرنا تھا۔ آپ نے دیگر بزرگان سے حضرت اجل سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت سن رکھی تھی۔ حضرت اجل سنجری رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے ایک نامور

بزرگ تھے۔ عشق الٰہی میں آپ اسقدر مستغرق تھے کہ دنیاوی ہستی خواہ کسی بھی حیثیت کی ہو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

حکمرانوں اور ان کے وزیروں مشیروں کے علاوہ امرا و رؤساء کو بھی ملاقات کی اجازت نہ دیتے تھے بلکہ آپ کے رویے سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ ان سے میل جول کو حرام خیال کرتے تھے اور اگر کوئی امیر کبیر شخص آپ کے ساتھ ملاقات کی غرض سے آپ کے آستانے پر آ بھی جاتی تو آپ اس کو سختی سے اپنے سے دور کر دیتے۔ جبکہ غرباء و سائلین اور درویشوں کی صحبت میں ان کو ہمیشہ خوش و خرم دیکھا جاتا۔

حضرت بابا فرید ؒ پوچھتے پوچھتے جب آپ کے آستانے پر پہنچے تو ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید ملاقات کی اجازت مل ہی جائے۔ کیونکہ آپ جس کسی سے آپ کا پتہ پوچھتے وہی حضرت اجل سنجری ؒ کے رویہ سے آپ کو آگاہ کر دیتا۔ ایک طرف تو حضرت بابا فرید ؒ آپ کی طبع سے خائف ہوئے جبکہ دوسری طرف آتش شوق بھڑک اٹھی کہ یا الٰہی وہ بندہ کس حیثیت کا حامل ہے کہ بڑوں بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔

جب آپ حضرت اجل سنجری ؒ کی خانقاہ میں پہنچے تو آپ نے دیکھا ایک ہجوم آپ کے گرد جمع ہے۔ آپ بھی آگے بڑھے اور ڈرتے ڈرتے سلام عرض کیا۔ حضرت اجل سنجری آپ کو دیکھ کر بیتابانہ اٹھ کھڑے ہوئے' انہوں نے اس نوجوان کے وجود سے محسوس کر لیا تھا کہ یہ عنقریب آسمان ولایت کا بے تاج شہنشاہ بننے والا ہے۔ حضرت بابا فرید اپنی پزیرائی سے از حد خوش ہوئے جبکہ دیگر حاضرین متعجب۔

وہ تو یہ خیال کرتے تھے کہ کسی خوش پوش اور خصوصاً" کسی نووارد اور وہ بھی نوجوان کا بھلا حضرت اجل سنجری ؒ کے پاس کیا کام ہے۔ مگر حضرت بابا فرید ؒ کو تو حضرت اجل سنجری ؒ ہی پہچان سکتے تھے کسی اور آدمی کے لئے تو آپ محض ایک خوش پوش نوجوان ہی تھے۔

حضرت اجل سنجری ؒ کے پاس حضرت بابا فرید گنج شکر ؒ دو تین ماہ

کے قریب قیام پذیر رہے اور حضرت اجل سنجریؒ کی روحانی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت اجل سنجریؒ کی خانقاہ میں کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا جاتا تھا۔ جو کچھ بھی شیخ علیہ الرحمتہ کے پاس موجود ہوتا سائلین کو عطا کر دیا جاتا۔

ایک مرتبہ حضرت بابا فرید نے حضرت شیخ علیہ الرحمتہ سے بر سر مجلس دریافت کیا کہ

"یا شیخ! آپ کے خیال میں درویش کس کو کہا جاسکتا ہے"

حضرت شیخ علیہ الرحمتہ نے بڑے غور سے یہ سوال سنا اور بلند آواز سے ارشاد فرمایا کہ

"سب لوگ سن لیں۔ جو اس سوال کو سمجھ سکتے ہیں یا نہیں سمجھ سکتے۔ میں بھی وہی کہتا ہوں جو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد پاک ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

"اہل دنیا سے رسم و راہ رکھنا اور امرائے وقت سے ملاقاتیں کرنا فقیر کے لئے بالکل حرام ہے"

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے کافی دن اس ارشاد گرامی پر غور کیا اور اس کے مفہوم اور معنی پر تدبر فرماتے رہے۔ انہی دنوں جبکہ آپ شیخ کے ارشاد پر غور و فکر میں مصروف تھے آپ کو معلوم ہوا کہ بخارا کے مضافات میں ایک غار ہے جہاں پر ایک اللہ کا ولی کئی برسوں سے عبادت و ریاضت میں معروف عمل ہے۔ آپ تو پہلے ہی درویش کے مفہوم پر غور فرمارہے تھے اور شیخ کے ارشاد پر بھی آپ سوچ و بچار کر رہے تھے۔ اب جو آپ نے سنا کہ ایک ایسی ہستی قرب و جوار میں موجود ہے جس کی نشانیاں جناب شیخ نے بیان فرمائی ہیں تو آپ نے ان سے ملاقات کرنے کی ٹھان لی۔

جب آپ ان بزرگ کے پاس جارہے تھے تو لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ بزرگ تو کسی سے بھی ملاقات نہیں کرتے۔ آپ نے کسی کی بات پر کان نہیں دھرا اور پوچھتے پوچھتے اس غار تک پہنچ گئے۔ مگر اس غار کو دیکھ کر آپ یہ سوچنے

پر مجبور ہوگئے کہ اس کے اندر جو انسان موجود ہے وہ آخر کھاتا پیتا کہاں سے ہوگا اردگرد کسی آبادی کا نام و نشان تک موجود نہیں۔

انہی سوچوں میں کھوئے ہوئے غار کے اندر داخل ہوگئے' اندر جاکر ملاحظہ کیا کہ ایک عمر رسیدہ بزرگ تن تنہا معروف عبادت ہے۔ آپ کو دیکھ کر ان صاحب نے آپ کو نام لے کر مخاطب کیا اور آپ کو بڑی شفقت سے اپنے قریب ہی بیٹھنے کو کہا۔

آپ نے اس بات کو اپنے لئے بہت عزت و تکریم سے تعبیر کیا۔ کیونکہ لوگوں نے آپ کو اسی قسم کا تاثر دیا تھا کہ وہ بزرگ تو کسی سے کلام کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ مگر وہاں تو آپ کو کسی اور ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ولی کامل نے بذریعہ کشف معلوم کر لیا تھا کہ ان کے پاس کون سی ہستی آرہی ہے۔ اسی لئے جب حضرت بابا فریدؒ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ کا والہانہ استقبال کر کے آپ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

روایت ہے کہ حضرت بابا فریدؒ فرماتے تھے کہ جتنے دن بھی حضرت بابا فریدؒ ان کے پاس اس غار میں رہے کسی کو بھی آتے جاتے نہیں دیکھا مگر صبح اور شام نجانے کہاں سے غار کے کسی کونے میں کھانے پینے کی اشیاء پہنچ جاتی تھیں۔ ایک دن حضرت بابا فرید نے ان سے پوچھا کہ

"خالانکہ آپ ایک صاحب کشف بزرگ ہیں۔ مگر ساری دنیا سے قطع تعلق کر کے اس غار تک خود کو کیوں محدود کر لیا ہے۔ آپ لوگوں سے تعلق کیوں نہیں رکھتے"

انہوں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا کہ

"میرے بیٹے! غور سے سنو' دنیا جب انسان کو ستانے لگے اور وہ انسان بھی یہ محسوس کر لے کہ اس میں اس کی ہلاکت ہے تو اس کو چاہئے کہ شہروں سے تعلق ختم کر ڈالے اور ویرانوں کا رخ کرے' یہاں آنے سے پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ یہاں مجھے سکون مل جائے گا۔ مگر مجھے اس جگہ بھی سکون میسر

میسر نہ ہو سکا۔ کوئی نہ کوئی بندہ خدا یہاں چلا ہی آتا ہے اور دور دور تک میرے قصے کہانیاں پھیلاتا رہتا ہے"

تھوڑی دیر کے بعد حضرت بابا فرید نے دوبارہ عرض کیا کہ "حضرت اگر آپ برا نہ محسوس فرمائیں تو مجھے اپنا کوئی مشاہدہ تو بیان فرمائیں۔ شاید اس عاجز کے علم میں اضافہ کا باعث ہو"

اس ولی کامل نے بڑے غور سے آپ کو دیکھا اور آپ کے سوال کے مفہوم پر غور کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ

"میرے بیٹے! میں تو ایک سوختہ جان ہوں۔ میں تجھے کیا بتاؤں میں تو خود اس غار میں گزشتہ 60 برس سے رہ رہا ہوں۔ مگر ایک لمحہ بھی ایسا ان برسوں میں نہیں آیا کہ مجھ پر کوئی بلا نازل نہ ہوئی ہو۔ اور ہاں! اگر کبھی مجھ پر کوئی بلا نازل نہیں ہوتی تو گریہ و زاری کر کے خود اس کے لئے تمنا و التجا کرتا ہوں۔

جب مرضی دوست ہی آمائش میں پوشیدہ ہے تو پھر میں کیوں نہ اس کی آرزو کروں۔ پیارے بیٹے! میں تجھے ایک کام کی بات بتلاتا ہوں کہ انسان کو بلاؤں پر اس طرح صبر کرنا چاہئے کہ جیسا صبر کرنے کا حق ہے۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت بابا سرکارؒ وہاں سے رخصت ہو لئے۔ ان بزرگ صاحب نے آپ سے بہت محبت اور شفقت کا اظہار فرمایا۔ اور آپ کو فیض و برکات سے نوازا۔ ان سے رخصت حاصل کر کے آپ دوبارہ شہر میں آگئے اور حضرت اجل سنجریؒ کی خدمت میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد ان سے بھی اجازت طلب کی۔ انہیں بھی آپ کے احوال کا علم تھا۔ اور یہ بھی علم تھا کہ حضرت بابا فریدؒ کو ان کے مرشد پاک کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے فیض سے نوازتے ہوئے رخصت فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحمت فرمائے رزق میں برکت عطا فرمائے۔

حضرت شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

بخارا سے چل کر حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ بغداد پہنچ گئے کیونکہ ملتان سے آپ کے ذہن میں بغداد ہی پہنچنے کا خیال تھا اور بہت سے لوگوں نے آپ کو یہ بتا رکھا تھا کہ علما و فضلا کی اکثریت بغداد شریف میں ہے اور یہ کسی طرح بھی غلط نہ تھا۔ بغداد میں آپ کی ملاقات حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروری رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔

صاحب "مراۃ الاسرار" اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ قبلہ ارباب بصیرت' آن محقق باا سرار حقیقت' آن ممتاز بعشق وجواں مردی غوث وقت شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی قدس سرہ' حضرت محمد بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ اپنے چچا شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ اور ان کی رحلت کے بعد ان کی مسند پر متمکن ہوئے۔ لطائف اشرفی میں تحریر ہے کہ آپ نے خرقہ خلافت شیخ ابومدین مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے استاد اور یگانہ روزگار محل طلوع انوار حقائق الٰہی و منبع اسرار لامتناہی و رہنما طریقت' مظہر حقیقت و رئیس و بزرگ ترین مشائخ و جامع علوم ظاہر و باطنی و مقتدائے عارفان' عمدہ سالکان اور عالم ربانی تھے۔

آپ نے جس قدر مجاہدات و ریاضات کئے ہیں کسی نے کم ہی کئے ہوں گے۔ علم حدیث میں آپ بے نظیر تھے کیونکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی سنت آخری وقت تک

فوت نہ ہوئی اور جس قدر تصرفات ظاہری و باطنی آپ سے سرزد ہوئے بہت کم صوفیائے سے سننے میں آئے ہیں۔ آپ کے فیض محبت سے بڑے بڑے اکابر اولیائے کرام وجود میں آئے۔ مثل حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتان قدس سرہ، جو آپ کے بعد مقام غوثیت پر پہنچے اور ایک جہاں آپ سے فیض یاب ہوا۔

آپ کے اکمل خلفاء میں سے ایک شیخ نجیب الدین برغش شیرازی ﷫ تھے آپ کے تیسرے خلیفہ مہر سید معزالدین تھے جو عظیم القدر ولی اللہ اور صاحب حال قوی تھے۔ یہ حضرت ہفت ابدال میں سے تھے، جو رسم الٰہی، القاہر، کی صفت سے موصوف تھے۔ آپ ولایت ہندوستان میں قہر و غلبہ کے طریقہ پر تصرف کرتے تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ﷫ قدس سرہ کے زمانے میں بغداد سے ہندوستان تشریف لائے اور قصبہ سندیلہ میں مقیم ہوئے۔ جہاں آپ کا مزار مقدس زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

یہ کاتب حروف (حضرت عبدالرحمٰن چشتی) ماہ ذی الحجہ 1058ھ میں دوسری بار آپ کے دربار پر حاضر ہوا۔ آپ شیر شبیہ حقیقت ہیں جو اپنی قوت ولایت سے آج تک حکومت کررہے ہیں۔ اس نیازمند پر اس قدر انعامات ہوئے کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔

صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین ﷫ اپنے وقت میں شیخ الشیوخ بغداد تھے۔ آپ نے ابتدائے حال میں شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ﷫ کی صحبت پائی۔ بلکہ اپنے وقت کے بہت سے مشائخ سے استفادہ کیا۔ آپ نے عبادت میں بعض ابدال کی صحبت حاصل کی اور

حضرت خضر علیہ السلام سے بھی ملاقات کی۔ آپ بیشمار تصانیف کے مالک ہیں جن میں سے عوارف المعارف مکہ معظمہ میں لکھی گئی۔

جس وقت کوئی مشکل پیش آتی آپ حق تعالٰی کی طرف متوجہ ہوتے۔ طواف کعبہ کرتے اور حق بات معلوم کرنے کے لئے توفیق الٰہی کے طلبگار ہوتے فوراً مشکل حل ہو جاتی۔ نفحات میں درج ہے کہ شیخ سعد الدین حموی سے لوگوں پوچھا کہ آپ نے شیخ عربیؒ کو کس طرح پایا؟ تو آپ نے فرمایا۔

"نور الانہایت اللہ"

ترجمہ : اللہ کے لاانتہا نور ہیں۔

لوگوں نے پوچھا کہ شیخ شہاب الدینؒ کو کیا پایا تو فرمایا کہ "نور متابعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حسین سہروردی شئی آخر"

ترجمہ : اتباع رسول ﷺ میں سہروردی کا کمال ہے۔

آپ خود تکملہ کی ایک سو انیسویں حکایت میں فرماتے ہیں کہ میں جوانی میں علم الکلام کی طرف متوجہ ہوا اور اس علم کی چند کتابیں یاد کرلیں۔ اس حد تک کہ میں فقیہہ ہو گیا۔ میرے چچا شیخ ابو نجیبؒ مجھے اس علم سے منع فرماتے تھے اور میں نہیں باز آتا تھا۔ ایک دن وہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی زیارت کو گئے اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا بھتیجا علم الکلام میں مشغول ہے۔ میں نے اسے منع کیا ہے لیکن وہ باز نہیں آتا۔"

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے دریافت فرمایا کہ۔

"اے عمر! تم نے کون سی کتاب یاد کرلی ہے۔"

میں نے کتاب کا نام لیا کہ فلاں فلاں کتاب یاد کرلی ہے۔

آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا۔ واللہ! جو کچھ مجھے یاد تھا میں اس وقت بھول گیا۔ اور حق تعالیٰ نے اسی وقت علم الدین (علم معرفت) کا دروازہ میرے دل پر کھول دیا۔ میں حکمت کی باتیں کرتا ہوا شیخ کی خدمت سے رخصت ہوا۔
حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ
"یا عمر! انت آخر المشہور فی العراق"
ترجمہ : اے عمر! تم عراق میں سب سے آخری مشہور شیخ ہو گے۔

حضرت شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ سلطان طریقت اور بڑے متصرف بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کے بعد شیخ شہاب الدین نے عراق میں بہت شہرت حاصل کی اور قریب و بعید کے علاقوں سے ارباب طریقت شیخ کی خدمت میں آکر فیض یاب ہونے لگے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو قوی تصرف اور بلند ہمت عطا فرمائی۔
حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں چند روز شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں رہا۔ ہر روز دیکھتا تھا کہ قریب دس ہزار دینار آپ کی خدمت میں بطور فتوح غیب سے آتے تھے اور شام تک ایک دینار بھی باقی نہ رہتا تھا۔ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ "راحب القلوب" میں فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس برس تک خلق کے عیبوں کی طرف نگاہ نہ کی۔ اس بارے میں آپ سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے غیب مجھے نظر نہیں آتے۔
آپ کے کمالات و کرامات دائرہ تحریر سے باہر ہیں اور طرہ یہ کہ یہ کمالات ہر روز ترقی پر ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ آپ سلطان طریقت اور برہان حقیقت تھے۔ آپ کی وفات

بروز چہار شنبہ یکم ماہ محرم 632ھ خلیفہ مستنصر باللہ کے عہد میں ہوئی۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
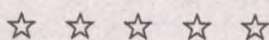
صاحب "مرآۃ الاسرار" کا بیان پڑھ کر ایک بات کا خیال ضرور آتا ہے کہ عام طور پر روایات میں ملتا ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ﷫ کو ان کے خیالات کی وجہ سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے حکم پر اس کے بیٹے نے شہید کردیا تھا۔ مگر صاحب "مرآۃ الاسرار" جناب شیخ عبدالرحمٰن چشتی فرماتے ہیں کہ آپ خلیفہ مستنصر باللہ کے عہد میں فوت ہوئے۔ آپ کی شہادت کی روایت کافی کتب میں تواتر کے ساتھ چلی آئی ہے وہ کچھ یوں ہے کہ حضرت سہروردی نے فلسفہ اور فقہ کی تعلیم امام مجد الدین سے حاصل کی۔

آپ پر فلسفہ کا رنگ غالب تھا اس لئے مختلف مذہبی مسائل میں عقل و دانش کے سہارے بحث کیا کرتے تھے۔ جس کا کبھی کبھار خوفناک نتیجہ بھی برآمد ہو جاتا تھا۔ شیخ سہروردی ﷫ کا اپنا علیحدہ نقطہ نظر تھا مگر دیگر علمائے کرام نے بڑی شدت سے آپ کی مخالفت شروع کردی۔

انجام کار اس دور کے چند مشہور فقیہوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو ایک مشترکہ خط لکھا کہ یہاں پر ایک درویش شہاب الدین نامی ہے جس کے الجھے ہوئے خیالات سے مسلمان گمراہ ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ اہل ایمان کو فوری طور پر اس فتنے سے نجات دلائی جائے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے بیٹے سلطان ظاہر کو جو کہ حلب کا حکمران تھا لکھا کہ ہماری سلطنت کے مشہور اور معتبر فقیہہ، شہاب الدین کے خلاف گواہی دے چکے ہیں اس لئے اس درویش کو زندہ نہ چھوڑا جائے جو لاکھوں اہل ایمان کی زندگیوں سے کھیل رہا ہو۔

سلطان ظاہر نے فوری طور پر اس حکم پر عمل کیا اور شیخ کو شہید کردیا۔ عجیب سی بات لگتی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسا بیدار مغز حکمران اس قسم کا حکم کس طرح دے سکتا ہے کہ نہ تو خود ملاقات کی اور نہ شیخ کو اپنے پاس

بلوایا بلکہ محض ایک خط ملنے پر ایک عظیم رتبہ بزرگ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ملحدانہ یا کفرانہ خیالات ایک الگ بحث ہیں۔ اگر شیخ کی تعلیمات کفرانہ اثرات کی حامل تھیں تو ان سے پوچھ گچھ کس نے کی۔ یہ صورت حال ہمیں حسین بن حلاج کے حالات زندگی میں نظر آتی ہے کہ کس طرح لوگ ان کے خلاف ہوئے پھر بڑے بڑے مشائخ نے ان کے خلاف فتوے دیئے اور پھر برسوں بعد ان کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ مگر شیخ کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی کوئی بات نہ تھی۔

بلکہ حضرت معین الدین چشتی ؒ، حضرت بختیار کاکی ؒ، حضرت بہاؤالدین زکریا ؒ، حضرت جلال الدین تبریزی ؒ اور حضرت بابا فرید ؒ، حضرت شیخ سہروردی ؒ کی بڑی عزت و تکریم کیا کرتے تھے اگر ان کے خیالات کفرانہ نوعیت کے ہوتے تو یہ بزرگان ان کی تعظیم کرنے کے پابند تو نہ تھے۔

حضرت بابا فرید ؒ نے حضرت شیخ ؒ سے ان کی مشہور زمانہ تصنیف "عوارف المعارف" پڑھی اور اپنے آستانہ عالیہ پر اپنے مریدین کو اس کتاب کی تعلیم خود فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک درویش جس پر ملحدانہ خیالات اور ان کی تشریح کا الزام لگایا گیا ہو اس درویش کے معتقد اس قدر عالم و فاضل اشخاص ہوں اور انہوں نے کبھی بھی اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار نہ فرمایا ہو۔ آپ کی نظر سے متعدد کتابیں اولیائے کرام کی زندگیوں پر مبنی گزری ہوں گی مگر اس بارے میں مجھے تو کوئی بات نظر نہیں آتی۔

کیا اس طرح ایک عظیم بزرگ کا قتل کوئی معمولی واقعہ ہے اور پھر دوسری طرف دیکھا جائے تو شیخ سہروردی ؒ کی شہادت عام کتب میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے حکم سے اس کے بیٹے کے ہاتھوں بتلائی جاتی ہے جبکہ صاحب "مرآۃ الاسرار" آپ کی تاریخ وفات اپنی تصنیف میں 632ھ تحریر کرتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو بندہ چکرا کر رہ جاتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تاریخ

وفات 623ھ ہے اور حضرت شیخ کی وفات اس لحاظ سے 10 برس بعد کی بنتی ہے۔ مگر اس بات کو صلاح الدین ایوبی کی حکومت کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے یہ بات کہاں تک سچ ہے اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میرا ہی خیال غلط ہو کیونکہ نہ تو میں محقق ہوں اور نہ ہی عالم و فاضل مگر چونکہ بزرگان دین کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے کا شوق ہے اس لئے یہ سب کچھ لکھ دیا ہے ورنہ میں کیا اور میری اوقات کیا۔

"مرآۃ الاسرار" میں تحریر ہے کہ شیخ شہاب الدین مقتول حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے۔ آپ کا نام یحیٰی بن جیش تھا۔ آپ حکمت مشائیاں و اشراقیاں میں مشہور تھے اور دونوں مضامین پر آپ کی قابل قدر تصانیف ہیں۔ بعض آپ کے علم سے اور بعض حکمائے معتقدین کے اعتقاد سے منسوب کرتے ہیں اور قتل کا موجب قرار دیتے ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "الغرض شیخ شہاب الدین ابوالفتح یحیٰی مقتول جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے نے حکمت اشراقیہ کو زندہ کیا۔ آپ بڑے مرتاض یعنی ریاضت کرنے والے تھے اور ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ آپ (حضرت شہاب الدین مقتول) لکھتے ہیں کہ میں نے ارسطو کو خواب میں دیکھا جو افلاطون کی تعریف کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ مسلم فلسفیوں میں سے بھی کوئی افلاطون کے مرتبہ تک پہنچا۔ اس نے جواب دیا کہ نہ کوئی اس مرتبہ پر پہنچا ہے اور نہ اس کی کسی چیز کو اختیار کیا ہے۔ اس کے بعد میں نے چند فلسفیوں کا نام لیا۔ لیکن وہ متوجہ نہ ہوا۔

لیکن جب حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ اور ابو سہیل بن عبداللہ تشتری علیہ الرحمۃ جیسے بزرگوں کا نام لیا تو خوش ہوا اور کہنے لگا کہ یہ فلسفی اور حکمائے برحق ہیں اور اپنے رسمی علوم سے گزر کر علم حضوری اور اتصال شہودی تک پہنچے ہوئے ہیں اور علائق دینوی اور نفسانیت سے ملوث نہیں ہوئے۔ ان کا محرک وہی ہے جو ہمارا ہے۔ اور ان کے کلام کا منبع وہی ہے جو ہمارے کلام کا ہے۔"

صاحب نفحات الانس تحریر کرتے ہیں کہ "جب شیخ شہاب الدین

مقتول شہر حلب میں پہنچے تو علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ جاری کر دیا۔ یوں ان کو 586ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر 36 برس تھی یا 50 برس تھی۔ آپ نے جمیع علوم ظاہری اور کمالات باطنی اس عمر میں حاصل کر لئے تھے۔"

یہ تحریر کرنے کا مقصد فقیر کی نظر میں یہ ہے کہ بعض کتب میں بلاتحقیق اس واقعہ کو حضرت سیدنا شہاب الدین سہروردی ﷫ کے ساتھ منسوب کر دیا جاتا ہے جو کہ میرے ناقص خیال میں بڑی زیادتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ بزرگوں کی سوانح حیات مرتب کرنے میں دیانت داری اور عقیدت سے کام لینا چاہئے۔ چونکہ حضرت بابا فرید ﷫ شیخ شہاب الدین سہروردی ﷫ کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے تھے اور پھر انہوں نے بطور عقیدت اپنے بیٹے کا بھی نام شہاب الدین رکھا تو میں نے ضروری خیال کیا کہ اس غلط فہمی کا حسب مقدور ازالہ کر دیا جائے۔ سیدنا غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی ﷫ نے جن سے خرقہ خلافت لیا وہ کس طرح ملحدانہ خیال رکھ سکتے ہیں۔ میں نے اپنی ناقص عقل اور ناقص علم سے یہ سب کچھ لکھ دیا ہے مگر تمام علم اور معلومات کا مالک اللہ کریم ہے۔ اسی کے پاس ہر قسم کا علم ہے۔ وہ جسے چاہے جتنا چاہے علم عطا فرما دے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت بابا فرید ﷫ بغداد سے حضرت شیخ سہروردی ﷫ سے فیض حاصل کر کے سیستان روانہ ہو گئے۔ آپ کے ارشادات عالیہ میں ہے کہ

"جب میں غزنی کے نواح میں تھا کہ ایک رات کسی مسجد میں شب باش ہوا۔ وہاں چند درویش رہتے تھے ان میں سے ہر ایک بڑا عبادت گزار تھا میں رات بھر ان کی خدمت میں رہا صبح وہاں سے رخصت ہو کر ایک حوض پر پہنچا' جہاں ایک بزرگ تشریف رکھتے تھے وہ بہت لاغر' ضعیف اور کمزور تھے۔"

میں نے اس قدر لاغری اور کمزوری کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ان کو عارضہ شکم ہے میں دن بھر ان کی

خدمت میں رہا جب رات ہوئی تو ان کا عارضہ بڑھا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر رات کو 100 رکعت نفل ادا فرماتے تھے۔ لیکن دو رکعت کے بعد ان کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی۔

قضائے حاجت کے بعد غسل فرماتے اور پھر نماز میں مشغول ہو جاتے، پھر حاجت ہوتی اور پھر غسل کر کے دوگانہ ادا فرماتے۔ اس طرح وہ مسلسل 60 بار نہائے اور اپنا وظیفہ ادا فرمایا۔ آخری بار جب نہانے تشریف لے گئے تو پانی کے اندر ہی انتقال فرما گئے۔

سبحان اللہ! کتنے مضبوط اور راسخ العقیدہ تھے"

یہ فرما کر حضرت بابا گنج بخش رونے لگے۔

حضرت امام حدادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ غزنی ہی کے نواح کی سیاحت فرما رہے تھے کہ آپ کی ملاقات ایک ولی کامل حضرت امام حدادی سے ہوئی۔ شہر کی ایک مسجد میں رمضان المبارک کے مہینہ میں امام حداوی سے ملاقات ہوئی آپ فرماتے ہیں کہ "رمضان المبارک میں امام حدادی کی بھی قدم بوسی کی اور ان کی خدمت میں عرصہ تک رہا۔ وہاں ایک بزرگ تھے جو بہت باعظمت تھے اور بڑے عبادت گزار تھے۔ یہ بزرگ ہر رات تین بار کلام پاک ختم کر لیا کرتے تھے اور بعض اوقات ایک رات میں تین بار کلام پاک کے علاوہ چار پارے مزید پڑھ لیا کرتے تھے۔"

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگ سے ازحد متاثر ہوئے۔ ساری ساری رات ان کو بھی دیکھتے رہتے اور عبادت بھی کرتے رہتے۔ انہوں نے اس نوجوان کے والہانہ پن کا بذریعہ کشف مشاہدہ کر لیا تھا اور گاہے بگاہے وہ حضرت بابا فرید کو نصیحتیں فرماتے کرتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خود ان سے عرض کیا کہ مجھے

کوئی نصیحت کیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ

"راہ سلوک میں جفاکشی اور محنت بہت ضروری ہے جب تک مجاہدات کاملہ اور ریاضات شاقہ نہ کرو گے تو مقام اعلیٰ کو نہ پہنچو گے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انہی بزرگوں میں سے ایک بزرگ کا بھی آپ تذکرہ فرماتے ہیں انہوں نے مجھے نصیحت فرمائی کہ

"دنیا آدمی کی طرف پیٹھ رکھتی ہے اور آخرت منہ۔ زندگی میں یہ دونون ساتھ ہیں۔ لازم ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ آخرت ہی کام آئے گی۔"

حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

غزنی سے چلتے چلتے آپ کی تشریف آوری جب سیستان میں ہوئی۔ تو یہاں آپ کی ملاقات حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی راستے بھر لوگوں نے شیخ کی تعریف کر کے مشاق بنا دیا تھا۔ جب سیستان پہنچے تو بڑے اشتیاق کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کچھ عرصہ حضرت شیخ کے پاس بھی گزارا اور ان کے معمولات کا گہرا مطالعہ کیا۔

آپ نے مشاہدہ کیا کہ حضرت شیخ کو کرامات دکھانے اور دیکھنے کا ازحد شوق تھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ اس طرح وہ دوسروں کا تمسخر اڑایا کرتے تھے بلکہ وہ کہتے ہی ان کو تھے کہ جن کے متعلق معلوم ہوتا کہ یہ صاحب کرامت ہے۔ اس طرح ان کے مریدین اور عقیدت مندوں میں اور زیادہ محنت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔

آپ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں بڑے بڑے بزرگ تشریف فرما تھے اور مختلف قسم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اسی اثناء میں حضرت شیخ نے

سبھی بزرگوں سے کہا کہ اپنی اپنی کرامات دکھائیں۔ یہ حکم فقط بزرگوں کے لئے تھا۔ تمام حاضرین مجلس اور زیر تربیت مرید اس سے بری تھے۔

سبھی بزرگ خاموش رہے کسی نے اپنی کرامت نہ دکھائی۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد حضرت اوحد الدین کرمانی علیہ نے تمام اہل مجلس کو دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"میری بات غور سے سنو! جیسا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ یہاں کا حاکم میری دل آزاری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ آج وہ چوگان کھیلنے گیا ہوا ہے۔ اب اللہ ہی ہے کہ اگر وہ صحیح سلامت واپس آئے۔"

ابھی بمشکل آپ کے الفاظ ختم ہی ہوئے تھے کہ ایک شخص بھاگم بھاگ مجلس میں وارد ہوا۔ اس نے حاضرین مجلس کو جلدی جلدی بتلایا کہ ابھی ابھی حاکم شہر چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا ہے۔ حاضرین یہ اطلاع سن کر کچھ دیر تو دم بخود بیٹھے رہے پھر یکایک ان کو حضرت اوحد الدین کرمانی علیہ کی تھوڑی دیر پہلے کی بات یاد آئی۔

اس واقعہ کے بعد دیگر بزرگ بھی اپنی اپنی کرامات دکھانے لگے اور حضرت اوحد الدین کرمانی علیہ تعریف کرتے رہے۔ تمام بزرگ جب اپنی اپنی کرامات دکھا چکے تو حضرت شیخ نے حصرت بابا فرید الدین علیہ سے بھی کہا کہ تم بھی اپنی کرامات دکھاؤ۔

اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نوجوانی میں بھی کافی کچھ حاصل کر چکے تھے اور اس بات کا یقینی طور پر حضرت شیخ کو علم تھا۔ ورنہ حاضرین مجلس تو باقی بھی موجود تھے لیکن آخر میں آپ کو ہی حکم ملا۔ اس کا یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ شیخ کو یقین تھا کہ یہ نوجوان حالانکہ کچھ دکھائی نہیں دیتا مگر اس سے کرامات کا ظہور ممکن ہے اور انہوں نے اپنے ان عقیدت مندوں کو دکھانے کے لئے آپ سے کچھ دکھانے کو فرمایا جو مدتوں سے آپ کے ساتھ تھے اور ان لوگوں کو ایک نووارد ہندی سے اپنے شیخ کی عقیدت کچھ عجیب سے لگتی تھی۔

ادھر حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے کانوں میں حضرت شیخ کی آواز گونج رہی تھی کہ اے فرید! تم بھی کوئی کرامت دکھاؤ۔ یقینی طور پر حضرت بابا فرید خود تربیتی مراحل طے کر رہے تھے اور جہاں سے بھی کوئی اچھی بات حاصل ہوتی کر رہے تھے۔ مگر شیخ کرمانی نے آپ کو گویا ایک اعزاز بخشا تھا۔ آپ نے اپنے انکسار کا اظہار کچھ ان الفاظ میں فرمایا۔

"اعلیٰ حضرت! آپ تو اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ میں تو ایک ایسا شخص ہوں جو علم حاصل کرنے کے لئے دور دراز کا سفر کر رہا ہوں اور اس سلسلے میں جہاں کہیں سنتا ہوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور ان کی خدمت کر کے سکون قلب حاصل کرتا ہوں۔ بھلا مجھ جیسا طالب علم کس طرح کرامت دکھلا سکتا ہے۔"

حضرت شیخ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب نظر بزرگ تھے آپ کی درخواست کو انہوں نے ہنس کر ٹال دیا اور فرمایا کہ

"بابا فرید! تم بہت کچھ دکھلا سکتے ہو۔ اب تمہیں میری بات کی لاج تو رکھنا ہی ہوگی۔"

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ یقینی طور پر ابھی اس مقام پر نہیں پہنچے تھے کہ بکثریت کرامات کا ظہور فرماتے۔ اور نہ ہی اس وقت تک ان کو معلوم ہو گا کہ ان کے مجاہدے کس حد تک کار آمد ہو چکے ہیں۔ وہ تو ابھی تک خود کو ایک طالب علم ہی خیال فرماتے تھے مگر ایک بات پر آپ کو یقین کامل تھا کہ کرامت کس طرح دکھائی جاتی ہے یہ تو معلوم نہیں مگر ایک بات پر ان کا مستحکم ایمان تھا کہ اللہ پاک دلوں کی فریاد ضرور سنتا ہے۔ آپ نے آنکھیں بند کر کے اللہ پاک کے حضور میں عرض کرنا شروع کیا۔

"اے اللہ کریم! تو میرے حال سے خوب واقف ہے۔ تو ہی سب کے عیبوں کو پردۂ رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے۔ تجھے تو معلوم ہی ہے کہ میں تیرا ایک گناہ گار بندہ ہوں۔ تیری مدد

سے میں اس وقت باکرامت اور باکمال اشخاص کے درمیان بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ تیری مدد کے بغیر ممکن نہ تھا۔

اے اللہ پاک! تو بہتر جانتا ہے کہ میں کوئی کرامت نہیں دکھلا سکتا۔ مگر ان بزرگوں کا اصرار بھی نہیں ٹال سکتا۔ میرے مولا مجھے شرمندہ ہونے سے بچا۔ یقیناً تو ہی سب طاقتوں کا مالک ہے تو جسے چاہے جو کچھ مرضی عطا فرما دے۔"

آپ صدق دل سے اللہ میاں کے حضور گڑگڑا رہے تھے کہ آپ کو کشف ہوا کہ حضرت بختیار کاکیؒ فرما رہے ہیں۔

"اے فرید! کیا خود کو بے بس سمجھ رہے ہو، تم ہمارے حلقہ ارادت میں ہو۔ پھر بھلا پریشانی کیسی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں شرمندہ نہیں ہونے دے گا۔ ان باکمال بزرگوں کو کوئی چھوٹی موٹی کرامت سے اطمینان نہیں ہو گا۔ اب تم ایسا کرو کہ ان سے کہو کہ اپنی آنکھوں کو کچھ دیر کے لئے بند کر کے اللہ کا کرشمہ دیکھیں۔"

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر کامل کی اپنے مرید پر ہر حال میں نظر رہتی ہے۔ یہ بات نہ تھی کہ حضرت بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے بابا فرید کو تو حصول علم کے لئے دور دراز کا حکم دے دیا اور پھر خود ان سے لاتعلق ہو گئے۔ جی نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں جاتے حضرت بختیار کاکیؒ آپ کو اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جب ایک پریشانی محسوس فرمائی تو پیرو مرشد نے فوراً دستگیری فرمائی۔ اور بابا فرید کو کسی بھی حال میں تنہا نہیں چھوڑا۔ یہی ایک پیر کامل کی خوبی ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
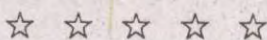
پیر اور مرید کے باہمی رشتہ کے متعلق ایک روایت حضرت بابا فرید ؒ فرماتے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے ایک مرید نے آپ سے خرقہ خلافت کی درخواست کی۔

دراصل یہ مرید بہت مدت سے حضرت شیخ کے زیر سایہ عبادات و ریاضت میں مشغول تھا۔ دوسرے خلفاء کی طرح اس کو بھی یہ خواہش تھی کہ اس کو خرقہ خلافت سے نوازا جائے۔ اس خواہش کا اظہار اس نے حضرت شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے کر دیا۔ آپ نے اس کی بات کو بغور سنا اور اس کو دوسرے دن آنے کا کہہ کر روزانہ کر دیا۔

دوسرے دن جب وہی مرید خانقاہ میں آیا تو خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھ رہا اہل مجلس کو گزشتہ روز کی گفتگو جو حضرت شیخ اور اس کے درمیان ہوئی تھی معلوم تھی۔ مگر ان سب نے دیکھا کہ آج بجائے اس کے کہ وہ مرید خوش ہوتا نہایت افسردہ و پشیمان ہو رہا ہے۔

کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"کیا اب بھی تمہیں خرقہ خلافت کی خواہش ہے؟ تم نے رات خواب میں ایک پیر اور ایک مرشد کا حشر دیکھا۔ ہاں تم نے ضرور دیکھا ہے کہ فرشتے ان دونوں کو گھسیٹتے ہوئے دوزخ کی آگ کی طرف لے جا رہے تھے۔ کیا تم نے اس خواب کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی؟"

اب بھلا مرید کیا جواب دیتا۔ اس کے خواب کی مکمل جزیات کا علم تو اس کے پیرو مرشد کو چکا تھا۔ بولتا تو کیا بولتا۔ اس کو خاموش و حیران دیکھ کر حضرت شیخ نے مزید ارشاد فرمایا کہ۔

"کیا تم نے نہیں سوچا کہ ان دونوں کا یہ انجام کیونکر ہوا۔ میں بتاتا ہوں۔ سنو! اس لئے ہوا کہ وہ دونوں خرقہ کے نام پر دنیا کمایا کرتے تھے اور ہر وقت اپنی نفسیانی خواہشات کی تکمیل میں مصروف رہتے تھے۔"

اتنا فرمانے کے بعد آپ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر جملہ حاضرین سے یوں ارشاد فرمایا کہ۔

"غور سے سنو! کہ جب تک انسان کا دل دنیا کی کثافتوں سے

پاک نہ ہو جائے اس وقت تک مرشد پر فرض ہے کہ وہ کسی
شخص کو خرقہ نہ دے اور اسی طرح مرید پر بھی لازم ہے کہ
وہ خرقہ نہ پہنے۔"

میرے خیال میں حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس خیال کے پیش نظر حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے مزید علم حاصل کرنے کو کہا تھا لیکن اس کے باوجود آپ پر اپنی پوری توجہ مرکوز بھی رکھی تھی۔ یہی ایک بہترین بات ہوتی ہے مرید اور پیر کے درمیان کہ پیر اپنے مرید کے ہر حال سے واقف رہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بات ہو رہی تھی کرامت دکھانے اور حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سن کر چونکہ خاموشی اختیار کرلی تھی اس لئے وہ آپ کی خاموشی سے نجانے کیا سمجھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے آپ سے فرمایا کہ

"اے فرید! تم خاموش کیوں ہو گئے ہو۔ بولتے کیوں نہیں۔ کیا
تم ابھی کسی منزل کو نہیں پہنچے۔"

اس کے بعد خانقاہ میں موجود سب افراد نے نوجوان کی طرف بڑی بے تابی سے دیکھ رہے تھے کہ جن کو ان کے شیخ نے کرامت دکھانے کو کہا تھا یہ تو ان کو بھی سمجھ میں آچکا تھا کہ یہ کوئی معمولی شخص تو نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بھلا حضرت شیخ ان سے کیوں کہتے کہ کرامت دکھاؤ۔ باقی لوگ بھی تو وہاں پر موجود تھے۔

حضرت شیخ کی بات سن کر حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ یوں گویا ہوئے
کہ "جی ہاں آپ درست فرماتے ہیں کہ میں منزل تک نہیں
پہنچا۔ لیکن میری درخواست ہے کہ آپ سب لوگ تھوڑی
دیر کے لئے اپنی اپنی آنکھیں بند کرلیں اور پھر دیکھیں کہ کیا
ماجرہ درپیش ہوتا ہے۔"

حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ کہا تو تمام بزرگ آنکھیں بند کر کے خاموش

ہو گئے جونہی انہوں نے آنکھیں بند کیں تو انہوں نے خود کو خانقاہ کی بجائے بیت اللہ شریف میں پایا اور جب آنکھیں کھولیں تو ایک مرتبہ پھر خود کو خانقاہ میں حاضر دیکھا۔ حضرت شیخ بے اختیار بول اٹھے۔ "اے فرید! تمہیں یہ مقام مبارک ہو۔"

سبھی بزرگ اس نوجوان کی کرامت کے دلی طور پر معترف ہو رہے تھے۔ اور ستائشی نظروں سے آپ کی طرف دیکھ رہے تھے مگر آپ کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔ دیگر بزرگوں کو تو معلوم نہ تھا کہ یہ کیا ہوا مگر حضرت شیخ بذریعہ کشف معلوم کر چکے تھے کہ اس نوجوان کا پیرو مرشد کون ہے اور کس کی مدد اس کو حاصل ہے۔

حضرت اوحدالدین کرمانی ؒ کی خانقاہ میں جب آپ پہنچے تھے تو حضرت نے آپ کو سینے سے لگا لیا تھا اور بہت تعریف کی تھی۔ حضرت اوحدالدین کرمانی ؒ نے آپ سے فرمایا تھا کہ

"مشائخ کی جو خدمت تم نے کی ہے وہ تمہارے لئے باعث سعادت ہے اور میرے پاس آنا بھی تمہارے لئے اچھا ہوا۔
"

اس وقت حضرت بابا فرید ؒ کے کانوں میں شیخ کرمانی ؒ کے وہی الفاظ گونج رہے تھے اور آپ سوچ رہے تھے کہ شیخ نے آپ کا استقبال اس قدر والہانہ انداز میں کیوں کیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت شیخ کی خانقاہ میں ایک بزرگ کا تذکرہ آپ یوں فرماتے ہیں کہ وہ بہت عبادت گزار تھے ایک مرتبہ جب اللہ کے ذکر میں مصروف تھے اور کافی دیر سے کھڑے تھے یہی ان کا معمول تھا میں ان کے پاس ہی ادب سے بیٹھ گیا جب وہ ذکر سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ جس کو سعادت ابدی عطا فرماتے ہیں اس کے لئے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور وہ شخص سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ کے ذکر ہی میں رہتا ہے۔"

انہوں نے مزید فرمایا کہ
"قضائے حاجت کے وقت کے سوا اور تمام وقت ذکر کرنا چاہئے۔"

حضرت شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ

ابھی تک تو آپ سیستان میں بزرگان دین سے فیوض حاصل کررہے تھے مگر اس کے بعد آپ کی منزل تھی بدخشاں۔ یہاں پر حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ اس شہر میں ایک نامور ولی کامل موجود ہیں جو کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ آپ نے شہر میں جب تلاش کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ آپ شہر میں نہیں بلکہ شہر سے باہر ایک ویران غار میں ملیں گے۔ آپ نے بڑے اشتیاق سے اس غار کا محل و وقوع معلوم کیا اور چل دیئے اس غار کی جانب۔

آپ کو لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت ابوالواحد رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے قطع تعلق کر کے اس غار میں گوشہ نشین ہو چکے ہیں اور کسی بھی دنیا دار کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے۔ وہاں پر آپ فقط عبادات و ریاضات میں ہی مصروف رہتے ہیں۔ ان باتوں سے آپ کا اشتیاق اور بڑھا۔ اور آپ نے حضرت عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا پختہ ارادہ کرلیا۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ اگر کوئی دنیا دار ان کے پاس دنیاوی غرض کے لئے دعا کروانے کے لئے حاضر ہوتا ہے تو آپ بڑی ناگواری سے ارشاد فرماتے ہیں کہ

"غور سے سنو! تم کب تک اس مردار (دنیا) کے پیچھے بھاگتے رہو گے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو فقط اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا حاصل کرے۔ اور اس پر بھڑکتی ہوئی آگ سے بچنے کی کوشش کرے جس کا ایندھن انسان بنے گا۔
جاؤ! کسی اور کے دروازے پر جاؤ، کیونکہ تمہیں دینے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

اس بات کو اور دیگر تمام باتوں کو سن سن کر حضرت بابا فرید ؒ کا شوق دیدار بڑھتا جارہا تھا حالانکہ لوگوں نے آپ کو یہ خبریں اس لئے بتلائی تھیں کہ آپ اس غار تک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں۔ مبادا' آپ دلبرداشتہ ہی نہ ہوجائیں۔ مگر جس قدر لوگ آپ کو ڈراتے اس سے زیادہ آپ کو ملاقات کا شوق ہوتا۔

آپ جب اس غار میں پہنچے تو آپ نے ڈرتے ڈرتے غار کے دھانے پر قدم رکھا اور سوچنے لگے کہ اس بزرگ کو ملنے میں ناکامی ہی نہ ہو۔ کہیں آپ بابا فرید گنج شکر کو ٹال ہی نہ دیں۔ آپ جب دھانے پر پہنچے تو اندر سے آواز آئی۔

"اے فرید! اے سوختہ عشق! ادھر آ کہ تجھ پر میرے
دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔"

آپ حضرت شیخ کو ملنے کی خواہش لئے ہوئے بڑے اشتیاق سے اس غار تک آئے تھے اور اب جبکہ حضرت نے خود آپ کو بلوایا اور آپ کو اندر داخل ہونے کی اجازت بھی مل گئی تو آپ بڑے ادب سے غار کے اندر داخل ہوئے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت عبدالواحد کا جسم از حد کمزور بلکہ محض ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔

آپ جب بالکل قریب پہنچے تو دیکھا کہ حضرت کی فقط ایک ہی ٹانگ سلامت ہے اور دوسری کٹی ہوئی ہے۔ آپ کو شدید حیرانی ہوئی اور آپ نے دیکھا کہ حضرت عبدالواحد ؒ اسی ایک ٹانگ کے سہارے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت بابا فرید ؒ کو انہوں نے بیٹھنے کا کہہ کر خود عالم صحو میں کھو گئے اور لگاتار تین دن رات اس عالم میں رہے۔ ان شب و روز میں انہوں نے حضرت بابا فرید ؒ سے کوئی کلام نہ کیا۔

جب آپ نے آنکھیں کھولیں تو حضرت بابا فرید ؒ نے جلدی سے قریب ہونے کی کوشش کی تاکہ ان سے کوئی بات معلوم کر سکیں۔ انہوں نے نہایت پر جلال لہجہ میں فرمایا کہ

"اے فرید! میرے زیادہ قریب مت آنا کہیں جل نہ جاؤ اور

دور بھی نہ رہو تو مجبور ہو گئے۔"

حضرت بابا فریدؒ کے تیزی سے اٹھتے ہوئے قدم یکدم رک گئے اور آپ ان کی ہیبت میں کھو گئے اور سوچنے لگے کہ یہ کس قدر صاحب کشف بزرگ ہیں اور اپنے آپ کو کڑی آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ مگر کچھ دیر کے بعد حضرت بابا فرید نے خود ہی کلام کیا کہ یا حضرت میں بڑی دور سے آپ کو ملنے نہیں بلکہ آپ کی خدمت کرنے کے واسطے حاضر ہوا ہوں کیا آپ مجھے اس کا موقع نہ دیں گے۔

انہوں نے بڑے دکھی لہجے میں ارشاد فرمایا کہ "میں تو ہوں بھی اور نہیں بھی۔ میری کیا خدمت کرو گے۔"

حضرت بابا فریدؒ نے عرض کیا کہ یا حضرت کچھ اپنے بارے میں ارشاد فرمائیں آپ نے خود کلام اس لئے کیا کہ مبادا حضرت دوبارہ عالم محو میں نہ چلے جائیں اور پھر کئی روز ان سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ یہ بات سن کر انہوں نے فرمایا کہ۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے! تم نے تو بڑے بڑے مشائخ کی خدمت کی ہے اور یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ اب تم میرا حال پوچھ رہے ہو۔ تو سن لو کہ میں عشق الٰہی کی ایک بہت ادنیٰ مثال ہوں۔ تم میرا جسم تو دیکھ ہی رہے ہو۔ میرا جسم یوں سمجھو کہ آتش فراق میں قطرہ قطرہ پگھل رہا ہے۔ اور فقط چند دنوں میں یہ جسم خاک میں مل جائے گا۔

تم نے یہ تو دیکھ لیا کہ میری ایک ہی ٹانگ ہے تم حیران تو ہوں گے کہ میری ایک ہی ٹانگ کیوں ہے تو یہ بھی سن لو کہ میں اندازاً 40 برس سے اسی غار میں بند ہوں۔ میرے شب و روز اسی اندھیرے میں عبادت الٰہی میں گزر رہے ہیں۔ باقی دنیا سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا اور نہ ہی میں اہل دنیا سے کسی قسم کا تعلق رکھنے کی معمولی سی کوشش بھی کی۔

ان برسوں میں کسی سے بھی میں نے ملنے کی خواہش و جستجو نہ کی اور میں نے تمام ظاہری اسباب کی اپنے طور پر نفی کر دی۔ ایک روز میں عبادت سے فارغ ہوا ہی تھا کہ میں نے غار سے باہر دیکھنا شروع کیا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ غار کے باہر ایک نہایت حسین و جمیل عورت دھانے کے سامنے سے گزری۔ میں نے اس کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

بے اختیار میں اسی کو دیکھتا رہا اور سوچا کہ اس کو ملوں۔ یہ سوچ کر میں نے غار سے باہر نکلنا چاہا۔ ابھی ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ غیب سے آواز آئی اور میں دہل کر رہ گیا۔ آواز کیا تھی گویا میرے لئے تازیانہ تھی۔ میرے سارے خیالات بھسم ہو کر رہ گئے۔

مجھ سے کہا گیا تھا کہ

"اے مدعی! یہی عہد تھا کہ تم میرے سوا کسی دوسرے سے بھی لگاؤ رکھو۔"

واقعی یہ تو میرا عہد نہ تھا اور جب میں نے باقی ساری دنیا کے ساتھ ہر قسم کا تعلق منقطع کر رکھا تھا تو پھر اچانک آج اس اجنبی عورت کی خاطر کیوں باہر جانے کی خواہش کی۔ میں کافی دیر تک پشیمانی اور پریشانی میں مبتلا رہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ آخر میں نے اس ٹانگ کو کاٹ ڈالا جس نے غار سے باہر جانے کے لئے بڑھنے کی پہل کی تھی۔

ٹانگ کاٹ دینے کے بعد بھی میری پشیمانی کم نہ ہوئی کہ بروز قیامت اپنے دوست کو کیا منہ دکھاؤں گا اور جب مجھ سے سوال کیا جائے گا تو میں کیا جواب دوں گا۔ میرے پاس تو کوئی بھی جواب نہیں۔ اس وقت میں کیا کر سکوں گا اور کیا کہہ سکوں گا۔ یہی سوچ سوچ کر تو میں اور

زیادہ پریشان ہو جاتا ہوں کہ میری ہستی اس قابل نہیں کہ اللہ پاک کا سامنا کر سکوں۔

مجھے تو کسی کل قرار نہیں ہے۔ میرا ہر وقت توبہ استغفار میں گزرتا ہے۔ اے فرید! تو رو رہا ہے۔ ارے تجھے کیا معلوم کہ اس کائنات میں خالق حقیقی کے کیسے کیسے جانثار موجود ہیں۔ کچھ تو دکھائی دیتے ہیں اور باقی پوشیدہ مگر وہ تو ہر کسی کے حال سے بخوبی واقف ہے۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت عبدالواحد علیہ الرحمۃ خاموش ہو گئے اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ انہی کے بارے میں ہی سوچتے رہے کہ یاالٰہی تیرے کیسے کیسے دیوانے اس دنیا میں موجود ہیں جن سے لوگ ملنے کی آرزو کرتے ہیں مگر وہ فقط تجھ سے ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ آپ حضرت عبدالواحد کرمانی علیہ الرحمۃ کے پاس آٹھ دس روز تک اس غار میں مقیم رہے مگر حیرت اس بات پر تھی کہ اس غار میں کسی کا بھی آنا جانا نہیں تھا لیکن رات کو غار کے کسی گوشہ میں دودھ اور کھجوریں موجود ہوتیں تھیں۔ آپ سمجھ گئے کہ اگر ایک دوست نے اپنے آپ کو ایک دوست کے لئے وقف کر رکھا ہے تو وہ دوست اپنے اس دوست کی دستگیری کر رہا تھا یعنی اس کے حال سے بخوبی واقف تھا اور اس کے کھانے پینے کا خیال رکھے ہوئے تھا اور کسی بھی حال میں غافل نہ تھا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ آٹھ دس روز حضرت عبدالواحد کرمانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہے اب آپ نے حضرت عبدالواحد علیہ الرحمۃ سے جانے کی اجازت چاہی تو کوئی جواب نہ ملا۔ آپ نے یہ سوچ کر کہ شائد حضرت نے سنا نہیں آپ خاموش ہو رہے۔ مگر نماز تہجد کے بعد آپ نے دوبارہ جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مگر ان کا لہجہ بڑا دردناک تھا۔ جس میں رنج ہی رنج تھا۔ آپ نے اس کو بہت محسوس کیا اور حضرت شیخ سے عرض کیا کہ یا شیخ اگر آپ حکم فرمائیں تو

میں مزید کچھ روز یہاں رک جاؤں۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں اب تم چلے ہی جاؤ کیوں کہ سب کو ہی چلے جانا ہے۔ میری ریاضت تو ختم ہونے کے قریب ہے جبکہ تمہاری ابھی ابتدا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ابھی تمہارا بہت سا سفر باقی ہے۔

میری خلوت نشینی کو دیکھ لو کہ میں نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ مگر میری نصیحت کو غور سے سنو کہ تم کبھی کسی حال میں بھی گوشہ نشینی اختیار نہ کرنا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک کثیر تعداد میں اہل ایمان کو دین کی باتیں بتلاؤ گے اور بہت سے لوگ تم سے فیض یاب ہوں گے میری باتوں پر غور کرنا' میرے حال پر غور مت کرنا۔ کیونکہ ہر بندہ اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔

میری دعاؤں کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔ صرف اور صرف اللہ پاک پر بھروسہ کرنا کیونکہ اس کے سوا کوئی اور قابل بھروسہ نہیں ہے۔ میں جب تک زندہ رہوں گا اللہ کریم سے تیرے درجات کی بلندیوں کے لئے دعا گو رہوں گا۔ اللہ تجھے بڑی کامیابیوں اور کامرانیوں سے نوازے گا۔ بس اب میری طرف سے اجازت ہے۔ کل صبح صادق کے وقت چلے جانا اور اپنے دل کو رنجیدہ مت کرنا۔"

اس کے بعد حضرت عبدالواحد کرمانی علیہ ایک مرتبہ پھر عالم صحو میں چلے گئے اور حضرت بابا فرید علیہ انہی کے متعلق سوچتے رہے۔ یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت ہوگیا۔ آپ دونوں نے نماز فجر ادا کی اور اب حضرت بابا فرید نے ایک مرتبہ پھر جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عبدالواحد علیہ ایک لکڑی کے سہارے کھڑے ہوئے اور آپ کو قریب بلایا۔ آپ قریب آئے تو سینے سے لگا لیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ یوں لگا کہ جیسے میرا پورا جسم ہی جل گیا ہو۔ حضرت شیخ کا جسم تو یوں تھا جیسا کہ لپکتے ہوئے شعلے۔

حضرت بابا فرید اس آگ کی تپش کو محسوس کر رہے تھے کہ اور آپ کے کانوں میں حضرت شیخ کی آواز گونج رہی تھی۔ حضرت شیخ علیہ الرحمتہ فرمارہے تھے۔

"فرید! ہم تو خانماں برباد لوگ ہیں۔ نہ تو ہماری کوئی ملکیت ہے اور نہ کوئی جاگیر' بس سوز نہاں کی ایک میراث ہے۔ جس نے ہمیں جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔ ایک چنگاری تیری نذر بھی کئے دیتا ہوں کہ اس چنگاری کے بغیر درویش ' درویش نہیں ہوتا۔ نیکیوں اور عبادتوں کا سوداگر بن جاتا ہے۔

بس اب تو جا کہ تیری منزل تو بہت دور ہے اللہ تعالیٰ تیرے قدموں کو استقامت عطا فرمائے اور تیرے سر پر ہمیشہ اس کی رحمت کا سایہ رہے اگر کبھی تجھے یہ جاں سوختہ یاد آئے تو اس کے حق میں بھی دعائے خیر کر دینا کہ یہ لوگ آگ بجھنے نہ پائے۔ یہاں تک کہ تمام اعضاء یعنی دل' دماغ اور روح جل کر خاک ہو جائیں اور پھر یہ آگ کوچہ یار میں بکھر جائے اور اسے تیز ہوائیں اڑاتی پھریں۔"

اس کے بعد حضرت شیخ نے آپ کو خود سے جدا کر دیا اور خود زمین پر بیٹھ کر اپنا سر جھکا لیا کہ حضرت بابا فرید ﷫ کو جاتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔ دوسری طرف بابا فرید بھی غار سے باہر کی جانب بڑھ رہے تھے مگر انتہائی آہستہ روی کے ساتھ۔ قدموں میں لڑکھڑاہٹ اور آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔ حالانکہ نہ تو حضرت بابا فرید ﷫' حضرت شیخ کے مرید تھے اور نہ ہی حضرت شیخ حضرت بابا فرید کے پیر۔ مگر دونوں میں چند روزہ ملاقات کا اس قدر گہرا اثر تھا کہ جدائی محال نظر آتی تھی۔

حضرت بابا فرید گنج ﷫ شکر کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ دنوں تک حضرت شیخ کی خدمت کی جائے مگر پیرو مرشد کا حکم یاد تھا اور اس حکم کی تعمیل میں تو ابھی آپ کو بہت دور تک جانا تھا اور بہت کڑی آزمائشوں سے گزرنا تھا۔ چنانچہ آپ بادل نخواستہ وہاں سے رخصت ہوئے۔ مگر آپ اکثر حضرت عبدالواحد ﷫ کو یاد فرمایا کرتے تھے کہ جنہوں نے محض ایک خیال کے آنے کو اس قدر زیادہ محسوس کیا کہ اپنی ایک ٹانگ کاٹ دی اور اف تک نہ کی۔

حضرت شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ

ایک اور جگہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ بخارا میں آپ کی ملاقات حضرت شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ آپ ایک صاحب کشف و کمال بزرگ تھے۔ صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "آں از کمال عشق بمعشوقی رسیدہ، آں متصرف ولایت سماوی و ارضی، شہنشاہ وقت شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ کاملان طائفہ اور بے نظیران روزگار میں سے تھے۔ آپ بڑے قوی الحال اور باہمت تھے اور اکثر سماع میں مشغول رہتے تھے اور ذوق و شوق میں زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ شیخ نجم الدین کبریٰ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ "راحت القلوب میں حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ابتدائے سلوک میں جب میں بغداد سے واپس ہو کر بخارا پہنچا تو شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بڑے باعظمت اور باہیبت بزرگ تھے۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنا چہرہ زمین پر رکھا۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔

آپ جب بھی میری طرف نظر کرتے تھے فرماتے تھے کہ یہ لڑکا مشائخ روزگار ہوگا اور سارا جہاں اس کے مریدوں اور فرزندوں سے پر ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ آپ کے شانوں پر ایک سیاہ گلیم تھی۔ آپ نے میری جانب پھینک کر فرمایا کہ اس کو پہن لو۔ میں نے تعمیل کی۔ میں چند روز ان کی خانقاہ میں ان کی خدمت کرتا رہا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ ہزار آدمی ان کے دسترخوان پر کھانا نہ کھاتے۔

جب طعام باقی نہ بچتا تو بھی کوئی آنے والا محروم نہ جاتا آپ اس کو کچھ نہ کچھ عطا فرما کر رخصت کرتے۔"

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ سیف الدین نے اپنے پیر شیخ نجم

الدین کبریٰ کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے بہت شوق ملاقات ظاہر فرمایا۔ اس واقعہ کے بعد آپ ہجرو فراق میں تڑپتے رہے اور اپنے مواعظ میں اکثر درد کا ہجر بیان کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر لوگ حیران تھے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ آپ نے ایک دن سب کو جمع کیا اور ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! مجھے اپنے شیخ نے اپنے پاس بلایا ہے اور میں جارہا ہوں۔

یہ کہہ کہ منبر سے نیچے اترے اور گھر تشریف لے گئے۔ وصال کی رات آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور مشعل جلا کر ہجرو فراق کی باتیں کرتے رہے۔ رات کا تہائی حصہ گزرا ہو گا کہ ایک بزرگ صوف کا لباس زیب تن کئے اور ایک سیب ہاتھ میں لئے آئے اور وہ سیب شیخ سیف الدین کو دیا۔ آپ نے اسے سونگھا اور سونگھتے ہی جان بحق ہو گئے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ اس موقع پر فرماتے ہیں۔

در کوئے تو عاشقاں چناں دہند جاں
کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

ترجمہ : اے محبوب تیرے کوچہ میں عاشق اس طرح جان دیتے ہیں کہ ملک الموت کی بھی رسائی نہیں ہوتی۔

آپ کی ولادت سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کے عہد حکومت میں 576ھ میں ہوئی اور وصال منکو خان بن تولی بن چنگیز خان کے عہد میں 658ھ میں ہوا۔ آپ کا مدفن بخارا میں ہے۔ منکو خان کی والدہ نے ایک ہزار دینار دے کر آپ کی قبر پر خانقاہ تعمیر کروائی اور چند گاؤں خرید کر مزار کے لئے وقف کر دیئے رحمتہ اللہ علیہ"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک موقع پر حضرت بابا فرید نے فرمایا کہ جب میں بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں حاضر تھا تو ایک شخص ان کے پاس حاضر ہوا۔ یہ آپ کا عقیدت مند تھا اور کافی عرصہ کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوا تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے تم بہت عرصہ کے بعد آئے ہو۔ تو اس نے

عرض کیا کہ جناب میں کاروبار کرتا ہو۔ اچھا حاضا کاروبار چل رہا تھا کہ یکایک نقصان ہونا شروع ہو گیا اور اس میں بہتری کی صورت نظر نہیں آ رہی۔ جو بھی مال لاتا ہوں اس میں بجائے فائدہ کے نقصان ہو رہا ہے۔

اس کشمکش میں اکثر بیمار ہو جاتا ہوں۔ اپنی جان سے زیادہ تو مجھ کو اپنے کاروبار کی فکر لگی رہتی ہے۔ کہ کس طرح کاروبار میں بہتری کی صورت پیدا ہو۔ مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ آپ میرے لئے دعا فرمایئے۔ کیونکہ ایک تو کاروبار میں نقصان اور پھر بیماری۔ اس طرح مزید نقصان ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

"جب کسی مسلمان کے مال میں نقصان ہوتا ہے تو اس کو یہ ضرور سمجھنا چاہئے کہ اس کے اپنے دل میں کھوٹ ہے۔ اس کو اپنے دل کو کدورتوں سے صاف کرنا چاہئے اور اللہ کی یاد سے اپنے دل کو صاف کرنا چاہئے۔ یہ نقصان اس کو اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا ایمان درست ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ تکلیف میں بندہ اللہ تعالیٰ کو ہی یاد کرتا ہے۔ اس طرح اس کے اعمال میں درستی پیدا ہو جاتی ہے اور ایمان درست ہو جاتا ہے۔"

حضرت شیخ ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ سیاحت میں آپ چشت تشریف لے گئے اور یہاں پر آپ نے حضرت شیخ ابو یوسف چشتی علیہ رحمتہ کے مزار اقدس پر بھی حاضری دی۔ کیونکہ صاحب مزار سلسلہ چشتیہ کے خاندانی وارث تھے اور آپ کے مرشد بھی اسی سلسلہ سے منسلک تھے اس لئے آپ بطور عقیدت یہاں پر آئے۔

حضرت ابو یوسف چشتی علیہ الرحمتہ کے بارے میں صاحب "مرآۃ الاسرار" تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی حضرت خواجہ ابو محمد کے لے پالک تھے۔ کیونکہ ان کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے خواہرزادہ ابو یوسف چشتی کی اپنے فرزند کی طرح پرورش کی اور سلوک الی اللہ

کی تربیت دی۔ آپ کی وفات کے بعد خواجہ یوسف آپ کے قائم مقام ہوئے۔

سیرالاولیاء میں درج ہے کہ ایک مرتبہ ابویوسف چشتی ایک زیر تعمیر مسجد کے پاس سے گزرے تو آپ نے لوگوں کو پریشان حال دیکھا۔ آپ نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور ملاحظہ فرمایا کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ مسجد کی دیواریں تو مکمل ہو چکی ہیں مگر چھت ڈالنے کے لئے جو شہتیر لایا گیا ہے وہ دیواروں سے قریب ایک گز چھوٹا ہے۔

سبھی لوگ پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ مجھے راستہ دو۔ آپ گھوڑے سے اترے اور ایک دیوار پر چڑھ گئے۔ سبھی لوگ آپ سے بخوبی واقف تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ شہتیر کو دیواروں کی اونچائی تک لاؤ۔ جب شہتیر دیواروں کی اونچائی تک آگیا تو آپ نے شہتیر کا ایک سر پکڑا اور دیوار پر اپنے قدموں کے پاس رکھ دیا۔

لوگ حیرت زدہ اس کرامت کو دیکھ رہے تھے کہ پل بھر میں تقریباً ایک گز چھوٹا شہتیر دیواروں پر بالکل درست آگیا ہے۔ اس واقعہ کی جلد ہی ہر طرف دھوم مچ گئی۔

آپ کا وصال 459ھ میں ہوا۔ اس وقت خلیفہ ابوجعفر بن عبداللہ قائم بن قادر کے عہد میں ہوا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر آپ کے مزار شریف پر جب قیام پذیر تھے تو وہاں پر منعقد ہونے والی مجالس میں بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتے تھے۔ حالانکہ آپ جوان تھے مگر آپ کو بڑے بڑے باکرامت اولیائے کرام کی صحبت دوران سیاحت حاصل ہو چکی تھی اور آپ نے ان بزرگوں سے فیض بھی حاصل کیا تھا۔

مگر اجنبی لوگوں کے درمیان تو آپ کو فقط ایک نووارد نوجوان ہی خیال کیا جاتا تھا۔ آپ خاموشی کے ساتھ وہاں پر موجود عمر رسیدہ درویشوں کی گفتگو سماعت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے ان عمر رسیدہ صوفیاء کے کسی مسئلہ میں کبھی دخل اندازی نہیں کی تھیں مگر ایک مرتبہ یوں ہوا کہ مجلس میں باتیں چل رہی تھیں کہ ایک صوفی نے کہنا شروع کیا کہ انہوں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ

ان کا انتقال ہو گیا ہے اور ان کی روح شدید بیقرار اور حالت اضطراب میں ہے۔

صاحب مجلس نے ان صوفی صاحب کی خواب کو سنا اور اپنے طور پر اس کا مطلب ان صوفی صاحب پر اور تمام اہل مجلس پر واضح کیا۔ حضرت بابا فرید بھی اس مجلس میں موجود تھے آپ نے صاحب مجلس سے کہا کہ "اے شیخ! اگر خلاف ادب نہ ہو تو اس خواب کی تعبیر میں بیان کروں۔"

تمام اہل مجلس کی نظریں آپ پر جم گئیں۔ اکثر لوگوں نے اس نوجوان کو دیکھا تھا کہ ہر وقت گم صم رہنے والا یہ نوجوان بھلا صاحب مجلس سے بڑھ کر کیا تعبیر بتلا سکتا ہے۔ مگر صاحب مجلس نے آپ سے کہا کہ "اے نوجوان! تمہیں اجازت ہے۔ تم اگر اپنا خیال اس خواب کے بارے میں بیان کرنا چاہو تو بلا خوف و خطر کہہ ڈالو۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ بیان کردہ خواب کی درست تعبیر بیان کی جاسکتی۔ اگر تمہارے خیال میں اس خواب کی تعبیر کچھ اور ہے تو بیان کرو۔"

اجازت ملنے کے بعد لوگوں نے اپنی ساری توجہ آپ پر مرکوز کر دی اور بڑے تجسس سے آپ کو بولنے کے لئے ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ ان صوفی صاحب سے مخاطب ہو کر گویا ہوئے کہ

"میرے محترم! اس خواب میں آپ نے جو دیکھا ہے کہ آپ کی موت واقع ہو گئی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ یہ آپ کی موت ہو گی۔ اپنی کم علمی کی وجہ سے میں زیادہ بات کر کے آپ کا وقت ضائع تو نہیں کروں گا۔ میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے آپ کی فجر کی نماز قضا ہو گئی۔"

آپ کے فرمانے سے پہلے بھی حاضرین مجلس آپ کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھے اور اپنے اپنے دل میں سوچ رہے کہ یہ کمزور جسم مگر مضبوط ذہن والا نوجوان بھلا کیا تعبیر بتلاتا ہے۔

آپ کی تعبیر سن کر سبھی حاضرین مجلس اب اس صوفی کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ وہ صوفی بے اختیار ہو کر پکارے کہ "اے نوجوان! تمہاری بیان کردہ تعبیر ہی بالکل درست تعبیر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج میری نماز فجر

قضا ہوگئی تھی۔ جب میں نے خواب دیکھا تو میری اچانک آنکھ کھل گئی اور میں نے دیکھا کہ میرے اردگرد تو کوئی بھی نہیں ہے۔ مگر میں نے دیکھا کہ فجر کی نماز کا وقت تو جاتا رہا اور اب تو سورج طلوع ہو رہا تھا۔"

آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ نماز کا قضا ہو جانا بھی ایک طرح سے مسلمان کی موت کی حیثیت رکھتا ہے۔" آپ کی گفتگو اور مدبرانہ انداز سے صاحب مجلس نے فرمایا کہ "سب لوگ سن لیں کہ یہ نوجوان بہت جلد معرفت کے افق پر ایک خورشید تابناک بن کر ابھرے گا۔"

حضرت شیخ شہاب الدین زندوسی رحمۃ اللہ علیہ

روایت ہے کہ آپ دمشق بھی سلسلہ سیاحت میں تشریف لے گئے اور چند روز وہاں پر قیام فرمایا۔ دمشق میں بھی اس زمانے میں بڑے نامور اولیائے کرام موجود تھے۔ آپ نے ان کی صحبتوں سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ انہی مجالس سے آپ کو معلوم ہوا کہ ایک نام بہت معتبر ہے اور وہ ہے حضرت شیخ شہاب الدین زندوسی رحمۃ اللہ علیہ کا۔

آپ نے شیخ سے ملاقات کی ٹھانی اور ان کی مجلس گاہ کی طرف چل دیئے۔ آپ کا عمدہ انداز ملاقات حضرت شیخ کو ازحد بھایا اور آپ انہی کے مہمان ہوئے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت شیخ کی مجلس میں موجود تھے۔ حاضرین ہمہ تن گوش تھے۔ کیونکہ حضرت شیخ اس وقت روحانیت کے موضوع پر ارشاد فرمارہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ تمام حاضرین پر گویا کہ سکتہ کی کیفیت طاری ہے۔

حضرت شیخ زندوسی رحمۃ اللہ علیہ جب اپنا بیان ختم کر چکے تو ایک آپ کا ایک معتقد اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ کہ حضرت آپ نے کچھ عرصہ پہلے ایک مرید کو اپنا خرقہ عنایت فرمایا تھا۔ وہ آج کل اہل دنیا سے بہت میل جول رکھتے ہے" حضرت شیخ نے بڑے تحمل سے اس خبر جانکاہ کو سنا اور اسی شخص سے دریافت کیا کہ "تمہیں معلوم ہے کہ اس کے دیگر مشاغل کیا ہیں۔ مگر میرے سامنے سچ بولنا۔"

اس شخص نے کہا جناب میں تو آپ کے سامنے کسی بھی حالت میں جھوٹ بولنے کی کبھی جرات نہیں کر سکتا۔ مجھے تو واقعی اس بد نظر پر افسوس ہے۔ کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ دنیاوی مفاد حاصل کرنے کے لئے آپ کا عطا کردہ خرقہ استعمال کر رہا ہے۔ لوگوں کو تو آپ کا خرقہ ہی نظر آتا ہے۔ وہ لوگ آپ کے خرقہ کی تعظیم میں اس کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کر رہے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت شیخ زندوسی علیہ الرحمۃ کے دلی جذبات آپ کے چہرے سے عیاں ہو گئے۔ صاف نظر آتا تھا کہ آپ کی اندرونی کیفیات کیا ہیں۔ آپ یہ سوچ رہے تھے کہ ایک ایسا شخص جس نے اپنی زندگی کے عیش و آرام کو تج دیا تھا اور خانقاہ کی عظمت قائم کی تھی۔ اسی کا ایک نمائندہ کس طرح اس کے نام کو خراب کر سکتا ہے۔ حضرت شیخ زندوسی علیہ الرحمۃ کافی دیر تک اسی سوچ میں گم رہے کہ آخر یہ ہوا کیسے۔ کہاں پر اس کی تربیت میں کمی رہ گئی تھی۔

آپ کو اپنے وہ الفاظ یاد آ رہے تھے جو آپ نے اس وقت ادا کئے تھے جب اس مرید کو خرقہ عطا کیا تھا آپ نے اس سے فرمایا تھا کہ

"جان عزیز! غور سے سن۔ فقیر کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ اس نے تجھے بخش دیا ہے یعنی اپنی چاہتیں' جذبے' اپنی محبت اور اپنی دعائیں سب کچھ تیرے دامن میں ڈال دیں ہیں۔ اپنی فغان نیم شبی' اپنی آہ سحر گاہی اپنے دل کا گداز اور اپنی روح کا سوز میں نے اسی خرقے میں سمو دیا ہے۔

سنو! اس کو فقط ایک کپڑا نہ خیال کرنا۔ یہ تیرے مشائخ کی نشانی ہے۔ ایک ایسی نشانی جس کی ایک ایک تار میں ان کا لہو شامل ہے۔ دنیا کے گردو غبار اور حرص و ہوس کی کثافتوں سے اس کو میلا مت کرنا۔ صبر کرنا اور اللہ پاک پر توکل کرنا۔ دنیا کے پیچھے مت بھاگنا۔ ورنہ اس خرقہ کی وقعت پر حرف آئے گا۔"

کافی دیر حضرت زندوسی انہی سوچوں میں غلطاں و پیچاں رہے۔ آپ

کو یقینی طور پر دکھ ہو رہا تھا اور آپ کی حالت دیکھ دیکھ کر حاضرین بھی ملول ہو رہے تھے۔ عقیدت مند اپنے اندر حوصلہ نہیں پا رہے تھے کہ شیخ کو کن الفاظ میں تسلی دیں۔ آپ نے کافی دیر سکوت فرمانے کے بعد مدھم آواز میں فرمایا کہ اس کو تلاش کر کے میرے پاس لاؤ اور یاد رکھنا کہ تم لوگوں نے اس کو کچھ نہیں کہنا۔

چند لوگ تیزی سے باہر چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک ایسے شخص کو لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جو اسی خانقاہ کا تربیت یافتہ تھا اور جس کا اہل تصوف میں اپنے شیخ کی وجہ سے بڑا زیادہ احترام تھا۔ اس کو لے کر جب وہ لوگ خانقاہ میں آئے تو اس مرید کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ اس کو خانقاہ میں پہنچ کر کس صورتحال کا سامنا کرنا پڑے وہ بڑے فخر کے ساتھ حضرت کے عقیدت مندوں کے درمیان سے گزرتا ہوا شیخ کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن جس وقت اس نے اپنے شیخ کی دست بوسی کی کوشش کی تو شیخ کے لب و لہجے کو سن کر تھرا گیا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کو یہاں پر اس قسم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جونہی وہ دست بوسی کے لئے آگے بڑھا تو شیخ نے فرمایا کہ

"اے بدبخت! لوگ کہتے ہیں کہ تم نے میرے دیئے ہوئے خرقے کو نیلام کر ڈالا ہے۔ بول' بولتا کیوں نہیں۔ تیری خاموشی کا کیا مطلب ہے۔"

سب لوگ شیخ کی آواز سن کر کانپ اٹھے۔ اس مرید کے حال کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اب وہ بولتا تو کیا بولتا۔ اب اس کے پاس بولنے کے لئے الفاظ ہی کہاں تھے۔ جب کچھ دیر تک وہ نہ بولا تو حضرت شیخ زندوسی نے دریافت فرمایا کہ

"بول تو نے ایسا عمل کیوں اختیار کیا۔"

آپ کا جلالی لہجہ سن کر مرید تھر تھر کانپنے لگا اور گلوگیر آواز میں گویا ہوا کہ

"یا شیخ! میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ آخرت کے وعدہ پر مجھے اطمینان حاصل ہو جائے

مگر میرے دل میں دنیاوی محبت اس طرح موجزن تھی کہ میں اپنی ذات کو غرق ہونے سے نہ بچا پایا۔ میری ظاہر پرست فطرت نے مجھے نام و نمود کے کوچہ و بازار میں رسوا کروایا۔ میرے صبر تحمل کا دامن تار تار ہو گیا۔ میں نے بارہا کوشش کی مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا۔"

آخر کار مرید کو سچ بولنے ہی میں عافیت معلوم ہوئی۔ یہ باتیں کر کے وہ تو خاموش ہو گیا مگر اس کی ہچکیوں کی آوازیں تمام حاضرین آسانی سے سن رہے تھے۔ لیکن اب سب لوگوں کی توجہ اس پر نہیں بلکہ حضرت شیخ کے چہرے پر مرکوز تھی اور سب حاضرین اس وقت کسی بھی بات کو سننے کے لئے خود کو تیار کر رہے تھے۔ کیونکہ اس مرید نے کوئی معمولی کام تو نہ کیا تھا۔ حضرت شیخ نے نہایت افسردہ لہجہ میں ارشاد فرمایا۔

"کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ یہ زندگی کا کٹھن ترین راستہ ہے۔ کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ اس راستہ میں تمہارے پاؤں پھولوں پر نہیں بلکہ کانٹوں پر پڑیں گے اور تمہیں آبلوں کی تکلیف برداشت کرنا ہو گی۔ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں بتلایا تھا کہ اس راستہ پر تو لوگوں کو مصلوب بھی ہونا پڑتا ہے۔ زنداں میں ڈالے جاتے ہیں۔

اور بعض اوقات تو زنداں ہی میں جان کا نذرانہ دے کر آزاد ہو جاتے ہیں۔ تمہارے اوپر ایک ایک بات روشن تھی۔ پھر بھی تم روشنی کو چھوڑ کر تاریکی کی جانب نکل گئے۔ تم نے سفر کے آداب ہی فراموش کر دیئے۔ تم تو منزل ہی سے برگشتہ ہو گئے۔ خود اپنے قول سے ہی منکر ہو گئے۔ اب بتاؤ کہ باقی کیا رہ گیا ہے۔

اللہ کی قسم! اب تو فقط غبار ہی غبار ہے۔ قبائے بے رنگ زیب تن پہن کر کچھ دن جی لو۔ یاد رکھو کہ بہت

جلد سانسوں کا شمار ختم ہونے والا ہے۔ پھر تمہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ دنیا اور آخرت ایک مرکز پر کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

ارے تم نے تو اس رشتہ کو ہی پامال کر ڈالا جو اہل وفا کی پہچان ہے۔ جب تمہاری پہچان ہی کھو گئی ہے تو اب تم بھی میرے پاس سے چلے جاؤ۔ اور اپنی سرکشی کو اپنی ذات کا حصہ بنا لو۔ یہاں تک کہ تمہارے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہے۔"

یہ ارشاد فرما کر شیخ نے آگے بڑھ کر بت بنے ہوئے مرید کے جسم سے اس خرقہ کو اتار لیا جس کو اس نے دولت کمانے کے لئے پہن رکھا تھا۔ جب اس کا خرقہ اتار لیا تو اس کو خانقاہ سے باہر نکل جانے کا کہہ کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس مرید کی حالت بھی دیدنی تھی جس کی عزت و تکریم محض اس خرقہ کی وجہ سے تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے تک اس خرقہ کی بدولت شہر بھر میں ایک باوقار شخص خیال کیا جاتا تھا۔ مگر اب وہ یقینی طور پر ایک دھتکارا ہوا شخص تھا۔ جس کو عام فہم زبان میں راندۂ درگاہ کہا جا سکتا ہے۔

مگر کیا شیخ کو اس کی اس حالت پر افسوس نہ ہوا ہو گا۔ یقیناً ہوا ہو گا۔ کیونکہ آپ نے بڑی محبت سے اس کی تربیت کی تھی۔ اسی لئے جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

"جانے والا چلا گیا۔ ہاں۔ اس کو تو جانا ہی تھا۔ مقتول، عشق کا مسافر تھا۔ لیکن اہل دنیا کی تراشی ہوئی رسوم سے خوفزدہ تھا۔ اس کو ظاہر کے خوف نے کھا لیا۔ حیف صد حیف! اس نے باطن کی طرف نگاہ نہیں کی۔"

ایک درویش نے ہمت کر کے عرض کیا کہ "یا شیخ! سرکش اور نافرمان شخص کے لئے آپ خود کو کیوں رنجیدہ کر رہے ہیں۔"

"تمہیں بھی نہیں معلوم اور اس کو بھی نہیں معلوم جو چلا گیا

کہ وہ تو میری ریاضت تھا۔ ایسی ریاضت جو رائیگاں چلی گئی۔
وہ میری عمر بھر کی دعاؤں کا ثمرہ تھا۔ جو باب اثر سے لوٹ
آئیں۔" شیخ زندو سی گلوگیر آواز میں بولے۔
سبھی لوگ خاموشی سے ساری صورتحال کو دیکھ رہے تھے کہ
یکایک شیخ کی ٹھہری ہوئی آواز سنائی دی۔ آپ فرمارہے تھے۔
"حاضرین مجلس! میری بات غور سے سنو۔ مرید بھی پیر کے جسم
کاایک حصہ ہی ہوتا ہے۔ اگر اسے اپنے دل کے اتنے قریب
نہ سمجھا جائے تو پھر یہ نظام خانقاہی ایک کاروبار ہی ہو گا۔ جانے
وہ بھی میرے بدن کا ایک حصہ ہی تھا۔ جب تک وہ دنیا کے
ناہموار راستوں پر دھکے کھاتا رہے گا میری روح بھی پریشان
رہے گی۔
وہ جس راہ سے بھی گزرے گا میری آنکھیں اس کی نگران
ہوں گی۔ میں اس کے تنہا اور کمزور جسم کو وقت کی بے رحم
آنکھوں کا ہدف بنتے ہوئے کس طرح دیکھوں گا اور شاید مجھے
دیکھنا ہی ہو گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ لوح محفوظ پر
کیا لکھا ہے۔ بس اسی کو خبر ہے۔ کہ مجھے کیا دیکھنا ہو گا۔"
شیخ کی باتوں نے تمام حاضرین کو ہلا کر رکھا دیا۔ مریدین کو حاص طور پر
آپ کی گفتگو سے سکون حاصل ہوا کہ واقعی اپنے شیخ کے ساتھ مرید کو اس طرح
دکھ نہیں پہنچانا چاہئے۔ ورنہ جو شیخ عطا کر سکتا ہے وہی شیخ محروم بھی کر سکتا ہے۔
ان کیفیات سے عقیدت مندوں میں بیشمار سوالات پیدا ہوئے۔ کیونکہ وہ ان
کیفیات کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ آخر ایک اور درویش نے ہمت کر کے
پوچھا کہ
"یا شیخ! پھر آپ نے آخر خرقہ کیوں اتارا۔"
"ہاں یہ بھی بہت ضروری تھا۔" شیخ نے جلدی سے جواب دیا۔ یوں لگا
کہ جیسے آپ کو اسی قسم کے سوال کی توقع تھی۔ "یہ اس لئے ضروری تھا کہ اگر

میں خرقہ نہ اتروا تا تو وہ مزید گمراہی میں مبتلا ہو جاتا۔ اس کے خیال میں اس کو پکڑنے والا کوئی نہ ہوتا۔ اور اگر میں یہ نہ کرتا تو دوسرے لوگوں (مریدوں) کو بھی نصیحت حاصل کرنے کا موقع نہ ملتا۔"

اسی قسم کی محافل میں شرکت فرمانے کے بعد آپ نے شیخ شہاب الدین زندوسی سے چلنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت مرحمت فرمائی اور آپ مزید فیوض و برکات سمیٹتے ہوئے عازم ملک شام ہوئے۔ جہاں پر آپ نے فیوض و برکات کا حصول جاری رکھا اور اس کٹھن اور دشوار گزار سفر کے لئے اپنے پیرو مرشد کا حکم یاد کر کے آپ کو فخر حاصل ہوا کہ اگر پیرو مرشد اس کا حکم نہ دیتے تو ان کو یہ فیض حاصل کرنے کا موقع ہی نہ ملتا اور آپ ملتان تک ہی محدود ہو کر رہ جاتے۔

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ سیاحت میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نیشا پور بھی تشریف لے گئے تھے۔ نیشا پور مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ سے بھرا ہوا شہر ہے۔ تاریخ اسلامی میں یہ شہر متعدد واقعات کی وجہ سے معروف ہے۔ اسی معروف شہر میں اس وقت بہت بڑے ولی کامل حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی کا نام ابراہیم بن اسحاق عطار نیشا پوری ہے۔ آپ نیشا پور کے نواحی قصبہ گرگین میں پیدا ہوئے۔ یہ سلطان بن ملک شاہ سلجوقی کا عہد تھا۔ آپ شعبان 513ھ میں پیدا ہوئے۔ ہر میدان میں آپ کے بڑھ چڑھ کر کمالات ہیں۔

آپ کے کلام کو اہل سلوک کا تازیانہ کیا گیا ہے۔ شریعت' طریقت اور حقیقت میں آپ یگانہ اور شوق و نیاز اور سوز و گداز میں شمع زمانہ تھے۔ تذکرہ دولت شاہی میں لکھا ہے کہ انہوں نے بے شمار اکابر و مشائخ کی صحبت پائی اور اہل طریقت کی 400 کتابوں کا مطالعہ کیا۔ آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ عالم شباب میں جبکہ آپ کے والد محترم رحلت فرما گئے تو آپ نے اپنے والد صاحب کی دکان

کو سنبھال لیا۔ آپ کے والد کی عطریات کی دکان تھی۔ جو کہ بہت مشہور تھی اور لوگوں کا رش اس دکان پر لگا رہتا تھا۔

آپ بڑی خوش اسلوبی سے دکان کے امور سرانجام دے رہے تھے کہ ایک روز ایک درویش نے آکر صدا لگائی۔

"شیئا اللہ"

آپ نے غور نہ کیا اور اپنے کام میں متوجہ رہے کیونکہ دکان پر گاہکوں کا اچھا خاص ہجوم لگا رہتا تھا۔ فقیر جو کہ درویش تھا بولا کہ "اے خواجہ تم کیسے مرو گئے۔"

آپ نے جواب دیا کہ "جیسے تم مرو گئے" درویش بولا "کیا تم میری طرح مرسکتے ہو۔" آپ نے فرمایا کہ ہاں۔

اس درویش نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لکڑی کا پیالہ اپنے سر پر رکھا اور اللہ کہا۔ اسی کے ساتھ ہی اس نے جان دیدی۔ یہ واقعہ دیکھ کر حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ کی دنیا ہی بدل گئی۔ دکان کو لوگوں میں لٹا کر شیخ الشیوخ العارف رکن الدین اکاف کی خانقاہ میں گئے اور توبہ کر کے ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی آپ کے مرید خاص تھے۔

حضرت شیخ عطار علیہ الرحمۃ کی شہادت بھی نہایت سبق آموز ہے۔ ہاں مگر سبق لینے والے چاہئیں۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ 627ھ میں جبکہ آپ نیشاپور میں مقیم تھے اور آپ کی عمر مبارک 114 برس کے قریب تھی۔ اس زمانے میں اہل اسلام گردش زمانہ کا شکار تھے۔ حکمرانوں کی غلط روش نے پورے عالم میں مسلمانوں کو بے یارومددگار بنا رکھا تھا۔ اسی دور میں ظالم تاتاری عالم اسلام میں جابجا قتل و غارت گری کا بازار گرم کئے ہوئے تھے مگر ان کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔

مذہبی مقتدر شخصیات کے ذریعہ سے یہودیوں اور نصرانیوں نے اہل اسلام کے درمیان تاتاریوں کو عذاب الٰہی کے نام سے شہرت دے رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پورے کے پورے شہر تاتاری لوٹ کر جلا ڈالتے تھے مگر اہل اسلام باوجود تعداد میں کافی ہونے کے ان کا مقابلہ نہ کر پاتے یہی حالت نیشاپور کی تھی۔

نیشاپور میں جب تاتاریوں کا خوف بڑھا تو نیشاپور کے حاکم نے آپ سے رجوع کیا۔

آپ نے اس کو کہا کہ "تم میری دعا پر تکیہ کس لئے کرتے ہو۔ جبکہ تمہیں چاہئے کہ تم منگولوں کا مقابلہ کرو اور عام مسلمانوں کو مقابلے کے لئے تیار کرو۔ کیونکہ محض دعاؤں سے جنگیں نہیں جیتی جاتیں۔"

مگر حاکم شہر بضد رہا کہ اگر آپ دعا فرمادیں گے تو یہ عذاب ٹل جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ "بھائی میں تو روزانہ ہی تمام مسلمانوں کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔ مجھے یہ تو بتاؤ کہ پھر نفرت و قہر کے نمائندوں نے اس طرف کا رخ کیوں کر دیا ہے۔ حاکم شہر اپنے مشیروں کے ہمراہ اس سوال کے جواب سے قاصر تھا۔

آپ نے تھوڑی دیر تک ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جو اپنے اقتدار کے چھن جانے کے خوف سے لرزاں براندام تھے۔ لیکن ان کو اپنے دین سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ آپ نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

"میری بات غور سے سنو! اس قوم کا ماتم کرنے سے کیا حاصل۔ جس نے کبھی اپنی حالت زار پر غور نہیں کیا۔ جب کئی برسوں سے تم لوگوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں تو اب بھی انہیں بند ہی رہنے دو۔ اگر اب آنکھیں کھولو گے تو تم کو منزل تو نظر نہ آجائے گی۔

تمہارے دماغ تو عیش و نشاط کے گہوارے بنے ہوئے ہیں انہیں محو خواب ہی رہنے دو۔ کیونکہ اب تم لوگوں کا وقت قریب ہے۔ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مدت کو سو کر گزار دیا ہے اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ میری دعا سے زیادہ تمہیں اپنی اپنی تلواروں پر اعتماد کرنا چاہئے۔"

حاکم نیشاپور اور اس کے ہمرائیوں کو یقیناً یہ جواب اور نصیحت آموز باتیں پسند نہیں آئی ہوں گی۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ فوج تیار کرتے۔ یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ کو کیا

معلوم کہ تاتاریوں نے قتل و غارت کا کیسا بازار گرم کر رکھا ہے۔ آپ تو فقط اپنی خانقاہ کے ایک گوشہ میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمارے کھیتوں کو جلا کر خاک بنا دیا گیا ہے۔ ہمارے دریا ہمارے ہی خون سے سرخ ہو رہے ہیں۔ ہمارے بچے بوڑھے اور عورتوں کو تاتاری بے دریغ قتل کر رہے ہیں۔ مگر آپ کو ہماری کوئی فکر نہیں۔"

آپ مسکرائے اور فرمایا کہ

"ہاں! تم نے ٹھیک کہا کہ میں خانقاہ کے ایک گوشہ میں قید ہوں۔ تمہارے خیال میں ایک صوفی اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہے۔ مگر میرا خدا مجھے اس خانقاہ کے گوشہ سے سب کچھ دکھاتا رہتا ہے۔ حکومت تمہارے پاس ہے۔ حکومت کی اور اپنی رعایا کی ذمہ داری تو تمہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ کیا تم لوگوں نے تاتاریوں کے مقابلے کے لئے کوئی منصوبہ بندی بھی کی ہے کہ نہیں۔"

حاکم شہر کو اپنا گستاخانہ کلام یاد آیا اور اس نے اپنے سابقہ طرز عمل کی تلافی کے لئے معافی چاہی۔ اس کے ساتھی بھی شرمندہ تھے۔ آپ نے ان سب کو مزید شرمندگی سے بچانے کے لئے فرمایا کہ

"میرا کہنے کا یہ مقصد یہ تو نہ تھا کہ تم لوگ شرمندہ ہو جاؤ۔ یہی حقیقت ہے کہ ایک خرقہ پوش صوفی اور ایک فاقہ کش درویش تم لوگوں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا اور وہ شخص ایک طوفان بلا خیز کو روکنے کے لئے کر بھی کیا سکتا ہے۔ جس کو دو وقت کی روٹی تک میسر نہیں۔

تم لوگ جاؤ اور اپنے تمام تر وسائل سمیٹ کر دشمن کا مقابلہ کرو۔ یہی تمہاری پریشانیوں کا حل ہے۔"

حاکم شہر اور اس کے مشیروں نے کہنا شروع کیا کہ یہ باتیں تو سبھی کو

معلوم ہیں مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ دعا فرمائیں تاکہ تاتاریوں سے ہماری جان چھوٹ جائے۔ ان کی باتیں سن کر آپ نے فرمایا کہ جس طرح تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اب مقابلے کا وقت بیت چکا ہے۔ بالکل اسی طرح میں بھی یہ کہتا ہوں کہ اب دعا کا وقت بھی بیت چکا ہے۔

حاکم شہر اور اس کے ساتھیوں نے تند و تیز باتیں شروع کر دیں۔ آپ نے کمال ضبط کے بعد ارشاد فرمایا کہ

"تم لوگ فضول باتوں میں اپنا وقت کیوں برباد کرتے ہو۔ جو لوح محفوظ میں درج ہے وہی ہو گا۔ اہل شہر کو میری جانب سے پیغام دے دو کہ اپنی تلواروں کو تیز کر لیں ان کو ہر وقت بے نیام رکھیں اور اپنے آرام دہ بستروں سے نکل آئیں۔ گھروں کو چھوڑ کر مقابلے کی تیاری کریں۔ موت سے خوفزدہ نہ ہوں بلکہ اپنے آپ کو موت کا استقبال کرنے کے لئے تیار کریں۔

ایسا مقابلہ کرو کہ مسلمانوں کی تاریخ رقم ہو جائے۔ اپنی تاریخ کو خراب نہ ہونے دو۔ غور سے سنو! کہ دشمن خدا کی تواضع یہی ہے کہ اس کو خاک و خون میں نہلا دو یا پھر خود پیوند خاک ہو جاؤ۔

اہل شہر سے کہہ دو کہ اگر تم نے اپنی صفوں کو ترتیب نہ دیا تو یہ سیلاب تم سب کو بہا کر لے جائے گا اور پھر کچھ بھی نہیں بچے گا۔ جاؤ اب سب چلے جاؤ۔"

وہ سب لوگ جو موت سے خوفزدہ اور زندگی سے پیار کرنے والے تھے بے دلی سے اٹھے اور مایوسی کی چال چلتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ان لوگوں کو رخصت کر کے آپ نے اپنے عقیدت مندوں کے سامنے تلوار نکالی اور باہر کی جانب چلنے لگے۔ آپ کے مریدین بڑے حیران ہوئے۔ کیونکہ ان لوگوں کی نظر میں تو صوفی کا کردار یہ نہ تھا آپ نے ان کی دلی کیفیات کا اندازہ کر لیا اور فرمایا کہ

"تم لوگ میرے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر حیران کیوں ہو گئے
حقیقی صوفی تو وہی ہے۔ جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور
دوسرے ہاتھ میں تلوار ہو۔ درویش وہ نہیں ہے جو ایک
کونے میں بیٹھا ساری زندگی بسر کر ڈالے۔ معرفت میں یہ عمل
بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر اس وقت
اللہ تعالیٰ کی رضا ہے کہ دریش خانقاہوں سے باہر نکلیں اور
میدان کارزار کارخ کریں۔
گوشہ نشینی بھی اسی کے لئے اور تلوار بازی بھی اس کے لئے
ہے۔"

یہ کہہ کر آپ خانقاہ سے باہر کی جانب چل دیئے اور تاتاریوں سے خوب جان توڑ کر لڑے آپ خود خیال فرمائیں کہ ایک ایسا مرد پیر جس کی عمر سعید 114 برس کے قریب ہو کس طرح فوج کا مقابلہ کرتا ہو گا۔ آخر آپ کو تاتاری گرفتار کر کے لے چلے۔ یہ روایت بھی بڑی معروف ہے کہ جب آپ کو تاتاری سپاہی لے کر چلے تو ان سپاہیوں نے آپ کو قتل کر دینا چاہا یا پھر فروخت مگر آخر کار آپ کو شہید کر ڈالا۔

مراۃ الاسرار میں تحریر ہے کہ

"جب نیشاپور کے محاصرہ میں چنگیز خان کے داماد تغاچار
نویاں کو قتل کر دیا گیا تو اس نے قتل عام کا حکم دے دیا۔
اسی حادثہ میں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے جام شہادت
نوش کیا۔"

ان واقعات کی خبر جب حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپ کو وہ لمحات بہت یاد آئے۔ جب آپ نیشاپور میں پہنچے تھے اور آپ نے حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی تھی۔ آپ کو یاد آرہا تھا کہ جب آپ حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں وارد ہوئے تھے تو آپ کا استقبال حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے والہانہ انداز میں کیا تھا۔

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر آپ کو اپنے سینے سے لگاتے جا رہے تھے اور اپنے عقیدت مندوں سے کہتے جا رہے تھے کہ دیکھو لوگو! کون آیا ہے۔ فرید ہندی آیا ہے۔

آپ اکثر حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مایہ ناز تصنیف اہل تصوف اور اہل اسلام میں گرانقدر سرمایہ ہے۔ آپ نے اولیائے کرام کے حالات اور واقعات پر مبنی ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "تذکرۃ الاولیاء"
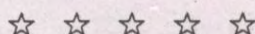
سیاحت سے واپسی

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تقریباً پانچ برس کی سیاحت کے بعد جس میں آپ نے فقط حصول علم کے لئے دور دراز علاقوں کا دشوار گزار سفر کیا واپس ملتان تشریف لائے۔ اس پورے عرصہ میں آپ نے نامور اور برگزیدہ بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ ان کی خدمت گزاری کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ مگر جہاں تک میرا خیال ہے کہ اس پورے عرصہ میں آپ کے ذہن میں محض اپنے مرشد کے پاس پہنچنے کی دھن سوار تھی کیونکہ اس سفر کا آغاز بھی انہی کے حکم پر آپ نے کیا تھا۔

فقیر کے خیال کو اس بات سے تقویت حاصل ہوتی ہے کہ آپ نے بڑے بڑے بزرگوں کے آستانوں پر حاضری دی مگر بیعت ہونے کی درخواست نہ کی۔ کیونکہ آپ اپنے پیرو مرشد سے بیعت ہو چکے تھے۔ نیز آپ نے ان عظیم المرتبت بزرگوں کو عظمت سے بھی خود کو متاثر نہ ہونے دیا۔ اس کے علاوہ فقیر کے خیال میں آپ کے پیرو مرشد بھی بذریعہ کشف آپ حالات سے کلی طور پر واقفیت حاصل کرتے رہتے تھے اور گاہے بگاہے آپ کی اعانت بھی فرماتے رہتے تھے۔

جب آپ نے یہ دیکھا کہ اب آپ کی تعلیم ظاہری و باطنی مکمل ہوگئی

ہے اور آپ نے کافی بزرگوں سے فیض حاصل کر لیا ہے تو آپ نے واپسی کا سفر اختیار کیا اور عازم ملتان ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں دور دراز کا سفر قافلوں کی صورت میں ہوا کرتا تھا۔ آپ زاد راہ نہ ہونے کے باوجود یعنی واپسی کا خرچ نہ ہونے کے باوجود کس طرح واپس ملتان تشریف لائے یہ ایک الگ بات ہے۔

جب آپ کا قافلہ ملتان پہنچا تو آپ نے آرام کرنا مناسب خیال نہ کیا اور اسی روز اپنی والدہ صاحبہ سے ملنے کھتوال روانہ ہوگئے۔ آپ کی والدہ صاحبہ اور پورے قصبہ کو معلوم ہوگیا تھا کہ ان کا فرید حصول علم کے بعد واپس آرہا ہے سبھی لوگ وارفتگی کے ساتھ اس نوجوان کی زیارت کے لئے امڈے چلے آرہے تھے۔ جس نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود اپنا ذوق تحصیل علم پورا کیا تھا۔ اس زمانے میں یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ راستے خطرناک تھے اور پورے عالم اسلام پر گویا کہ ایک دہشت کی فضا قائم تھی۔ جن کے عزیز و اقارب دور دراز کے سفر کرتے تھے ان کو اس وقت تک چین نہ آتا تھا جب تک ان کے عزیز واپس وطن آجائے۔

آپ جب اپنے قصبے میں ابھی داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ کو کافی سارے لوگ نظر آئے۔ آپ نے سمجھا کہ شاید کوئی واقعہ پیش آگیا ہے۔ مگر جیسے جیسے آپ قریب پہنچے آپ کو ان سب سے آگے اور ان سب میں ممتاز اپنی والدہ صاحبہ نظر آئیں۔ آپ سمجھ گئے کہ آپ کی آمد کی اطلاع قصبہ میں پہنچ چکی ہے اور یہ سب لوگ آپ کے لئے آئے ہیں۔ آپ دیوانہ وار آگے بڑھے اور اپنی والدہ صاحبہ سے لپٹ گئے۔

دونوں ماں بیٹا دیر تک روتے رہے۔ ایک طویل جدائی کے بعد یہ ملاپ ہوا تھا۔ برسوں سے ایک دوسرے کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ یہ آنسو جو دونوں کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے طویل جدائی کے بعد ملنے کی خوشی میں رواں تھے۔ دونوں کی حالت زار دیکھ کر استقبال کے لئے آنے والے بھی آبدیدہ ہوگئے اور ان کے دلوں پر بھی اس کا گہرا اثر ہوا۔ آپ کے قریبی عزیز اور بہن بھائی

بھی آپ سے مل کر از حد خوش ہوئے۔

مگر ان کو کیا معلوم تھا کہ یہ ہمارا لختِ جگر جس کی آمد کی ہم لوگ خوشیاں منا رہے ہیں فقط چند روز کے لئے ہی ہمارے پاس ٹھہرے گا۔ اس کے بعد یہ ہمارا نوجوان بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ بننے کے لئے ہم سے دور چلا جائے گا۔ ان کی نظر میں تو یہ محض ایک نوجوان تھا جو کہ واقعی دور دراز کا سفر کر کے علم حاصل کر کے لوٹا تھا۔

آپ کے بچپن کے دوست ابھی اس موقع کے انتظار میں تھے کہ آپ ذرا اپنے گھر والوں سے فارغ ہو لیں تو ان سے ان کے سفر کے حالات اور واقعات سنیں گے۔ کیونکہ اس زمانے میں عام طور پر دور دراز کا سفر کوئی کوئی کرتا تھا۔ اس لئے ان لوگوں کے لئے جو کبھی دوسرے ملک نہیں گئے ہوتے تھے یہ واقعات بڑی دلچسپی کے حامل ہوا کرتے تھے۔

مگر اچانک سب لوگ حیران پریشان رہ گئے جب انہوں نے سنا کہ آپ دلی جانے کے لئے تیار ہیں۔ ابھی تو ان لوگوں نے اپنے فرید سے دل بھر کر باتیں بھی نہ کیں تھیں۔ ابھی تو انہوں نے دور دراز کے سفر کے قصے بھی نہ سنے تھے اور آپ نے دلی کا رختِ سفر باندھ لیا تھا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ نے اپنے تمام سفروں اور جن جن بزرگوں سے آپ کی ملاقات سے ہوئی کا مکمل ذکر اپنی والدہ ماجدہ سے کیا۔ آپ کی والدہ صاحبہ سوالات کئے جاتیں اور آپ نہایت سکون سے مکمل تفصیل کے ساتھ اپنی والدہ صاحبہ کو بتلاتے جاتے۔ آپ کی والدہ صاحبہ اپنے لختِ جگر کی کامرانیوں سے بڑی خوش تھیں اور وہ اس بات سے بہت خوش تھیں کہ ان کی دعائیں رنگ لائیں اور ان کا بیٹا ایک رتبہ حاصل کر کے واپس آیا تھا۔ جو کامرانیاں محض پانچ برسوں میں ان کا فرید حاصل کر آیا تھا۔ وہ تو لوگ ساری ساری زندگی کی ریاضت کے بعد بھی حاصل نہ کر پاتے تھے۔

مگر ان کا فرید تو کوئی عام نوجوان نہ تھا۔ اس پر تو قطب الاقطاب حضرت سیدنا و مولانا بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی نظرِ کرم تھی اور آپ کی والدہ صاحبہ کو

بخوبی علم تھا کہ ان کے بیٹے کا یہ سفر بھی اپنے پیرو مرشد کے حکم کے ہی عین مطابق تھا۔ آپ کو دلی اطمنان ہوا۔ آپ بات بات پر اللہ میاں جی کا شکر ادا کر رہی تھیں۔ کہ ان کو ایک ایسا پاکباز بیٹا ادا کیا۔ جس کی تمنا ہر ماں کرتی ہے۔ مگر یہ سعادت ہر کسی کو نہیں ملتی۔ یہ تو حکم ربی ہوا کرتا ہے۔ اللہ پاک یہ سعادت جس کے مقدر میں لکھ دے اسی کو ملتی ہے۔

دلی کو روانگی

اپنے سفر کے حالات سنا کر آپ نے اپنی والدہ صاحبہ سے اب اجازت چاہی کہ ان کو دلی جانے کی اجازت دی جائے تاکہ اپنے پیرو مرشد کی دست بوسی کر لیں اور ان سے فیض حاصل کریں۔ ان کو یہ چیز بے چین کئے دے رہی تھی کہ جلد سے جلد اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوں اور ان کو اپنی مکمل روداد سنائیں۔ جس کو سن کر شیخ لازمی طور پر خوش ہوں گے۔ آپ کی والدہ صاحبہ بھلا آپ کو دلی جانے سے کیوں روکنے لگیں۔ جو ماں اپنے بیٹے کو دور دراز ملکوں میں حصول علم کے لئے بخوشی روانہ کر سکتی تھی وہ بھلا نسبتاً" نزدیک جانے سے کیوں روکتیں۔

آپ کی والدہ صاحبہ نے اپنی دعاؤں کے ساتھ آپ کو دلی جانے کے لئے رخصت کیا اور یہ ارشاد بھی فرمایا کہ

"میرے پیارے بیٹے! میرے خیال میں تو تم ابھی اس مرد حق پرست کی مجلس عالیہ کے قابل نہیں ہو۔ مگر تم نے جس قدر محنت و مشقت کی ہے امید ہے کہ تمہیں وہ ضرور سند قبولیت عطا کریں گے۔ میری دعاؤں کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔ اپنے شیخ کی فرماں برداری کرنا۔ کامیاب رہو گے"۔

اپنی والدہ صاحبہ سے رخصت کی اجازت لے کر آپ کھتوال سے ملتان چلے آئے اور حضرت بہاؤالدین ذکریا سے ملنے ان کی خانقاہ پر آئے۔ صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ راحت قلوب میں تحریر ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

"جب میں ملتان آیا تو برادرم شیخ بہاؤالدین ذکریا رحمتہ اللہ

علیہ سے ملا۔ بعد از مصافحہ انہوں نے دریافت فرمایا کہ
کار خود تاکجا رسائیدہ
ترجمہ : اپنے کام کو کہاں تک پہنچایا ہے۔
میں نے کہا کہ اگر میں یہ کہوں تو یہ کرسی جس پر آپ بیٹھے ہیں ہوا میں کھڑی ہو جائے تو ہو جائے گی۔ میری بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ کرسی ہوا میں معلق ہوگئی۔ برادرم بہاؤالدین ذکریا نے کرسی پر ہاتھ مار کر اس کو نیچے کیا اور کہا کہ مولانا فرید خوب مقام حاصل کیا ہے۔"

اس ملاقات کے بعد آپ دلی کی جانب روانہ ہوگئے۔ دلی پہنچ کر آپ نے بیتابانہ لوگوں سے حضرت و شیخ بختیار کاکی کے آستانہ کا پتہ پوچھنا شروع کر دیا۔ لوگ اس نوجوان کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ یہ نوجوان جو کہ ایک طویل سفر کر کے آیا لگتا ہے ایک بہت بڑے شیخ کا پتہ پوچھ رہا ہے۔

ان لوگوں کو بھلا کیا معلوم تھا کہ یہی نوجوان کچھ ہی عرصہ کے بعد ایک معتبر نام ہوگا اور جس کی اولیائے عظام بھی تعظیم کریں گے۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد آپ کو شیخ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ تک پہنچنا نصیب ہوگیا۔ آپ اس تمام عرصہ میں دل میں یہی سوچتے رہے کہ معلوم نہیں کہ میں نے پیرو مرشد کے حکم کی مکمل تعمیل بھی کی ہے کہ نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے عمل میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔

شیخ کی بے نیازی

جس وقت آپ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے تو آپ دیر تک خانقاہ کے دروازے پر اس انداز میں کھڑے رہے کہ جیسے کوئی دربان کھڑا ہوتا ہے۔ آپ کافی دیر تک اپنے حواس کو درست کرتے رہے پھر ہمت کر کے خانقاہ میں داخل ہوگئے۔

آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک مجمع ہے جو کہ حضرت شیخ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی ایمان افروز باتیں سن رہے تھے۔ آپ اس انداز میں کھڑے ہوئے کہ شیخ کی نظر آپ پر ضرور پڑے۔ ایک شوق و ذوق کا عالم تھا کہ شیخ آپ کو دیکھ کر سند قبولیت عطا کریں اور میری ریاضت اور مجاہدہ و مشاہدات کے بارے میں میری حوصلہ افزائی کریں گے۔

مگر یہ کیا کہ ایک نظر حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ پر ڈالی اور اپنا بیان جاری رکھا۔ آپ کا خیال تھا کہ شیخ بیان روک کر آپ کو اپنے قریب بلوائیں گے۔ گلے سے لگائیں گے اور آپ سے سفر اور دوران حصول تعلیم کے بارے میں باتیں کریں گے لیکن آپ نے تو فقط ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور بیان کو جاری رکھا۔ یہ معلوم ہوا کہ جیسے شیخ نے آپ کو پہچانا ہی نہ ہو۔

کیا شیخ نے مجھے نہیں پہچانا۔ یہ ایک ایسا روح فرسا خیال تھا کہ آپ کو اپنے تمام تر سفر یکے بعد دیگرے یاد آنے شروع ہوگئے۔ ساری ریاضتیں' مشقتیں یاد آنے لگیں اور آپ ایک کونے میں بیٹھ کر شیخ کے کلام سے بے نیاز ہو کر یہ سوچنے لگے کہ ان سے کس جگہ کیا کمی رہ گئی ہے۔

مجھ میں کیا کمی رہ گئی ہے۔ مجھ سے کون سی خطا ہوگئی ہے اور مجھے اب کیا کرنا ہوگا کہ شیخ میری طرف نگاہ کرم فرمائیں۔ کیا میری ساری مشقت و محنت رائیگاں چلی جائے گی۔ کیا مجھے اب ایک مرتبہ پھر محنت کرنا پڑے گا۔ آپ کو بس ایک ہی فکر دامن گیر تھی کہ کس طرح شیخ کو بتلاؤں کہ میں وہی فرید ہوں جس کو آپ نے ابھی کچھ عرصہ مزید علم حاصل کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ حصول علم کے بعد ہمارے پاس دلی چلے آنا۔

اب اپنی طرف سے تو آپ اپنا کام ختم کر آئے تھے اور آپ کے حکم کے عین مطابق ہی دلی آپ کے قدموں میں جگہ لینے کے لئے آئے تھے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا۔ کہ بعد از حصول علم جب آپ شیخ کے پاس حاضر ہوئے تو شیخ نے ان کو پہچانا بھی نہیں اور نہ ہی کسی قسم کا استقبال کیا۔

آپ کی نظروں میں دیار غیر میں عظیم رتبہ بزرگوں کے والہانہ استقبال گھوم کر رہ گئے کہ کس طرح بڑے بڑے بزرگوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک نووارد نوجوان کا استقبال کیا تھا اور ان کو دعاؤں اور فیوض سے نوازا تھا۔ مگر جس کے حکم کی تعمیل میں آپ نے سفر اختیار کئے تھے وہی بیگانہ نظر آتا تھا۔ آپ کو ساری دنیا ہی حقیر نظر آنے لگی۔ اور آپ کے دل و دماغ پر مایوسیوں کے دھند چھانے لگی۔

آپ کو بعد میں معلوم ہوا کہ اس وقت مجلس میں قاضی حمید الدین ناگوری ﷫، مولانا علی کرمانی ﷫، سید نورالدین مبارک ﷫، شیخ نظام الدین ابوالمئوید ﷫، مولانا شمس ترک ﷫، شیخ محمود موئنہ دوز ﷫ اور بڑے بڑے نامور علماء بھی موجود تھے۔

شیخ کی نظر کرم

آپ اپنی سوچوں میں غلطاں تھے۔ آپ کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حضرت بختیار کاکی ﷫ کا درس کس وقت ختم ہوگیا اور لوگ چلے گئے۔ ماسوائے ان چند بزرگوں کے جن کے نام درج بالا سطور پر تحریر کئے ہیں۔ آپ آنکھیں بند کئے ہوئے دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے کہ معاً آپ کے کانوں میں ایک اواز سنائی دی۔

"مولانا فرید! کار خود تمام کردہ بودی آں گاہ بمن آمدی"

ترجمہ : مولانا فرید! اپنا کام پورا کر کے ہمارے پاس آئے ہو۔

یہ الفاظ نہ تھے بلکہ مژدہ جانفزا تھے۔ آپ انہی الفاظ کے لئے ہی تو ابھی منتظر تھے۔ یہ الفاظ سننے کے لئے تو حضرت بابا فرید پہلے ملک سے دور گئے اور برسوں کٹھن مجاہدے کئے اور پھر ملتان سے دلی کا دشوار گزار سفر اختیار کیا۔ یہ الفاظ تو زندگی عطا کرنے والے تھے۔ وہاں پر موجود بزرگ اس نوجوان کی قسمت پر رشک کر رہے تھے جو ابھی کچھ ہی دیر پہلے اپنی قسمت کو بری طرح کوس

رہا تھا۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا ؒ فرماتے ہیں کہ آپ جب بھی یہ واقعہ بیان فرماتے تو اس فقرے پر آکر اپنے ہوش کھو بیٹھتے۔ اور اکثر فرماتے کہ

"مردان حق نے یہی کیا ہے تب کسی مقام تک پہنچے ہیں۔ اس راہ میں صدق دل سے سفر کرو' صدق کے قدم سے چلو اور بغیر آنکھ کے دیکھو ورنہ ہرگز قرب کے مقام کو ترسو گے۔ کبھی پہنچ نہ پاؤ گے۔

تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد حضرت شیخ بختیار کاکی ؒ نے آپ کو ایک مرتبہ پھر بیعت فرمایا۔ یعنی تجدید بیعت فرمائی۔

آپ نے دوران گفتگو عرض کیا کہ یا شیخ اگر آپ مجھے نہ پہچانتے تو میری حیثیت ہی ختم ہو جاتی۔ آپ کی نظر کرم کے لئے ہی تو میں زندہ ہوں۔ ورنہ میں کیا اور حقیقت کیا۔ آپ یہ عرض کئے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

حضرت شیخ بختیار کاکی ؒ نے آپ کو سینے سے لگالیا اور شفقت سے پیار کرنے لگے۔ آپ کی شفقت آمیز گفتگو نے حضرت بابا فرید ؒ کو گویا کہ ایک نئی زندگی عطا کر دی۔ آپ میں ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا۔

تجدید بیعت

روایت ہے کہ حضرت شیخ نے بعد از مختصر گفتگو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ

"رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ سے مذاکرات کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ اسی دوران یہ افواہ گرم ہوئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ جب یہ جاں

گداز خبر مسلمانوں کو ہوئی تو ان کے جذبات بے قابو ہو گئے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حال کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔
آپ نے کفار مکہ کی بدعہدی اور شہادت عثمان ﷛ کا بدلہ
لینے کے لئے تمام موجود صحابہ کرام ﷡ سے بیعت لی۔ یہ
بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی۔ پھر ایک ہاتھ کو حضرت
عثمان کا ہاتھ اور دوسرے ہاتھ کو اس پر رکھ کر بیعت لی۔
اس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔
صوفیائے کرام کے نزدیک تجدید بیعت کی بنیاد وہی بیعت
رضوان ہے۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت شیخ بختیار کاکی ﷫ نے آپ ﷫ دوبارہ
بیعت کیا اور آپ کے سر پر کلاہ چار ترکی رکھی اور بڑی شفقت فرمائی اور ارشاد
فرمایا کہ

"شیخ کو اس قدر قوت ہونی چاہئے کہ جب کوئی شخص بیعت کے
لئے آئے تو قوت نظر سے اس کے سینہ سے زنگار دھو
ڈالے۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں زرہ بھر کدورت باقی
نہ رہے۔ جس کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ تک پہنچا
دے۔"

چونکہ حضرت بابا فرید گنج شکر ﷫ نے دلی میں سکونت اختیار کرنا تھی۔
اس لئے آپ نے حضرت بختیار کاکی ﷫ سے اس سلسلہ میں عرض کیا حضرت شیخ
نے آپ کو شہر کے غربی دروازے کے برج کے نیچے ایک حجرہ بنوا دیا اور یہیں
ان کو رہنے کا کہہ دیا۔ آپ وہاں رہتے اور عبادت میں مصروف بھی رہتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
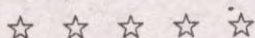
مجاہدات گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

سیر الاولیا میں تحریر ہے کہ خواجہ گنج شکر نے جب حضرت شیخ سے مجاہدہ کی اجازت طلب کی تو حضرت شیخ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ پہلے تم کو چاہئے کہ طے کا روزہ رکھو۔ یہ نہایت مشکل مرحلہ ہوتا ہے اور یہ روزہ بعد از سخت ریاضت کیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ آپ برسوں سخت دشوار گزار مسافرت کے بعد اس قابل ہو چکے تھے کہ شیخ آپ کو اس مشکل امر کا حکم دیتے۔ اسی لئے آپ کو شیخ نے ایک ایسا مجاہدہ بتایا جو کہ عام انسان کے بس کا نہیں ہوتا۔

اس کے لئے مضبوط قوت ارادی اور تزکیہ نفس کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور یہ سب حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ گزشتہ پانچ برسوں میں حاصل کر چکے تھے۔ یہ حکم جو آپ کو دیا گیا تھا ایک طرح سے آپ کے لئے کامیابی کی سند تھی کہ شیخ کی نظر میں آپ اس قابل تھے کہ آپ کو سلسلہ تصوف میں کٹھن مراحل سے گزارا جا سکے۔ یعنی یہ قوت آپ کے اندر پیدا ہو چکی تھی۔ جو حجرہ آپ کو شیخ نے رہنے کے لئے دیا اسی میں آپ کو یہ روزہ رکھنا تھا۔ اور روزہ کی ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ اس کو تین روز کے بعد افطار کیا جاتا ہے اور کسی عام اعصاب کے حامل شخص کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔

وہ حجرہ آپ کے لئے ایک قسم کی چلہ گاہ تھی۔ آپ کو پورے شہر میں

جاننے والا کوئی نہ تھا اس لئے لازمی بات ہے کہ آپ کے لئے مجاہدات اور ریاضات کے لئے وافر مواقع موجود تھے۔ آپ کو جب طے کا روزہ رکھنے کا شیخ نے حکم دیا تو یہ بھی حکم دیا کہ

"اے فرید! طے کا روزہ رکھو۔ تین روز کے بعد جو کچھ غیب سے آجائے اس میں سے افطار کر لینا۔"

آپ نے طے کا روزہ رکھ لیا اور تینوں دن مسلسل عبادت میں مشغول رہے۔ آج تیسرا دن تھا۔ آج آپ نے طے کا روزہ افطار کرنا تھا۔ لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت بختیار کاکی ﷫ کا ایک نوجوان مرید اس حجرہ میں مصروف عبادت ہے اور اس نے طے کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ آج اس کا تیسرا دن ہے۔ ایک شخص بطور عقیدت آپ کو کھانا دے گیا کہ بھائی اس کھانے سے روزہ افطار کر لینا اور میرے لئے دعا کرنا۔

آپ نے اس کھانے سے روزہ افطار کر لیا اور یہ خیال کر لیا کہ یہ غیب سے ان کے لئے آیا ہے۔ مگر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ آپ کے پیٹ میں گڑ بڑ شروع ہو گئی اور آپ کو قے پر قے آنی شروع ہو گئی یہاں تک کہ آپ کے معدہ میں اس غذا کا ایک ذرہ بھی نہ رہ گیا۔ جب تھوڑی سے طبیعت سنبھلی تو آپ پیرو مرشد کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے بتلایا کہ تم نے ایک شرابی کا لایا ہوا کھانا کھا کر روزہ افطار کر لیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وجہ سے وہ حرام کھانا تمہارے معدہ میں نہ ٹھہر سکا۔ اب تم کل پھر روزہ رکھو۔

چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ پھر طے کا روزہ رکھا اور باوجود اس بات کے کہ آپ نے ایک تو تین روز کا روزہ رکھا اور جب کھانا کھا کر افطار کیا تو قدرت الٰہی سے قے ہو گئی اور ساری غذا معدہ سے نکل گئی۔ اب آپ نے مزید تین روز کا روزہ رکھ لیا اور ساری نقاہت کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ ایک مرتبہ پھر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے اور بھوک و پیاس کو بھول گئے۔

اس مرتبہ پھر آپ کو شیخ بختیار کاکی ﷫ کا یہی حکم تھا کہ از غیب سے جو

ملے اسی سے افطار کرنا ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز سے روزہ افطار نہیں کرنا۔ اس مرتبہ بھی تینوں روز عبادت و ریاضت میں گزر گئے مگر از غیب سے کوئی چیز افطاری کے لئے نہیں آئی۔ آپ انتظار کرتے رہے مگر آپ کو کسی قسم کی کوئی چیز آتی دکھائی نہ دی۔ آپ کا جسم کمزوری اور نقاہت کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ تین اور تین دن یعنی مسلسل چھ روز کا روزہ ہو چلا تھا۔ مگر آپ کے معدہ میں غذا یا پانی کسی صورت میں بھی کچھ نہیں پہنچا تھا۔

اب یہ حالت پیدا ہو چکی تھی کہ آپ کے جسم کی قوت برداشت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ چھٹے روز بعد از نماز مغرب آپ نے اسی حجرہ میں اپنے مرشد پاک کی ہدایت کے مطابق خود کو پابند کر رکھا تھا اور غیب سے رزق کا انتظار کر رہے تھے۔ آج کی آدھی رات بھی گزشتہ چھ راتوں کی طرح تھی۔ نہ کوئی آیا نہ گیا۔ آپ میں ایک طرح سے غشی طاری ہو رہی تھی۔ نیم غشی میں آپ فرش پر نیم دراز تھے کہ آپ کا ہاتھ فرش پر موجود مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیلوں پر پڑے۔ آپ نے غیر اختیاری طور پر ان کو اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔

یہ ڈھیلے آپ کے منہ میں جاتے ہی شیریں ہو گئے۔ یوں لگا جیسے آپ نے مٹی کے ڈھیلے نہیں بلکہ شکر کے ڈھیلے منہ میں ڈال لئے ہیں۔ ابھی آپ اس کا ذائقہ محسوس کر ہی رہے تھے کہ آپ کے ذہن میں یہ بات اچانک آئی کہ یہ کہیں شیطان کی چال ہی نہ ہو۔ آپ نے چبائے بغیر ہی ان ڈھیلوں کو فرش پر تھوک دیا اور ایک مرتبہ پھر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد پہلے والی کیفیت عود آئی اور آپ شدید نقاہت سے فرش پر بیٹھ گئے۔

ایک مرتبہ پھر آپ نے فرش سے ڈھیلوں کو اٹھایا اور منہ میں ڈال لیا۔ مگر پہلے کی طرح اسی طرح ڈھیلے شیریں ہو گئے۔ فوری طور پر آپ کے ذہن میں آیا کہ کہیں یہ بھی شیطان کی چال تو نہیں آپ نے ان ڈھیلوں کو جلدی سے فرش پر تھوک دیا اور ایک مرتبہ پھر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ مگر اس مرتبہ آپ میں چونکہ کھڑے ہونے کی سکت نہ تھی اس لئے آپ فقط تسبیح پر ورد کرنے لگے۔ مگر تھوڑی ہی بعد ایک مرتبہ پھر آپ کے حواس نقاہت کی وجہ سے جواب

دینے لگے۔

اس مرتبہ آپ نے ان ڈھیلوں کو تقدیر الٰہی سمجھ کر اٹھایا۔ اس لئے کہ دو مرتبہ تو ان کو منہ میں ڈال کر فرش پر تھوک چکے تھے۔ مگر اس مرتبہ آپ نے اس کو تقدیر الٰہی سمجھ کر منہ میں ڈال لیا۔ اور اس کو تائید ایزدی سمجھ لیا۔ کیونکہ مرشد پاک کا بھی یہی حکم تھا کہ جو بھی غیب سے حاصل ہو وہی کھالیں۔ کیونکہ وہی حلال رزق ہو گا۔ آپ نے ان ڈھیلوں سے افطاری کر لی اور صبر شکر کر کے تھوڑی دیر کے لئے سو گئے۔

لازوال لقب گنج شکر

نماز فجر کی ادائیگی کے بعد آپ پیرو مرشد کے آستانے کی جانب چل پڑے۔ آپ سارے راستے یہی سوچتے گئے کہ جاکر مرشد پاک کو گزشتہ چھ دنوں اور راتوں کی داستان سنائیں گے۔ مگر آپ جب مرشد پاک کے قدموں میں حاضر ہوئے تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی سب کچھ بتلانا شروع کر دیا۔ آپ اپنے مرشد پاک کی قوت روحانی اور عظمت کے دلی طور پر قائل ہو گئے اور آپ گزشتہ چھ روز کی سخت مشقت اور مجاہدے کو ایک نعمت تصور کرنے لگے۔

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی نے آخر میں یہ فرمایا کہ

"اے فرید! تم نے بہت اچھا کیا کہ ان ڈھیلوں سے روزہ افطار کر لیا اور جو کچھ تمہیں غیب سے روزی میسر آئی وہ طیب و پاک تھی۔ اے فرید! تم آج سے بلکہ ابھی سے گنج شکر ہو گئے ہو (یعنی شکر کے خزانوں والے) اور تم ہمیشہ شکر کی طرح شیریں رہو گے۔"

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک ہجوم تھا عقیدت مندوں کا اور سب کو معلوم تھا کہ آپ کا یہ نوجوان مرید ابھی کل ہی تو ملتان سے انتہائی مایوسی کے عالم میں حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں حاضر ہوا تھا اور ایک ہی

طے کے روزے نے اس کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ مرید اس نوجوان کی قسمت پر بجا طور پر فخر کر رہے تھے۔ کہ اس کو کس قدر عظیم الشان خطاب مرشد کامل سے حاصل ہوا۔ سبھی کو معلوم تھا کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کبھی کسی بھی موقع پر جھوٹ اور غلط بات نہیں کرتے تھے۔ سب جان گئے کہ اس نوجوان کا مستقبل بڑا ہی تابناک ہے اور قابل رشک بھی۔

رات کافی بیت چکی تھی آپ کو پیرو مرشد نے حکم دیا کہ "اے فرید! جاؤ اور آج کی رات کچھ دیر سو جاؤ۔ کیونکہ تم کئی راتوں سے سو نہیں پائے ہو۔ اس لئے آج کے بعد چند راتیں تم کو آرام کرنا چاہئے کہ تمہارے جسم کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور یہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہے۔ کچھ دن آرام کر لو پھر تمہیں اور کوئی حکم دیا جائے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت بابا فرید گنج شکر کو جو لقب لاثانی ملا اس کے متعلق چند اور بھی روایات موجود ہیں۔ ایک روایت جو کہ بہت معروف ہے۔ واقعہ کچھ یوں بیان ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک ٹیلے پر تشریف فرما تھے کہ اونٹوں پر ایک قافلہ گزرا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا کہ اس زمانے میں سامان کی آمدورفت اسی طرح ہوا کرتی تھی۔ آپ نے ان کے سالار سے پوچھا کہ بھائی اس میں کیا ہے۔ اس نے دیکھا کہ ایک بزرگ عمر کا شخص ہے اور اس کے ساتھ کافی سارے لوگ بھی ہیں۔ اگر ان کو بتلا دیا کہ اس میں شکر ہے تو ان کو شکر دینا پڑے گی۔

چنانچہ اس نے یونہی کہہ دیا کہ بابا جی اس میں تو نمک ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اچھا نمک ہے تو پھر نمک ہی ہو گا۔ قافلہ گزر گیا۔ لیکن جب اپنی منزل پر پہنچا تو ان کو معلوم ہوا کہ ساری کی ساری شکر نمک میں تبدیل ہو چکی ہے۔ ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ انہی بزرگ کی کرامت ہے جو راستہ میں ملے تھے اور جن سے انہوں نے جھوٹ بول کر جان چھڑوائی تھی۔

وہ سب لوگ اور خاص طور پر ان کا سردار جو کہ اصل میں تاجر تھا از حد نادم ہوا۔ لوگوں نے اس کو مجبور کیا کہ انہی بزرگ کے پاس چلتے ہیں۔ جن

سے جھوٹ بولا تھا۔ اب وہی اس کو واپس اصلی حالت میں لا سکتے ہیں۔ مگر وہ تاجر کس طرح آپ کے پاس آتا۔ وہ تو ہندو تھا۔ پھر ایک مسلم بزرگ کے پاس کس طرح آسکتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان فاتحین کی حیثیت سے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے اور لازمی بات ہے کہ ہندو قوم ان کو پسندیدگی کی نظر سے تو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ان کے دلوں میں اہل اسلام کے لئے شدید ترین نفرت موجود تھی۔ اسی نفرت کی وجہ سے وہ تاجر آپ کے پاس آنے سے کترا رہا تھا۔

مگر چونکہ بنیا تھا اور اپنا ڈھیر سارا نقصان بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس کو مجبوراً" آپ کے پاس آنا ہی پڑا۔ شدید ترین نفرت اور غصے کے باوجود وہ آپ کے پاس جانے سے بھی گھبرا رہا تھا کہ مبادا حضرت بابا فرید اس کو بھی نقصان نہ پہنچا دیں۔ لیکن جب وہ باباصاحب کے پاس پہنچا تو آپ نے اس کو بڑی شفقت سے اپنے قریب بٹھایا اور اس کی آمد کا مقصد دریافت فرمایا۔ اس نے بتایا کہ جناب آج صبح آپ کے قریب سے ہم اونٹوں پر گزرے تھے۔ آپ نے دریافت کیا تھا کہ اس میں کیا ہے۔ تو ہم نے بالکل جھوٹ بول دیا تھا کہ اس میں نمک ہے۔

مگر جناب عالی! اس میں تو شکر تھی اور ہم نے محض اس لئے کہہ دیا تھا کہ کہیں آپ کو شکر نہ دینی پڑے۔ جناب عالی! ہم نے محض جھوٹ بولا تھا مگر وہ تو سچ مچ نمک میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں معاف کر دیں اور اس شکر کو دوبارہ اصلی حالت میں واپس لے آئیں۔

آپ مسکرائے اور اس کو کہا کہ بھائی ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ جو تم نے کہا تھا ہم نے تو اسی کو سچ مان لیا تھا اور یہ کہہ دیا تھا کہ جو تم کہہ رہے ہو وہی ہو گا۔ ہم نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ شکر نمک بن جائے۔ اچھا اب تم کیا کہہ رہے ہو۔ وہ بولا کہ جناب اس میں تو شکر تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا چلو شکر ہی ہو گی۔

وہ تاجر بھاگم بھاگ اپنے گودام میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ سارا نمک شکر میں تبدیل ہو چکی ہے یعنی اصلی حالت میں واپس آگئی تھی۔ اس تاجر نے

اپنے ملازموں سے کہا کہ چلو جلدی سے اس شکر کو اس مسلم بزرگ کے پاس لے چلو۔ وہ ساری شکر اونٹوں پر لادھ کر حضرت بابا فرید کے پاس لے آیا اور آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دی۔ آپ نے اسی کو واپس کر کے اس کو واپس جانے کا فرمایا۔ مگر اس کی تو تقدیر ہی بدل چکی تھی۔ اس نے اسی وقت آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور اپنے باطل مذہب سے تائب ہو گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک اور روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو شکر کی ضرورت پیش آئی۔ مگر باوجود پوری کوشش کے کسی نے بھی آپ کو شکر نہ دی۔ کیونکہ اس زمانے میں اجودھن میں ہندوؤں کی غالب اکثریت تھی اور وہ آپ کی کرامات دیکھنے کے باوجود بھی آپ کو شکر دینے سے گریزاں تھے۔ آپ نے انتہائی مجبوری کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے شکر کی درخواست کی۔ آن کی آن میں شکر کی بارش ہونے لگی اور اجودھن کی گلیاں و بازار شکر سے بھر گئے اور لوگوں نے آکر آپ سے معذرت کی۔ جس کے بعد آپ نے شکر کی بارش روکنے کی دعا کی۔ تب بارش رکی۔

ایک اور روایت بھی بہت معروف ہے کہ جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کم سن تھے۔ تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے مصلے کے نیچے شکر رکھ دیا کرتیں تھیں۔ آپ مکتب سے گھر آتے نماز سے فراغت کے بعد آپ مصلے کا گوشہ اٹھاتے اور شکر اٹھا کر کھا لیتے۔ یونہی کافی مدت تک آپ عمل کرتے رہے۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے لئے شکر مصلے کے نیچے رکھتیں رہیں۔ آپ کو یقین کامل تھا کہ یہ شکر اللہ میاں آپ کے مصلے کے نیچے رکھتے ہیں۔

لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ آپ کی والدہ صاحبہ کو کسی کام کے سلسلہ میں گھر سے باہر جانا پڑا۔ کام کچھ اس نوعیت کا تھا کہ آپ کی والدہ صاحبہ نماز کے موقع پر گھر نہ پہنچ سکیں اور کام میں مصروف رہیں۔ اس دوران آپ گھر تشریف لائے اور حسب معمول وضو کر کے نماز پڑھی نماز کی ادائیگی کے بعد آپ نے مصلے کا گوشہ اٹھایا اور شکر نکال کر کھالی۔ کام سے فارغ ہو کر جب آپ کی والدہ صاحبہ

گھر واپس آئیں تو سارے راستے یہی سوچتی آئیں کہ نجانے مسعود پر کیا بیتی ہوگی۔ جب اس کو مصلے کے نیچے سے شکر نہ ملی ہوگی۔

آپ دھڑکتے دل کے ساتھ گھر میں داخل ہوئیں۔ مگر آپ کو کتابیں درست کرتا ہوا پایا۔ آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کو پیار کیا اور مکتب کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔ پھر آپ سے انہوں نے پوچھا کہ بیٹا مسعود آج تم نے شکر کھائی کہ نہیں۔ آپ نے عرض کیا۔ جی ہاں امی جان آج بھی میں نے شکر کھائی ہے بلکہ آج تو پہلے سے زیادہ شکر تھی۔ والدہ سجدہ شکر میں گر گئیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگیں۔

اس کے بعد یہی معمول بن گیا کہ آپ نماز پڑھتے اور مصلے کے نیچے سے شکر نکال کر کھا لیتے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی وجہ سے بھی آپ کو گنج شکر کہا جاتا ہے۔ واللہ عالم الغیب۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سیر العارفین تحریر ہے کہ ایک روز حضرت بابا فرید گنج شکر حضرت خواجہ کی طرف جا رہے تھے۔ ریاضت کی وجہ سے اس قدر کمزور تھے کہ چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور آپ گر گئے گرنے سے جو مٹی آپ کے منہ میں لگی تو وہ قدرت الٰہی سے شکر بن گئی۔ صاحب اخبار الاخیار تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک سوداگر شکر کے کئی اونٹ لاد کر لیجا رہا تھا آپ نے اس سے شکر طلب کی۔ اس نے جواب دیا کہ یہ نمک ہے آپ نے فرمایا کہ نمک ہوگا۔ سوداگر نے مال نکال تو سارا نمک شکر بن چکی تھی۔ یہ روایت آپ گزشتہ سطور میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

بہرحال وجہ کچھ بھی ہو اور واقعہ کچھ بھی ہو آپ انہی واقعات یا پھر کسی ایک واقعہ کی وجہ سے گنج شکر مشہور ہو گئے اور پھر یہ دونوں الفاظ آپ کے نام کا مستقل حصہ بن گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

صاحب سیر الاولیا فرماتے ہیں کہ "اس کے بعد (یعنی چلے کے روزے کے بعد) حضرت نے ایک مرتبہ پھر شیخ سے رجوع کیا اور مزید مجاہدہ کی خاطر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر فرمان ہو تو ایک چلہ کرلوں۔ یہ بات حضرت خواجہ پر گراں گزری۔ حضرت خواجہ نے آپ کو بڑے پیارے سے سمجھایا کہ میرے بیٹے ابھی اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ان افعال کی وجہ سے بندے کی شہرت ہو جاتی ہے۔"

میرے خیال میں حضرت خواجہ کا خیال ہو گا کہ اس طرح نو عمری میں یہ نوجوان کہیں حد سے زیادہ شہرت حاصل کر کے بے راہرو نہ ہو جائے۔ کیونکہ شہرت اور دولت ہی بندے کو غلط راہ پر ڈالتی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنے ہونہار مرید کو سمجھایا۔ ایک ایسے نوجوان مرید کو جس نے محض ایک ہفتہ عشرہ میں ہی دلی شہر میں اپنے مجاہدے کی دھاک بٹھا دی تھی اور دور و نزدیک سے لوگ اس کو دیکھنے کے لئے چلے آتے تھے اور جب آکر دیکھتے تو ایک نوجوان سامنے بیٹھا یا عبادت میں مصروف نظر آتا ہے۔

حضرت خواجہ کی نگاہ حق شناس سے بھلا یہ باتیں کیسے چھپ سکتی تھیں۔ آپ نے گاہے بگاہے آپ کو نصیحت کرنا شروع کر دی۔ جس میں سرفہرست یہی بات ہوتی تھی کہ بیٹا شہرت سے ہمیشہ بچو۔ ورنہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔

حضرت بابا فرید نے بڑے ادب و انکساری سے عرض کیا کہ "یا شیخ! مجھے شہرت سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تو فقط آپ کو خوش کرنے اور آپ کو مطمئن کرنے کے لئے یہ کہہ رہا تھا۔"

حضرت بابا فرید گنج شکر فرماتے ہیں کہ مجھے ساری زندگی اس بات کا قلق رہا میں نے ایسی بات کیوں کہہ دی جو حضرت شیخ کی طبع پر ناگوار ہوئی۔

لیکن حضرت خواجہ کو احساس ہوا کہ یہ نوجوان یقیناً بلند ارادے رکھتا ہے۔ آپ کو حضرت خواجہ نے چلہ معکوس کا حکم دیا۔ آپ گم صم کھڑے حضرت شیخ کا چہرہ مبارک دیکھ رہے تھے کہ شیخ نے کیا حکم دے دیا ہے۔ آپ نے

عرض کیا کہ یا شیخ یہ چلہ معکوس کیا ہوتا ہے۔ میں تو اس سے لاعلم ہوں۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا کہ ایسی مسجد تلاش کرو۔ جس مسجد کے سامنے یا بالکل قریب کنواں ہو۔ اور کنویں کے کنارے ایک درخت ہو۔ نیز اس مسجد میں ایک ایسا موذن ہو جو مقدین ہو اور درویشوں کی صحبت کے لائق ہو۔ اور ان کے اسرار سے واقف ہو۔ اپنے پاؤں ایک رسی کی مدد سے درخت سے باندھ کر چالیس روز تک کنویں میں سر کے بل ہو کر مشغول بہ حق ہو جاؤ۔

ترکیب ذہن نشین کر کے آپ ان خصوصیات کی حامل مسجد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ دلی کے اندر اور گردونواح میں آپ کو ایسی کوئی مسجد نظر نہ آئی۔ آپ سارا سارا دن ایسی مسجد کی تلاش میں گھومتے رہتے مگر ایسی مسجد کا پتہ نہ چلا۔

دلی کے بعد آپ ہانسی چلے گئے جو ایک معروف قصبہ تھا۔ مگر وہاں بھی آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ کہیں مسجد تو ایسی مل جاتی جس میں کنواں ہوتا مگر درخت نہ ہوتا اور اگر کنواں اور درخت دونوں موجود ہوتے تو پھر موذن شرائط پر پورا نہ اترتا۔ آپ آخر کار ہانسی سے بھی چل دیئے۔

اس کے بعد آپ شہر' شہر' گاؤں' گاؤں گھومتے ہوئے آخر احمد پور شرقیہ' بہاولپور یعنی اوچ شریف پہنچ گئے۔ وہاں آپ کو تمام چیزیں یکجا حاصل ہوئیں۔ وہاں پر خواجہ رشید الدین مینائی ساکن ہانسی اس مسجد میں موذن کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ خواجہ رشید الدین مینائی آپ کے مرتبہ سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ کس بلند مرتبہ شخصیت کے ہونہار مرید ہیں۔

حضرت بابا فرید نے خواجہ رشید مینائی کو اپنا ہم راز بنالیا اور وعدہ لیا کہ اس سارے عرصہ میں اس راز کو راز ہی رہنے دیا جائے گا۔

معمول یہ تھا کہ خواجہ رشید مینائی بعد از نماز عشاء مضبوط رسی لے آتے اور آپ کے پاؤں باندھ کر کنویں میں لٹکا دیتے تھے۔ رات بھر حضرت بابا فرید ریاضت میں مصروف رہتے اور فجر کی اذان سے قبل وہ آکر آپ کو کنویں سے

نکال دیتے۔ پھر سارا دن حضرت بابا صاحب اسی مسجد میں مراقبہ میں گزارتے۔ ایسی حالت میں رہتے کہ کسی بھی شخص کو آپ کے ساتھ کلام کرنے کی جرات ہی نہ ہوئی۔ لوگ آتے اور ایک نوجوان کو مراقبہ میں گم دیکھ کر واپس چلے جاتے۔

چالیس روز گزرنے کے بعد آپ کا چلہ ختم ہوگیا اور یہی حکم تھا پیرو مرشد کا۔ آپ بیحد خوش تھے کہ پیرو مرشد کا حکم پورا ہوگیا تھا اور آپ نے جو اجازت مانگی تھی تو اس کو کامل ایمان سے پورا بھی کیا تھا اور اس چلے کی ذرہ برابر بھی شہرت نہیں ہوئی۔ صرف موذن خواجہ رشید الدین مینائی ہی آپ کے اس چلے سے واقف تھے۔

اس کے بعد آپ خوشی خوشی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ﷫ کے حضور حاضر ہوئے اور ان کے چہرے پر پھیلی ہوئی طمانیت دیکھ کر ازحد خوش ہوئے۔ آپ کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے آپ کو اپنی محنت کا صلہ مل گیا ہو۔

چلہ معکوس چونکہ آپ نے دلی سے بہت ہی دور مکمل کیا تھا چنانچہ اس کے فورا" بعد آپ حضرت خواجہ کی خدمت گزاری میں لگ گئے۔ مگر حضرت خواجہ ایک کے بعد دوسرا چلہ کرنے کا حکم صادر فرمادیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کے شب و روز گزر رہے تھے کہ ایک چلہ ختم ہوا تو دوسرا شروع ہوگیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فیض خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بابا فرید گنج شکر اپنے پیر و مرشد کے حکم پر عبادات اور ریاضات میں ہمہ تن مصروف تھے۔ یقینی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سوائے تعمیل احکام مرشد کے وہ ہر دنیاوی بات سے لاتعلق تھے۔ یہ اس لئے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسی زمانے میں جبکہ آپ چلہ کشی میں مصروف تھے تو خواجہ خواجگان معین الدین چشتی دلی تشریف لائے۔ چونکہ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ شہر کے ایک دروازے کے برج کے قریب واقع حجرہ میں قیام پذیر تھے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ان کو بھی دیگر اہل شہر کی طرح خواجہ صاحب کی آمد کی اطلاع مل چکی ہوئی۔

کیونکہ جس وقت خواجہ اجمیری دلی تشریف لائے تو پورا شہر آپ کی زیارت اور دست بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ کیا امیر کیا غریب۔ سبھی اس ولی کامل کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اپنے سب کام کاج چھوڑ کر دوڑے چلے آ رہے تھے۔

اور وہاں! ان زیارت کرنے والوں میں حاکم وقت سلطان شمس الدین التمش بھی ایک عام آدمی کی طرح حاضر ہوا اور زیارت کی سعادت حاصل کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ بادشاہ گر ہیں۔ ان کو کسی قسم کے اقتدار سے مرعوب نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اس نے یہی مناسب خیال کیا کہ اس ولی برحق کی عام آدمی کی طرح زیارت کی جائے۔

عام لوگوں کا زور جب ختم ہوا تو خواجہ خواجگان نے اپنے خلیفہ اکبر

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ﷫ سے کہا کہ "اے قطب! تمہارے خطوط میں تمہارے ایک مرید فرید کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ تم نے اپنے تمام مریدوں سے ہمیں ملوا دیا مگر اس سے نہیں ملوایا"

خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ "جی نہیں! وہ آپ کی آمد سے بے خبر چلہ کشی میں منہمک ہے۔ اس لئے دست بوسی کے لئے حاضر نہیں ہو سکا۔ اگر حکم ہو تو اس کو بلوا لیا جائے۔"

خواجہ خواجگان بذریعہ کشف حضرت بابا صاحب کے حالات کا جائزہ لیتے رہے اور کچھ دیر کے بعد یوں ارشاد فرمایا کہ

"اگر وہ یہاں نہیں آسکا۔ تو ہمیں اس کے پاس چلنے میں کوئی اعتراض نہیں۔ چلو ہم خود اس کے پاس چلیں۔"

اللہ اللہ! یہ ہے سعادت اکبر کہ سلطان الہند' خواجہ خواجگان فیض یاب کرنے کے لئے ایک زیر تربیت مرید کے حجرہ میں خود تشریف لے جا رہے ہیں اس بات سے کسی بھی شاگرد کی اعلیٰ کارکردگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا استاد تو استاد اس کے استاد کا بھی استاد اس کو فیض یاب کرنے کے لئے اس کے حجرہ میں از خود تشریف لا رہے تھے۔

لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ دونوں بزرگان حضرت بابا صاحب کے حجرہ میں جا رہے ہیں تو دیگر احباب بھی ساتھ ہو لئے۔ عام لوگوں کا خیال تو یہ ہوگا کہ جیسے ہی شیخین حجرہ کے قریب پہنچیں گے بابا فرید بذات خود باہر آکر بزرگوں کا استقبال کریں گے۔ مگر سب لوگوں نے دیکھا کہ حضرت بابا فرید اپنے حجرہ سے باہر تشریف نہیں لائے۔

جس وقت یہ بزرگان حجرہ کے اندر داخل ہوئے تو حضرت بابا فرید گنج شکر ﷫ نے ان کی تعظیم میں کھڑا ہونا چاہا مگر کافی دنوں سے ایک ہی طرح بیٹھے رہنے کی وجہ سے آپ ایک دم کھڑے نہ ہو پائے۔ اس کے علاوہ کمزوری و نقاہت بھی تھی۔ کیونکہ مسلسل چلہ کشی کی وجہ سے جسم کمزور سے کمزور ہوتا چلا گیا تھا۔ چلہ کشی کے دوران غذا کم سے کم کھانا ہوتی ہے اور زیادہ تر دھیان وظائف پر رکھنا پڑتا

ہے۔ اس کے علاوہ نیند بھی پوری نہیں ہو پاتی اور نیند کو دور رکھنے کے لئے ہی تو کم سے کم کھانا کھایا جاتا ہے۔

جسمانی نقاہت کے باوجود آپ کی قوت ایمانی بے حد مضبوط تھی۔ آنکھوں کی چمک دیکھ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ آپ کس قدر قوت ایمانی رکھتے ہیں۔ آپ نے جب دو تین بار متواتر کھڑے ہونے کی کوشش کی اور کھڑے نہ ہو سکے تو حضرت قطب صاحب نے فرمایا کہ

"اے فرید! دیکھو تو تمہیں ملنے کے لئے کون آیا ہے۔ میرے پیرو مرشد خود تمہیں شرف ملاقات بخشنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔"

اس وقت تک یہ دونوں بزرگ اور ان کے عقیدت مند حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ لیکن عقیدت مند اپنے عظیم المرتبت بزرگوں سے کچھ فاصلہ پر تھے کیونکہ یہی مقام ادب ہوتا ہے۔ آپ کی جسمانی کیفیت دیکھ کر اور قوت ایمانی کا اندازہ کر کے حضرت معین الدین چشتی نے حضرت خواجہ قطب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔

"بابا قطب الدین شاہبازے عظیم در دام آورد کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد"

"پیارے قطب الدین! تم نے ایک ایسے بڑے شہباز کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے جس کا آشیانہ سدرۃ المنتہیٰ کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔"

یہ بڑے فخریہ کلمات تھے یہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ جو نوجوان اس وقت کمزوری کا نقاہت کا شکار ہے وہ اصل میں بہت زیادہ قوت و تصرف کا مالک ہے۔ بڑے بڑے بزرگوں کا یہی قاعدہ رہا ہے کہ بے حد مختصر گفتگو میں اپنا سارا مافی الضمیر بیان کر دیتے تھے اور ان کو سمجھ بھی عقل والے ہی سکتے تھے۔ عام لوگ ان کی باتوں کو مدتوں بعد سمجھ پاتے تھے۔ آپ کی کمزوری کو دیکھ کر حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ملول خاطر ہوگئے اور اپنے خلیفہ اکبر کو فرمایا

"بابا بختیار! این جوان راچند در مجاہدہ خواہی سوخت چیزے بخشش کنید۔"

ترجمہ : پیارے بختیار اس جوان کو کب تک مجاہدے میں جلاؤ گے اس کو کچھ بخش دو۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ یا پیرو مرشد

" مراچہ مجال کہ در نظر آں حضرت عطائے توانم کرد"

ترجمہ : میری کیا مجال ہے کہ اس کو آپ کی موجودگی میں کچھ دوں۔

(آپ نے کئی مرتبہ بڑھا ہے کہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت قطب صاحب کو بابا کہہ کر پکارتے تھے۔ فقیر کے خیال میں یہ لفظ پیار سے ادا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ پیارے سے بیٹا یا بچہ یا بابا بھی کہہ دیا جاتا ہے)

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے کمال سعادت مندی اور دروااندیشی کا مظاہرہ کیا۔ کیونکہ ایک شاگرد یا مرید خواہ کسی مقام پر پہنچ جائے اس کو کبھی بھی اپنا مقام استاد یا مرشد سے افضل خیال نہیں کرنا چاہئے اور یہی طرز عمل حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا کہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں خود کو حقیر خیال فرما رہے ہیں۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ اکبر کے جذبات اور فرماں برادری کی قدر افزائی فرمائی اور یوں گویا ہوئے کہ

"اچھا تو پھر یوں کرتے ہیں کہ ہم اور تم مل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں کہ ہمارے اس فرزند کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔"

اتنا فرمانے کے بعد دونوں بزرگوں نے آگے بڑھ کر آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ یعنی ایک بازو کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بازو کو حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے پکڑ کر اٹھایا۔ اس بات سے آپ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ کو کس قدر جسمانی کمزوری اور نقاہت

محسوس ہو رہی ہو گی کہ دو عظیم رتبہ شخصیات آپ کے سامنے ہیں اور آپ کھڑے ہو کر ان کا استقبال بھی نہیں کر سکتے۔ ایسی شخصیت بھی جن کی زیارت کو حاکم وقت بھی اپنے اور اپنے اقتدار کے لئے سعادت خیال کرے اور ایسی شخصیات جس کی خوشی حاصل کرنے کی خاطر حضرت بابا فرید شب و روز ریاضت میں مصروف رہتے تھے کہ کسی طرح آپ کے شیخ خوش ہو جائیں۔

دونوں بزرگ بارگاہ الٰہی میں آپ کے لئے دعا فرما رہے تھے اور آپ کی جسمانی کمزوری ختم ہوتی جا رہی تھی۔ کافی طویل دعا حضرت خواجہ خواجگان نے فرمائی جبکہ خواجہ قطب اور تمام حاضرین آمین کہتے جا رہے تھے۔ اس دعا کے بعد دونوں بزرگوں نے آپ کو نعمت اور فیض عطا فرمائی۔ اسی موقع پر خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ

"فرید شمع است خانوادۂ درویشاں روشن خواہد کرد"

ترجمہ : فرید ایک ایسی شمع ہے جس سے درویشوں کا سارا خاندان روشن ہو گا۔

اور یقینی طور پر اس بات میں کوئی شک نہ رہا۔ کیونکہ آپ کے خلفا اور مریدین نے دین کی تبلیغ کو اپنا نصیب العین بنا لیا تھا اور اس نصیب العین کے تحت تمام زندگی گزار دی تھی۔ اس دعا کے بعد حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے سینے سے لگایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کے سینے سے لگتے ہی آپ کو اپنا پورا جسم ہی شدید تپش کی لپیٹ میں آتا ہوا محسوس ہوا۔ مگر کچھ ہی دیر کے بعد تبدریج یہی تپش خوشگوار ٹھنڈک میں تبدیل ہوتی چلی گئی اور آپ کی آنکھوں سے کئی حجابات بے نقاب ہو گئے۔ معرفت کے کئی اسرار روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے۔

آپ کے دل کو جو سکون طویل مسافرت، سخت مجاہدے اور ریاضت سے بھی نہ مل سکا تھا وہ حضرت خواجہ خواجگان کی ایک نظر کرم سے حاصل ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت گنج شکر قدس سرہ فوائد السالکین میں فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ خواجہ قطب الاسلام کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا۔ قاضی حمید الدین ناگوری ؒ' مولانا علاؤالدین کرمانی ؒ' سید نور الدین مبارک ؒ' شیخ شرف الدین ؒ' شیخ محمود مونیہ دوز ؒ اور مولانا فقیہ خداداد ؒ کہ جن کو نظر کے سامنے عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کوئی حجاب نہ تھا۔ مجلس میں حاضر تھے۔

حج کے متعلق بات ہو رہی تھی۔ خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اپنے خراب آباد میں ہوتے ہیں اور خانہ کعبہ کو حکم ہوتا ہے کہ وہاں جاکر ان کا طواف کرے۔ جب عزیزوں نے یہ بات سنی تو کھڑے ہو گئے اور عالم تحیر میں مستغرق ہو گئے۔

چنانچہ انہیں اپنی خبر بھی نہ رہی۔ یہ دعاگو بھی عالم شوق میں مستغرق ہو گیا۔ حضرت خواجہ اور ہم سب نے ہاتھ اوپر اٹھائے جیسا کہ خانہ کعبہ کے طواف کے وقت اٹھائے جاتے ہیں اور تکبیر کہی جاتی ہے۔ اس وقت ہم سب ہوش میں آ گئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ کعبہ ہمارے سامنے ہے۔

پس ہم سب نے تمام شرائط کے ساتھ طواف کیا۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے عزیزان! ہم نے تمہارا حج اور نماز قبول کیا۔ اس کے بعد ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اب میں نے اپنا منہ زمین پر رکھ کر ہانسی جانے کی اجازت طلب کی۔ یہ دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ بابا فرید جانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جس طرح فرمان ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ۔ تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ خواجہ بزرگ کے وصال کے وقت میں حاضر نہ تھا۔ تم بھی میرے آخری سفر

کے وقت موجود نہ ہوگئے۔ اس وقت آپ نے تمام دوستوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کی (خواجہ گنج شکر کی) مزید نعمت کے لئے فاتحہ اخلاص پڑھو سب نے تعمیل کی۔

اس کے بعد مصلیٰ اور عصا اس دعاگو کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ دوگانہ ادا کرو۔ میں نے تعمیل کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیری امانت یعنی سجادہ، خرقہ، دستار اور کھڑاویں قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دوں گا کہ میرے انتقال کے چوتھے یا پانچویں دن تمہیں دے دیں گے۔

تم ان کا احترام کرنا۔ پھر فرمایا کہ "مقام ما، مقام تست" ترجمہ : ہمارا مقام تمہارا مقام ہے۔ جب حضرت نے یہ فرمایا تو مجلس سے آہ و نعرہ بلند ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مرید کو چاہئے کہ پیر کی نسبت پر چلے اور ذرہ بھر تجاوز نہ کرے تاکہ کل (قیامت کے دن) ان سے شرمندہ نہ ہو۔ اس کے بعد اس دعاگو کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرید تو میرا اس دنیا میں اور آخرت میں میرا دوست دار ہے۔ لیکن غافل نہ رہنا۔ کیونکہ اہل سلوک فرماتے ہیں کہ راہ طریقت بہت پر خطر راستہ ہے۔

اور مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ اس کوچے میں قدم رکھنے والے جب تک دست بلا سے دروازہ نہیں کوٹتے نہیں کھلتا اور جب تک زبان ندامت اور غم سے طلب نہیں کرتے مقصود حاصل نہیں کرتے اور جب تک دل کے قدم سے نہیں چلتے منزل گاہ عزت نہیں پہنچتے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے 30 برس تک ہر قسم کی زبان استعمال کی لیکن کچھ نہیں ملا۔ ہر قسم کے ہاتھوں سے دروازہ کھٹکٹایا مگر نہ کھلا اور ہر قسم کے قدموں سے چلا مگر منزل گاہ عزت

تک رسائی نہ ہوئی۔ جب بلا کے ہاتھ سے دروازہ کھٹکٹایا
اور زبان اندوہ سے التجا کی تو منزل مقصود تک پہنچ گیا۔
جب خواجہ نے فوائد ختم کئے تو سب عزیزوں
نے منہ زمین پر رکھے اور رخصت ہو گئے۔ جب میری باری
آئی تو آپ نے میرا سر گود میں لے کر فرمایا کہ
ہذا فراق بینی وبینک
ترجمہ : یہ وقت ہے تمہارے اور میرے درمیان جدائی
کا۔
فرمایا جاؤ۔ تمہیں اللہ کے سپرد کیا اور منزل پر پہنچا
دیا۔ پس دعاگو نے اجازت لی اپنا منہ زمین رکھا اور ہانسی کی
طرف روانہ ہو گیا۔"

سیر الاولیا میں ہے کہ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب خواجہ الاسلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو حضرت خواجہ گنج شکر ﷫ اس وقت ہانسی میں تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوری ﷫ کے دل میں یہ خیال آیا کہ خرقہ اور سجادہ مجھے عطا فرمائیں گے۔ یہی خیال شیخ بدر الدین غزنوی کے دل میں بھی گزرا۔

خواجہ قطب ﷫ نے فوراً" فرمایا کہ میرا یہ خرقہ' عصا اور کھڑاویں' فرید الدین مسعود ﷫ کے حوالے کرنا۔ کیونکہ وہ میرا خلیفہ اور جانشین ہے۔ پس یہ امانت قاضی حمید الدین ناگوری کے سپرد کر کے جان بحق تسلیم کر دی۔

اس رات حضرت گنج شکر ﷫ پر ہانسی میں یہ بات بذریعہ کشف معلوم ہو گئی۔ فجر کی نماز کی ادائیگی کے فوراً" بعد ہی آپ دلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ خواجہ قطب کے وصال کے چوتھے دن آپ کے مرقد مبارک پر حضرت گنج شکر ﷫ نے حاضری دی۔ اس کے بعد قاضی حمید الدین ناگوری ﷫ نے وہ امانت لا کر آپ کے سپرد کر دی۔ آپ نے اس سرمایہ دو جہاں کو نہایت تعظیم کے ساتھ لیا اور خرقہ پہن کر حضرت قطب کی سند پر بیٹھ گئے اور ساری خلقت نے آپ کی طرف رجوع کیا۔

دلی میں قیام کا ابھی فقط چوتھا روز تھا کہ آپ کو اثنائے راہ ایک مجذوب سرہنگا ملا۔ وہ اس طرح کہ جمعہ کی نماز کے لئے حضرت بابا صاحب گھر سے باہر جونہی نکلے تو مجذوب سرہنگا آپ کے پیروں کے ساتھ لپٹ گا۔ آپ نے جلدی سے اس کو کھڑا کیا اور فرمایا کہ بھائی کہو کیا بات ہے۔ اس نے بتلایا کہ ہانسی میں تو روزانہ آپ کی زیارت ہو جاتی تھی۔ مگر آج میں تین دن سے دلی میں ہوں مگر زیارت سے محروم ہوں۔

مجذوب کی بیقراری اور شدید محبت و پیار نے آپ کو دلی سے ہانسی جانے پر آمادہ کر دیا اور آپ نے اپنے تمام عقیدت مندوں سے کہا کہ میں اب ہانسی جارہا ہوں۔ عقیدت مندوں نے پس و پیش سے کام لیا اور کہا کہ جو حکام آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عنایت فرمایا ہے۔ وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ دلی چھوڑ کر کہیں نہ جائیں کیونکہ آپ کو حضرت خواجہ نے فرمایا تھا کہ

"مقام ما، مقام تست"

ترجمہ : میرا مقام تیرا مقام ہے۔

مگر یہ سب باتیں حضرت بابا صاحب کو ہانسی جانے کے ارادے کو متزلزل نہ کر سکیں۔ حالانکہ دلی میں ایک مرتبہ پھر وہی پہلے والی کیفیت پیدا ہو چکی تھی کہ لوگ دیوانہ وار آپ کی طرف دوڑے چلے آتے تھے اور آپ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ لوگوں نے بیتابی سے آپ کو مجبور بھی کیا کہ دلی میں رہ جائیں مگر آپ کو ہانسی میں اپنے مریدین کی بھی یاد شدت سے آئی کہ اسی طرح وہ لوگ بھی تو بیقرار ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ جو نعمت مجھے حضرت خواجہ نے عطا کی ہے وہ شہر کوئی سا بھی اور شہر ہو کہ بیاباں ہمیشہ میرے ساتھ ہے۔ پس آپ دلی سے ہانس تشریف لے گئے۔

ایک روایت کے مطابق آپ بعد از خلافت دلی میں دس برس تک مقیم رہے اور بارہ برس ہانسی میں قیام پذیر رہے۔ ہانسی میں شیخ جمال الدین ہانسوی آپ کے حق پرست پر بیعت ہوئے اور بڑی شہرت حاصل کی۔

دلی کا ایک واقعہ آپ یوں بیان فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت نورالدین غزنوی سہروردی دلی کے قاضی تھے اور انہیں شیخ الاسلام کا عہدہ حاصل تھا۔ سلطان شمس الدین بھی حضرت نور الدین غزنوی کا معتقد تھا۔ خود نورالدین غزنوی کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات سلطان کو بھی کھری کھری سنادیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک دن حضرت نورالدین غزنوی اور سلطان العارفین حضرت شیخ شاہی بدایونی میں اختلاف رائے ہو گا۔

اب صورتحال اس حد تک خراب ہوگئی کہ دونوں بزرگوں میں بات چیت بھی بند ہوگئی۔ دلی میں موجود صوفیائے کرام اور معززین شہراس صورتحال کو جانتے تھے مگر ان کی کوششوں سے بھی ان بزرگوں میں مصالحت پیدا نہ ہوئی۔ اب یہ ایک قسم کا مسئلہ بن گیا کہ جس کو حل کرنا ضروری امر تھا۔ پھر کسی شخص نے اس فقیر کو یہ اطلاع دی کہ دونوں بزرگ ایک دوسرے سے بات چیت بھی نہیں کرتے۔ مجھے اس صورتحال سے بہت دکھ ہوا۔ آخر میں میں نے دونوں بزرگوں میں صلح کرانے کا ایک عجیب طریقہ اختیار کیا۔ کیونکہ دونوں بزرگ مجھ سے بہت الفت فرماتے تھے۔

میں نے پہلے تو حضرت نورالدین غزنوی کو صلح کے لئے آمادہ کیا۔ اس کے بعد ان کو لئے ہوئے میں رات کے وقت شیخ شاہی کے مکان پر پہنچ گیا۔ شیخ شاہی نے جب سنا کہ میں آیا ہوں تو دروازے پر خود تشریف لائے اور بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ مگر یہ مصافحہ میں نے ان کے ساتھ نہیں بلکہ حضرت غزنوی نے کیا تھا اور یہ میں ان کو چلنے سے پہلے بتا چکا تھا۔ چونکہ اندھیری رات تھی۔ اس لئے شیخ شاہی کو معلوم نہ ہو سکا کہ میرے کمبل میں کوئی دوسرا بھی موجود ہے۔ مصافحہ کرنے کے بعد آپ نے مجھے گھر کے اندر آنے کو کہا۔ مگر میں نے عرض کیا یا حضرت کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے مصافحہ کس سے کیا ہے تو آپ نے فرمایا تم سے۔ میں نے کہا کہ جی نہیں آپ نے تو حضرت نورالدین غزنوی کے ساتھ مصافحہ فرمایا ہے۔

آپ نے پوچھا کہ اچھا چلو بتاؤ کہ نورالدین کہاں ہیں تو میں نے کمبل

اٹھا کہ دکھایا کہ دیکھئے نورالدین صاحب یہ ہیں۔ چند لمحات دونوں خاموش ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر بیتابانہ ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور گلے لگ گئے۔ یوں دونوں دیرینہ دوست ایک مرتبہ پھر حسب سابق ملنے چلنے لگے۔ دلی میں موجود صوفیائے کرام کو جب یہ اطلاع صبح کے وقت ملی تو وہ سب بھی از حد خوش ہوئے اور دونوں دوستوں کو دوستی کی تجدید کی مبارک دیتے رہے۔

یوں ایک لطیفے اور میری حاضر دماغی نے لوگوں کو صوفیائے کرام سے متنفر ہونے سے بچالیا۔ کیونکہ جو طبقہ صوفیا کے خلاف بغض رکھتا تھا۔ ان کو باتیں بنانے کا موقع مل چکا تھا اور وہ بے دھڑک صوفیائے کرام کے خلاف باتیں بنا رہے تھے۔"

حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام اہل تصوف میں غیر معروف نہیں بلکہ آپ ایک شہرت یافتہ ولی کامل تھے۔ آپ شیخ شہاب الدین شہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور آپ نے اپنے مرشد کی خدمت ایک عرصہ تک دل و جان سے کی تھی۔ آپ کے متعلق ایک روایت متواتر آئی ہے کہ آپ شیخ سہروردی کی خدمت میں حد سے گزر جاتے تھے۔

ایک روایت ہے کہ آپ سات برس تک حضرت شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سفرو حضر میں ساتھ رہے۔ چونکہ شیخ عمر رسیدہ ہو چکے تھے اور ان کو گرم غذا کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ اس لئے آپ ہمہ وقت اپنے گلے میں ایک انگیٹھی لٹکائے رہتے جس میں کوئلے جلتے رہتے کہ معلوم نہیں کس وقت شیخ کو غذا کی ضرورت پیش آئے اور غذا کو گرم کرنا مشکل ہو جائے۔ آپ کے اس عمل سے آپ کی ریش مبارک بھی نیچے کی جانب سے جل چکی تھی۔ آپ کو شیخ نے بارہا اس عمل سے باز رہنے کی تاکید کی مگر آپ کا جذبہ جانثاری کام دکھا گیا۔

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جبکہ حضرت بابا صاحب کم سن تھے اور ملتان میں مسجد میں علم حاصل کر رہے تھے۔ ملتان کی اسی مسجد میں جب حضرت جلال الدین تبریزی داخل ہوئے تو معلوم کیا کہ یہاں کون کون سے صوفیائے کرام سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ صوفیا سے مل لینے کے بعد

لوگوں نے آپ سے ایک قاضی بچہ کا بھی ذکر کیا جو ہر وقت کتابوں میں کھویا رہتا ہے اور دیوانہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ کسی سے بات چیت کرتا ہے اور نہ ہنستا بولتا ہے۔

حضرت جلال الدین تبریزی نے بصد شوق فرمایا کہ ذرا اس بچے سے ہمیں بھی تو ملواؤ۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کیا پڑھتا رہتا ہے۔ حضرت شیخ تبریزی جس وقت حضرت بابا صاحب کے قریب پہنچے تو آپ ایکدم کھڑے ہوگئے۔ آپ کو حضرت شیخ تبریزی نے دیکھ کر یہ اندازہ لگالیا کہ یہ بچہ مستقبل کا نامور ولی کامل بننے والا ہے۔ حضرت شیخ نے آپ کو بڑی شفقت سے بٹھایا اور خود بھی آپ کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

حضرت جلال الدین علیہ الرحمۃ نے آپ کو اپنا مطالعہ جاری رکھنے کا کہا اور خود آپ کا باطنی مشاہدہ کرنے میں مصروف ہوگئے۔ پھر آپ نے ایک انار نکال کر حضرت بابا صاحب کو دیا کہ یہ کھاؤ کیونکہ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے اور کچھ نہیں۔ آپ چونکہ اس دن روزے سے تھے اس لئے آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے انار چھیل کر مسجد میں موجود لوگوں میں اس کے دانے تقسیم کر دیئے۔ تمام دانے ختم ہوگئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک دانہ فرش پر پڑا رہ گیا ہے۔ آپ نے اس کو اٹھا کر رکھالیا کہ روزہ افطار کر کے کھالیں گے۔

حضرت جلال الدین یہ سارا عمل دیکھ رہے تھے۔ جب آپ نے یہ دیکھا کہ اس نوجوان نے تمام کا تمام انار لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے تو آپ سے پوچھا کہ میاں صاجزادے تم نے اپنے لئے کچھ نہیں رکھا۔ آپ نے عرض کیا کہ میرے لئے یہ ایک دانہ ہی کافی ہے حضرت جلال الدین تبریزی آپ کے اس جواب سے مسکرائے۔

یہ واقعہ حضرت بابا فرید نے پیرو مرشد کو سنایا۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ نہ معلوم وہ کون بزرگ تھے۔ مگر میں نے ان کے دیئے ہوئے انار کے دانے سے ہی روزہ افطار کیا تھا۔

حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمۃ نے بذریعہ کشف معلوم کر لیا کہ وہ بزرگ

حضرت جلال الدین تبریزی علیہ الرحمۃ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم بڑے خوش قسمت ہو۔ وہ تو جلال الدین تبریزی علیہ الرحمۃ تھے اور وہ انار دینے ہی کے لئے مسجد میں تمہارے پاس آئے تھے۔

یہ سن کر حضرت بابا صاحب کو قدرے ملال ہوا۔ آپ نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ "میں نے تو سارا انار لوگوں میں تقسیم کر ڈالا تھا۔ فقط ایک دانہ ہی رکھ لیا تھا اور اسی سے روزہ افطار کیا تھا۔

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ مسکرائے اور فرمایا کہ میرے بچے! تمہاری یہی ادا تو جلال الدین کو پسند آگئی تھی۔ تمہارے انکسار اور قناعت نے جلال الدین تبریزی علیہ الرحمۃ کو متاثر کیا اور اس ایک دانہ میں سب کچھ سمٹ آیا تھا باقی سب دانے خالی تھے۔ اس ایک دانے میں برکتیں اور فیوض موجود تھے۔ آپ یہ سن کر از حد مسرور ہوئے اور ایک طرح سے افسوس بھی ہوا کہ اگر سارا انار ہی کھا لیتا تو معلوم نہیں کیا کچھ مل جاتا۔

دوسری ملاقات حضرت جلال الدین تبریزی علیہ الرحمۃ کے ساتھ حضرت بابا فرید کی دلی میں ہوئی۔ آپ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ یوں ان دونوں میں اب خاصی طویل نشستیں منعقد ہوا کرتیں تھیں۔ کیونکہ اب حضرت بابا فرید محض ایک قاضی بچہ نہ تھے اور نہ ہی ان کو کوئی دیوانہ کہہ کر پکارتا تھا۔ اب حضرت بابا فرید پانچ برس کی طویل اور کٹھن سیاحت و ریاضت کے علاوہ بڑے بڑے عظیم مرتبہ بزرگوں سے فیوض و برکات سمیٹ کر حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور خواجگان سے بھی فیض ظاہری و باطنی حاصل کر چکے تھے اور ایک زمانہ آپ کا عقیدت مند تھا اور یہی عقیدت مندی کبھی آپ کو دلی چھوڑنے پر مجبور کرتی اور کبھی ہانسی۔

دونوں بزرگوں میں از حد الفت موجود تھی مگر انہی ایام میں شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کی صوفیاء کے خلاف مسلسل سازشوں نے دلی کی روحانی مجالس کا رنگ پھیکا کر دیا۔ جس کی وجہ سے حضرت شیخ تبریزی علیہ الرحمۃ دلی سے بدایوں کوچ کر گئے۔ واقعات کچھ یوں ہیں کہ نجم الاسلام کو شیخ تبریزی کی عظمت و تعظیم

ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ کسی نہ کسی بہانے سے آپ کو زک پہنچانا چاہتا تھا۔ ایک واقعہ تو تاریخ کا حصہ بن گیا۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ اس ملعون نے ایک فاحشہ کو جو کہ گانے بجانے کا کام بھی کیا کرتی تھی کہ اپنے جال میں اس طرح پھانسا کر وہ حضرت جلال الدین تبریزی علیہ الرحمۃ پر الزام تراشی پر آمادہ ہوگئی۔ اس فاحشہ سے اس نے ایک ہزار میں معاملہ طے کر کے اس کو پانچ سو دینار پیشگی دے دیئے اور بقایا کا وعدہ کامیابی کی صورت میں کر لیا۔ جبکہ ایک اور شخص کو اڑھائی سو دینار دے کر اس کو الزام لگانے کے لئے آمادہ کرلیا۔ اس خوبصورت فاحشہ نے جس کو دیکھ کر ہی عام بندہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جائے نے سلطان شمس الدین التمش سے حضرت جلال الدین تبریزی کے خلاف الزام تراشی کی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گواہ بھی پیش کیا۔

سلطان شمس الدین التمش صوفیا کا بہت ادب کرتا تھا۔ اس نے ایک فاحشہ کی بات پر قطعاً ”یقین نہ کیا مگر بات بر سر دربار ہوئی تھی اس لئے اس کو نمٹانا بھی از بس ضروری تھا۔ قانون کے تقاضے تو پورے کرنا ہی تھے کیونکہ ایک ایسی عورت جو اپنے آپ پر خود ہی زنا کا الزام لگا رہی ہے۔ اس کی مظلومیت دیکھتے ہوئے کارروائی ضروری خیال کی گئی۔ حالانکہ تعزیر تو اس عورت پر بھی لگ رہی تھی۔ لیکن بغیر شرعی شہادتوں اور ثبوت کے حضرت جلال الدین علیہ الرحمۃ پر تہمت زنا ثابت تو نہیں کی جا سکتی تھی۔

اب اس واقعہ نے صوفیائے کرام کی تاریخ میں ایک اہم جگہ حاصل کرنا تھا۔ قدرت کاملہ نے اس کا بندوبست کیا کہ نجم الدین نے ملک ہندوستان میں موجود اولیائے کرام اور مشائخ عظام کو دلی بلوایا اور اس مقدمے کی کارروائی کا آغاز کا اعلان کر دیا گیا۔ چونکہ سب لوگوں کو معلوم تھا کہ حضرت جلال الدین تبریزی علیہ الرحمۃ اور خواجہ زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ میں کچھ ناراضگی ہے۔ اس لئے نجم الدین نے اس مقدمے کا فیصلہ حضرت زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ کے ہاتھوں ہی دے دیا۔

دونوں بزرگوں کی ناراضگی مختصر بیان کئے دیتا ہوں کہ صاحب مراۃ

الاسرار فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ﷫ سے خرقہ خلافت لے کر حضرت زکریا ملتانی ﷫ بغداد سے چلنے لگے تو حضرت جلال الدین تبریزی بھی ان کی محبت میں شیخ سے اجازت لے کر حضرت بہاؤالدین کے ساتھ چل دیئے۔ اثنائے راہ دونوں کی ملاقات نیشا پور میں درویشوں سے ہوئی۔ تو حضرت جلال الدین تبریزی نے حضرت زکریا ملتانی سے دریافت کیا کہ آپ کو ان تمام درویشوں میں کس سے زیادہ ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ فرید الدین عطار سے' انہوں نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو' میں نے کہا کہ بغداد سے' انہوں نے پوچھا کہ وہاں پر مشغولان حق کون کون ہیں۔ میں خاموش رہا۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ سہروردی کا نام کیوں نہ لیا۔ بس اتنی سی بات پر دونوں میں جدائی ہوگئی۔

بحرحال اس مقدمہ کا فیصلہ حضرت بہاؤالدین ملتانی ﷫ کے سپرد کر دیا گیا۔ تمام ہندوستان سے اولیاو مشائخ دلی تشریف لا چکے تھے اور فیصلہ ہونا تھا جامع مسجد میں جو کہ خاصی وسیع و عریض تھی۔ مسجد میں تمام صوفیا' اولیا' مشائخ اور نجم الدین و سلطان التمش پہلے سے موجود تھے کہ حضرت جلال الدین تبریزی بھی تشریف لائے۔ آپ کی آمد کا سن کر مسجد میں موجود تمام علماء' فضلا' اولیا و مشائخ آپ کی تعظیم میں کھڑے ہوگئے۔ عجیب منظر تھا کہ ایک (معاذاللہ) مجرم کی تعظیم میں اس قدر عظیم الشان لوگ تعظیماً" کھڑے ہو کر اس کا استقبال کر رہے تھے یقینی طور پر نجم الدین کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہوں گے۔

سب لوگ کو کھڑے ہو کر تعظیم بجا لا رہے تھے مگر حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی ﷫ چپکے سے آگے بڑھے اور حضرت جلال الدین تبریزی کی جوتیوں کو اپنے ہاتھوں میں بڑے ادب سے تھام کر حضرت کے عقب میں چلنے لگے۔ اب آپ خود خیال فرمائیں کہ کیا یہ کسی کی بڑائی تسلیم کرنے میں کم ثبوت ہے۔ کہ حکم یعنی فیصلہ کرنے والا۔ جس کا فیصلہ کر رہا ہے اس کی اس قدر تعظیم بھی کر رہا ہے تو وہ شخصیت کس درجہ افضل ہوگی۔

منبر پر پہنچ کر حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی ﷫ نے تمام حاضرین سے

یوں خطاب فرمایا کہ

"میرے لئے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں۔ کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین شہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے۔ لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاؤالدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔ تو یہ اہل اللہ اولیائے کرام کی طرف (اشارہ کر کے فرمایا) پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے۔ لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا اظہار ضروری ہے۔ اس لئے مدعیہ مطربہ کو سامنے لایا جائے۔"

چنانچہ اس مطربہ کو حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ مگر حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی طاقت کی وجہ سے وہ مطربہ لفظ لفظ سچ بولنے لگی کہ کس طرح نجم الاسلام نے اس کو رقم کا لالچ دیکر اس فعل رزیل پر آمادہ کیا۔ اس سازش کے بے نقاب ہونے پر نجم الدین شدید شرمندہ ہوا۔ کہ مجلس میں ہی اس کی غش آگیا یوں حضرت شیخ تبریزی کی معصومیت ثابت ہوگئی۔

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی دلی کے بعد بدایوں میں ملاقات ہوئی۔ وہ اس طرح کہ حضرت بابا صاحب خود بدایوں فقط آپ کے نیاز حاصل کرنے بدیاوں تشریف لے گئے۔ بدایوں میں بھی طویل ترین نشستیں منعقد ہوئیں اور فیوض و برکات کا تبادلہ ہوا۔ بدایوں کا ایک واقعہ حضرت بابا صاحب یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک شیخ اٹھے اور مکان سے نکل کر اپنے دروازے پر کر بیٹھ گئے۔ حضرت بابا صاحب نے بھی ان کی تقلید فرمائی۔ اس دوران حضرت

جلال الدین روحانیت پر گفتگو کرتے رہے اور حضرت بابا صاحب سماعت فرماتے رہے۔

اتنی دیر میں ایک دہی فروخت کرنے والا دونوں بزرگوں کے قریب آگیا اور دہی بیچنے کی آواز لگاتا رہا۔ جب وہ قریب سے گزرنے لگا تو حضرت شیخ تبریزی نے دریافت کیا کہ کیا بیچ رہے ہیں۔

اب وہ تو دہی بیچنے کی آواز لگا ہی رہا تھا۔ اس کو طیش آگیا اور اس نے نہایت کھردرے لہجے میں کہا کہ دہی بیچ رہا ہوں۔ کیوں کیا تم خریدو گے۔ حضرت بابا فرید اس دیہاتی اجڈ کے جواب سے غصے میں آگئے کہ اگر اس کو شیخ کا علم نہیں تو کم از کم تمیز سے بات تو کر سکتا ہے۔ مگر آپ محض حضرت جلال الدین کو دیکھتے رہے کہ آپ کو غصہ کیوں نہیں آرہا۔

بعد میں آپ کو معلوم ہوا کہ دہی بیچنے والا۔ علاقے کا مشہور ڈاکو مولا تھا جو اپنے گروہ کا سردار بھی تھا۔ رات کو واردات کرتے اور دن بھر سارا گروہ محنت مزدوری کا ڈھونگ رچاتے۔ اسی لئے اس کے لہجہ میں اکھڑ پن تھا۔

حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہاں ہاں! کیوں نہیں خریدیں گے۔ ارے بھائی ہم تو تیرا سب کچھ خرید لیں گے۔

اس لہجہ کی اس کو عادت نہ تھی۔ بھلا اس سے اس طرح کون گفتگو کر سکتا تھا اس نے گردن گھما کر بڑے غصے سے حضرت شیخ کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر جونہی آنکھوں سے آنکھیں ملیں تو اس کی ساری تمکنت جاتی رہی اور وہ کانپ کر رہ گیا۔ اس کا دہی والا مٹکا اس کے سر سے نیچے آرہا اور سارا دہی زمین میں ضائع ہو گیا۔ حضرت جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا کہ بھائی اب کیا بیچو گئے۔ اپنا سارا دہی تو تم نے زمین پر گرا دیا ہے اب تمہارے پاس بیچنے کو کیا رہ گیا ہے۔

اسی جگہ پر اس ڈاکو نے حضرت جلال الدین تبریزی کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور اپنے پرانے دھندوں سے تائب ہو گیا۔ یوں ایک

ہندو ڈاکو جو کہ اپنی ظالمانہ روش کی وجہ سے علاقہ بھر میں خوف کی علامت بنا ہوا تھا ایک معروف صوفی بن گیا۔ اس کا اسلامی نام علی رکھا گیا۔

روایت ہے کہ انہی علی نے بدایوں میں حضرت نظام الدین اولیاء کے سر پر دستار فضیلت رکھی تھی۔ رحمتہ اللہ علیہ۔
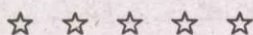
آداب مرشد

اپنی آنکھ خود ہی پھوڑ دی

روایت ہے کہ 620ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی ؒ نے حضرت بابا فرید گنج شکر کو اپنے وضو کے لئے مامور کر رکھا تھا۔ ایک رات کو ایسا ہوا کہ لکڑیاں ختم ہوگئی اور بابا فرید اس خیال سے پریشان ہوگئے کہ فجر کے وقت جب حضرت شیخ کو وضو کرواؤں گا تو پانی کو گرم کس طرح کروں گا۔ آپ نے دیکھا کہ شیخ آرام فرمارہے تھے۔ آپ نے موقع غنیمت جانا اور خانقاہ سے بستی کی طرف لکڑیاں یا کوئلے لینے کے لئے چل دیئے۔ آپ بستی میں ہر مکان میں آگ جلنے کی توقع پر رک کر مشاہدہ کر رہے تھے مگر ساری بستی تو نیند کے مزے لوٹ رہی تھی۔ کسی گھر میں بھی کسی کے جاگنے کے آثار مفقود تھے۔

آخر آپ کو ایک گھر میں یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی چل پھر رہا ہے۔ آپ دروازے پر دستک دے کر انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ایک خاتون دروازے پر آئی اور شوخی سے پوچھنے لگی کہ آپ کو کس سے ملنا ہے۔ اس نے شمع آگے کر آپ کا چہرہ اور حلیہ ملاحظہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان درویش آدھی رات کو اس کے دروازے پر کھڑا ہے۔ اس کی آنکھوں میں تو کوئی ہی چمک عود کر آئی ہوئی تھی۔

آپ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے کسی سے ملاقات تو نہیں کرنی اور نہ ہی میں اس گھر میں رہنے والے کسی شخص کو جانتا ہوں۔ مگر میں اس وقت ایک بڑی اہم ضرورت کے پیش نظر یہاں پر حاضر ہوا ہوں۔"

دوسری طرف عورت نجانے کیسی کیسی باتیں کرتی رہی۔ یقیناً وہ ایک دنیادار عورت تھی اور اس کی آنکھیں ایک پاکباز درویش کو تو نہیں پہچان سکتیں تھیں۔ جب وہ قدرے خاموش ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے لکڑیاں یا کوئلے درکار ہیں تاکہ میں اپنے مرشد کے لئے پانی گرم کرسکوں۔

یہ سن کر اس عورت نے مذاق کے لہجے میں کہا کہ یہ چیزیں بلاقیمت تو نہیں مل سکتیں۔ آپ نے قیمت پوچھی تو بولی کہ ایک آنکھ دینا ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں آپ آنکھ لے لیجئے۔ اس سے بھی انکار نہیں ہے۔ یہ فرماکر آپ نے اپنی آنکھ میں تیزی سے انگلی پیوست کر دی۔ خون بہہ بہہ کر رخساروں تک آگیا۔ اس عورت کی ساری شوخی اور طراری ہوا ہوگئی۔ بھاگی بھاگی گئی اور لکڑیاں لاکر حضرت کو دیں اور کہنے لگی کہ جلدی سے یہاں سے چلے جاؤ۔

آپ لکڑیاں لے کر خانقاہ میں آئے اور خاموش سے بیٹھ رہے۔ آنکھ کی تکلیف از حد بڑھ چکی تھی۔ ڈھیلہ بہہ چکا تھا۔ مگر یہ سکون تھا کہ اب میں اپنے مرشد کے وضو کے لئے گرم پانی تو مہیا کرسکوں گا۔ فجر کی نماز کے وقت حضرت شیخ نیند سے بیدار ہوئے اور آپ کو حکم دیا کہ وضو کروائیں۔ آپ پانی تو اس سے پہلے ہی گرم کر چکے تھے۔ اس لئے آپ جلدی سے گرم پانی کا برتن لے کر شیخ کے پاس پہنچ گئے۔

"ارے فرید یہ تمہاری آنکھ کو کیا ہوا" حضرت شیخ نے بیقراری سے دریافت کیا اور جب تک حضرت بابا فرید بولتے آپ بذریعہ کشف معلوم کر چکے تھے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

"پیرو مرشد! کچھ بھی تو نہیں۔ بس آنکھ دکھ رہی ہے" حضرت بابا فرید نے تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے عرض کیا۔

"اچھا تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ چلو تم ایسا کرو کہ آنکھ کو کھول دو۔ ٹھیک

ہو جائے گی" حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے ارشاد فرمایا۔ یہ حکم سن کر آپ نے بڑی سرعت سے آنکھ سے کپڑا اتار دیا اور آپ خود حیران رہ گئے جب آپ نے محسوس کیا کہ آپ کی آنکھ میں تو جیسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

یہ تھا پاس ادب کہ ایک مرید کو اپنے پیر کے آرام کا خیال اپنے آرام سے زیادہ رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد ہی کوئی مرید فیض حاصل کر سکتا ہے۔

خرقہ خلافت اور پاس ادب

جب حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی ﷫ انتقال فرما گئے تو آپ چوتھے روز ہانسی سے دلی تشریف لائے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق میں مطالعہ فرما چکے ہیں کہ ہانسی جانے کی اجازت دیتے وقت حضرت شیخ قطب الدین ﷫ نے آپ سے ارشاد فرمایا تھا کہ دلی آکر قاضی حمید الدین ناگوری ﷫ سے اپنی امانت لے جانا۔ جب آپ کو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ مرشد پاک رحلت فرما گئے ہیں تو آپ عجلت میں ہانسی سے دلی کے لئے روانہ ہوئے۔

دلی شہر میں جب آپ داخل ہوئے تو آپ کو پورے شہر کی فضا میں حد درجہ سوگواری محسوس ہوئی۔ آپ کو بھرے پرے شہر میں ویرانی ہی ویرانی نظر آئی۔ جیسا کہ ایک شعر اس فضا کی کیا خوب ترجمانی کرتا کہ

کچھ اس ادا سے بچھڑا کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

سارے شہر میں آپ کو جاننے والے ہزاروں لوگ موجود تھے۔ جو بھی آپ کو دیکھتا۔ لپکتا ہوا چلا آتا اور آپ سے تعزیت کرتا۔ بھی جانتے تھے کہ آپ حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کے محبوب ترین مرید ہیں۔ اس لئے اب وہ آپ سے اپنی ارادت مندی ظاہر کرتے تھے۔ ایک وجہ اور بھی تھی کہ ابھی تک حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کے کسی خلیفہ کا باضابطہ اعلان بھی نہ ہوا تھا اور کوئی بھی آپ کا مرید آپ کی مسند پر جلوہ افروز نہ ہوا تھا۔

آپ بہت سے لوگوں سے ملتے ملاتے، آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ

وہاں پہنچے جہاں مرشد کا جسد اطہر مدفون تھا۔ آپ جب مزار اقدس پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ قبر مبارک بالکل زمین کے برابر ہے۔ بڑی مشکل سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ یہاں قبر ہے۔ مریدین نے بتلایا کہ قبل از رحلت حضرت شیخ علیہ الرحمتہ نے یہی وصیت فرمائی تھی کہ آپ کا مزار اقدس زمین کے برابر ہی رکھا جائے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ

"میری قبر کو زمین کی سطح کے برابر ہی رکھنا۔ شاید کسی ایسے شخص کا پاؤں میرے سینے پر پڑ جائے جو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہو اور اس طرح میں برکت اور سعادت حاصل کرسکوں۔"

آپ علیہ الرحمۃ دلی طور پر اس صورت حال سے آزردہ تھے۔ مگر حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کے حکم کے آگے مجبور تھے۔ حکم عدولی کی جرات کسی میں نہ تھی۔ آپ دوسرے مریدین کے ساتھ قبر مبارک کے ایک طرف ہو کر بیٹھ رہے اور جس وقت تمام عقیدت مند گھروں کو لوٹ گئے تو آپ نے شدید گریہ وزاری کی۔ پھر ایک رات آپ کو شیخ علیہ الرحمتہ خواب میں دکھائی دیئے اور آپ کے من کی مراد پوری ہوئی۔ روایت ہے کہ آپ کو حضرت شیخ قطب علیہ الرحمتہ نے اجازت دے دی کہ کل عصر اور مغرب کے درمیان کچھ مٹی ڈال کر قبر کو اونچا کر لینا۔

صبح آپ نے یہ خواب مریدین کو سنایا اور اب آپ کو عصر کی نماز کا شدت سے انتظار ہونے لگا۔ کیونکہ یہی وقت حضرت شیخ علیہ الرحمتہ نے بطور اجازت مرحمت فرمایا تھا۔ ایک دنیا جمع ہو رہی تھی۔ لوگ اس امید کے سہارے جمع ہو رہے تھے کہ شاید ہمیں بھی مٹی ڈالنے کی سعادت حاصل ہو جائے۔

نماز عصر ادا ہوئی۔ لوگوں نے قبر اطہر کا تیزی سے رخ کیا۔ مگر حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ نے سب کو منع فرمادیا کہ یہ حکم صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کو انجام دوں گا۔ لوگوں نے جب حد درجہ استدعا کی تو آپ نے سختی سے منع فرمادیا کہ میرے کام کو مشکل مت کرو۔

عصر سے مغرب تک آپ تن تنہا مٹی کھودتے بھی رہے اور قبر مبارک پر ڈالتے بھی رہے۔ آپ کا حال کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ مختصر سے وقت میں آپ نے جس قدر ہو سکی مٹی ڈالی اور ہموار نہ کیا۔ سوچا کہ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد قبر کو خوب اچھی طرح ہموار کر دیا جائے گا۔ مگر مغرب کے بعد آپ کو نیم خوابیدہ حالت میں حضرت شیخ علیہ الرحمتہ خواب میں نظر آئے آپ فرمارہے تھے کہ اے فرید! جو تم کر چکے اتنا ہی کافی ہے۔ اب قبر کو اسی طرح رہنے دو۔ مزید کچھ مت کرنا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد آپ جب صبح بیدار ہوئے تو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری عليه نے آپ کو یہ نوید سنائی کہ آپ کو حضرت شیخ علیہ رحمتہ اپنا خلیفہ بنا گئے ہیں اور آپ عليه کو حضرت شیخ کی مسند کو سنبھالنا ہو گا۔ آپ کو حضرت قاضی ناگوری عليه نے وہ خرقہ پہننے کے لئے دیا جس کو خواجہ خواجگان نے پہنا اور جس کو بطور عقیدت حضرت شیخ قطب علیہ الرحمتہ عليه بھی زیب تن فرماتے تھے۔ آپ کے آنسو رواں ہو گئے اور آپ نے پاس ادب سے اس خرقہ کو چھونا بھی بے ادبی گردانا۔

حضرت قاضی ناگوری عليه نے فرمایا کہ "فرید الدین! اس کا حکم حضرت شیخ نے فرمایا ہے اور وہ ہی بہتر سمجھتے تھے کہ اس کا حقدار کون ہے اور یہ بات حضرت شیخ علیہ الرحمتہ عليه نے سب لوگوں کے سامنے بیان فرمائی تھی یعنی فقط مجھے نہیں فرمایا تھا۔ کیا ان سے بہتر بھی کوئی جان سکتا تھا کہ اس خرقہ کا حقدار کون ہے"

حضرت قاضی ناگوری عليه کی مدلل باتوں نے آپ کو خرقہ' عصا اور کھڑاویں لینے پر مجبور کر دیا اور آپ نے ان کھڑاؤں کو لے لیا جو مرشد پاک اپنے پیروں میں پہنا کرتے تھے۔ آپ نے بارہا ان کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ آپ کے والہانہ پن کر دیکھ کر عقیدت مندوں کی چیخیں نکل گئیں کہ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی اظہار عقیدت کر سکتا ہے۔

خرقہ آپ نے پہن اور دوگانہ نماز ادا فرما کر ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ حضرت قاضی ناگوری عليه نے آپ سے کہا کہ "اب آپ کو حضرت شیخ علیہ

الرحمتہ کی مسند کو سنبھالنا ہے۔ آیئے اس مسند پر تشریف رکھئے۔"

مگر میں کیسے حضرت کی مسند پر بیٹھ سکتا ہوں جس پر میرے پیرو مرشد جلوہ افروز ہوتے تھے۔" حضرت ناگوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ بھی حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کا حکم ہے۔ آپ کو بیٹھنا ہی ہو گا۔ اب آپ کو یاد آنے لگا کہ ہانسی جانے کی اجازت دیتے وقت حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرا مقام تیرا مقام ہے۔ آپ اس مسند پر بیٹھ گئے جس پر حضرت شیخ علیہ الرحمتہ بیٹھ گئے۔ مگر دیر تک روتے رہے اور لوگوں کو یہ کہتے رہتے کہ اے لوگو سن لو کہ میرا یہ مقام نہیں۔ میں تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کا ادنیٰ غلام اور خدمتگار ہوں۔

لوگوں نے گریہ و زاری کرتے ہوئے عرض کیا کہ اب تو آپ ہی ہمارے شیخ ہیں اور ہمارے شیخ کی نشانی اور ہمیں تو آپ ہی کی اقتدا کا حکم حضرت شیخ علیہ الرحمتہ دے چکے ہیں۔ آپ ان لوگوں کی وارفتگی دیکھ کر خود بھی آبدیدہ ہو گئے۔ کئی روز تک بیعت کا سلسلہ چلتا رہا اور آپ فیض بانٹتے رہے۔
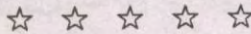
جلال فریدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی کبھار ہی جلال آیا کرتا تھا۔ عام طور پر اس کا اظہار نہیں فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے ایک مرید و خلیفہ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ شیخ ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بڑی الفت سے پیش آتے۔ ان کو حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے خرقہ خلافت بھی عطا کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مبارکہ پڑھی کہ

"قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔"

اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کے بعد آپ پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ دل میں تمام خواہشات مردہ ہوگئیں اور ہروقت توبہ استغفار میں لگے رہتے۔ انہی اوصاف کی وجہ سے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ان سے بہت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے اور اکثر مجالس میں جب شیخ جمال کا ذکر ہوتا تو آپ فرماتے کہ

"جمال، جمال ما است"

ترجمہ : جمال، جمال ہمارا ہے۔

یعنی جمال جو بھی کر رہے ہیں وہ کرتے رہیں کیونکہ وہ ہمارے ہیں۔ ان کی دھوم ہر طرف پھیلتی جارہی تھی اور ان کے عقیدت مندوں میں روز افزوں

اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔ ایک مرتبہ ایک بڑا عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ آپ کو حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی علیہ الرحمۃ نے خط لکھا کہ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمۃ کو مجھے دے دو اور اگر لینا چاہو تو میرے تمام خلفا اور مرید لے لو۔

آپ حضرت خواجہ بہاؤالدین ذکریا علیہ الرحمۃ کی دل سے عزت و تکریم فرماتے تھے اور آپ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ اس قسم کا مطالبہ کر دیں گے ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جب حضرت شیخ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ ملتان تشریف لائے تھے اور حضرت ذکریا علیہ الرحمۃ کی خانقاہ میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ ان دنوں دونوں بزرگوں کا چاروں طرف خوب شہرہ تھا۔ مگر اس وقت حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ آپ بڑی مشکل سے خانقاہ میں داخل ہوئے تھے اور حضرت شیخ قطب الدین علیہ الرحمتہ کی دست بوسی کی تھی۔

مگر آج صورتحال یکسر مختلف تھی۔ حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ آج انہی شیخ قطب کے بااختیار خلیفہ تھے اور آپ کے خلفا بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اب وہ زمانہ تو نہیں تھا کہ ایک نو عمر طالب علم خانقاہ میں داخلے کے لئے دربانوں اور خادموں کی منت سماجت کرے۔ آج تو وہی طالب علم خود ایسے شیخ کے روپ میں تھا کہ لوگوں کو اسے دیکھنے کے لئے اجازت لینا ہوتی تھی۔

آپ نے جب حضرت بہاؤالدین زکریا علیہ الرحمۃ کا خط پڑھا تو آپ کو ازحد تعجب ہوا کہ ایک بہت بڑے ولی کامل نے یہ کس قسم کی خواہش کا اظہار کر دیا ہے۔ صاف صاف جواب بھی نہیں دیا جاسکتا۔ کیوں حضرت بہاؤالدین علیہ الرحمۃ آپ کے پیرو مرشد کی بیحد عزت کیا کرتے تھے۔

آپ نے جواب میں خط لکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ

"جمال تو میرا جمال ہے۔ معاوضہ مال میں ہوتا ہے نہ کہ جمال میں"

حضرت بہاؤالدین علیہ الرحمۃ نے اگلے خط میں تحریر فرمایا کہ اگر مستقل نہیں تو فقط چند دنوں کے لئے ہی بھیج دو۔"

آپ نے جواباً" تحریر فرمایا کہ

"یا شیخ! کوئی اپنا جمال بھی کسی کو دیتا ہے۔ آپ چند روز کے
لئے کہتے ہیں۔ میں تو چند لمحات کے لئے بھی جمال کو خود سے
جدا نہیں کر سکتا۔ آپ بار بار مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔"

یوں آپ نے بات کو حتمی شکل دے ڈالی کہ حضرت بہاؤالدین زکریا علیہ الرحمۃ مزید مطالبہ نہ کر سکیں۔ مگر حضرت بہاؤالدین زکریا سہروردی ملتانی علیہ الرحمۃ بھی کوئی عام شخص تو نہ تھے۔ آپ علیہ الرحمۃ بھی شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ کے فیض یافتہ تھے۔ آپ نے اپنی روحانی طاقتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمۃ کو اپنی طرف راغب کر لیا۔

اس کا نتیجہ کچھ اس طرح نکلا کہ ایک روز شیخ جمال اچانک حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ سے عرض کرنے لگے کہ

"پیرو مرشد! مجھے ملتان جانے کی اجازت عطا فرمایئے۔"

آپ کو حضرت بہاؤالدین زکریا علیہ الرحمۃ کے ساتھ کی جانے والی خط و کتابت یاد آگئی آپ نے اتمام حجت کے لئے دریافت فرمایا کہ "جمال کیا تمہیں ملتان میں کوئی کام ہے۔ تم وہاں کیا کرو گے۔"

شیخ جمال نے جلدی سے عرض کیا کہ

"میں شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہونا
چاہتا ہوں۔"

"کیا تم بھول گئے کہ میں نے شیخ کو ان کے متواتر خطوط کے جواب میں انکار کیا ہے۔ اگر بھیجنا ہوتا تو کیا میں پہلے ہی نہ بھیج دیتا۔"

مگر شیخ جمال بضد رہے۔ حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ سمجھ گئے کہ معاملہ کیا ہے۔ آپ پر جلالی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مگر آپ نے کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جمال کیا تم اپنا ارادہ تبدیل نہیں کر سکتے۔ مگر شیخ جمال کا اصرار برابر جاری رہا۔

حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ جلال میں آگئے اور جلالی آواز میں فرمایا۔ "جاؤ چلے جاؤ۔"

یہ کیا اجازت تھی۔ یہ کیا حکم تھا۔ یہ کیا وقت تھا کہ ایک مرید نے اپنے پیرو مرشد سے کسی دوسرے صاحب علم شخص سے ملنے کی اجازت مانگی تو اس کے مرشد کو جلال آگیا۔ اب اس مرید کی تمام روحانی قوتیں اس کے مرشد نے سلب کر لیں اور اس کو اجازت دے دی کہ اپنے طور پر اگر جانا چاہے تو ملتان چلا جائے۔

ایک وقت تھا کہ شیخ جمال صاحب کشف تھے اور ان کے عقیدت مند بھی کثیر تعداد میں تھے مگر جب مرشد نے تمام احوال سلب کر لئے تو اپنے ہی آپ سے بیگانہ ہو گئے۔ کہاں کا ملتان اور کہاں کی روانگی۔ اپنے ہی ہوش سے بیگانہ ہو گئے۔ اپنا آپ بھول گئے ملتان کہاں یاد رہتا۔

اس موقع پر حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا کہ یہ کوئی کھیل نہیں کہ آج کسی سے بیعت ہوئے اور کل کسی اور سے فیض لینے چل دیئے۔ ایک کا ہونے میں ہی کامیابی و کامرانی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ نے شیخ جمال کا ذکر بھی خانقاہ میں کرنے سے سب کو منع فرما دیا کیونکہ اس وجہ سے مریدین کو بدگمانیاں ہوتی تھیں۔

شیخ جمال اب شیخ جمال نہ رہے تھے۔ بلکہ محض جمال رہ گئے تھے۔ بس نام کے جمال۔ چہرے سے اور حلیہ سے تو جمال غائب ہو چکا تھا۔ بات تو طاقتوں کی تھی۔ جو کہ سلب ہو چکی تھی۔ اب جمال کو' کوئی بھی نہیں پہنچانتا تھا۔ اس جمال کو جسے آپ فرماتے تھے کہ جمال تو میرا جمال ہے۔ وہی جمال اب اپنے آپ میں نہ تھا۔ اس کی پہچان ہی کھو چکی تھی۔ وہ کس سے اپنے آپ کو منواتا کہ جس کی وجہ سے اس کی عزت و تکریم تھی اسی نے اس سے قطع تعلق کر لیا تھا۔

اس واقعہ کی تفصیلات ہمیں شیخ الہدایہ کی تصنیف کردہ کتاب "سیر الاقطاب" میں مل سکتی ہیں۔ مگر یہاں ہم مختصر طور پر بیان کر رہے ہیں۔

انہی ایام میں جبکہ شیخ جمال اپنی ایک کوتاہی کی وجہ سے مرشد پاک کے زیر عتاب تھے اور ان کے عقیدت مند ان کے موجودہ حال پر شدید افسوس کا اظہار کرتے تھے کہ ایک صاحب نے ان کو اس حال میں دیکھا۔ یہ صاحب جو کہ ایک

سوداگر تھے۔ مدت بعد شیخ جمال کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا نام عالم تھا اور یہ بھی حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ کے مرید خاص تھے۔ انہوں نے شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمۃ کو صاحب جمال دیکھا ہوا تھا۔ اب جو دیکھا تو جمال الدین کا جمال لٹ چکا تھا اور موجود جمال رسوائی کی مکمل تصویر بنا ہوا تھا۔

ہر طرف یہی چرچا تھا کہ شیخ جمال کو شیخ کی نافرمانی کی سزا مل رہی ہے۔ عالم صاحب نے شیخ جمال سے بات چیت کرنے کی کوشش کی مگر وہ تو اپنے حواس ہی کھو چکے تھے۔ جس نے اپنی پہچان ہی کھو دی ہو وہ بھلا کسی کو کیا پہچانے گا۔ ان کا یہ حال دیکھ کر عالم صاحب کو از حد تاسف ہوا۔ ان کے دل میں بار بار یہی خیال گردش کر رہا تھا کہ کیا میں ایسے شخص کی سفارش کروں جس کی کل تک سفارش کا یہ عالم تھا کہ شیخ فرید الدین نے کبھی ٹالنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ کل تک وہ شخص خود لوگوں کی سفارش کیا کرتا تھا اور آج سفارش کا محتاج ہے۔

یہ صاحب حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کے در اقدس پر حاضر ہوئے تو آپ سے ملاقات سے پہلے خانقاہ میں دیگر مریدین سے بھی ملاقات کی۔ وہاں معلوم ہوا کہ اس خانقاہ میں شیخ کے سامنے تو شیخ جمال کا نام لینا بھی ممنوع ہے۔ سفارش کس طرح کی جائے گی۔ کیا ایک ہی راندۂ درگاہ کافی نہیں تھا کہ کوئی اور بھی اس صورتحال کا شکار ہوتا۔

مگر عالم صاحب تو دل میں پختہ ارادہ لے کر آئے تھے۔ کافی دیر انتظار کرتے رہے کہ شیخ شرف ملاقات بخشیں مگر ابھی تک اجازت نہ ملی۔ عقیدت مندوں کا ہجوم تھا کہ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے بھی ہمت نہ ہاری اور خانقاہ میں ہی بیٹھے رہے۔ پیر و مرشد اپنے کمرۂ خاص میں مصروف عبادت رہے اور عالم صاحب مصروف انتظار۔ آخر یہ وقفہ ختم ہوا۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ نے ان کو کمرہ خاص میں طلب کیا اور ان سے ان کے احوال دریافت کیے۔

عالم صاحب سے اپنے احوال نہ بتائے جا رہے تھے۔ بات کرنا کوئی چاہ رہے تھے اور منہ سے بات کوئی نکل رہی تھی۔ صاحب نظر پیر و مرشد بھانپ گئے کہ معاملہ کوئی دوسرا ہے۔ آپ نے آبدیدہ مرید سے فرمایا کہ

"تم کیوں رو رہے ہو۔ عالم میاں! کہو جو کہنا چاہتے ہو۔ ہمیں اپنے دل کی بات بتانے سے کیوں گریزاں ہو۔"

یہ شفقت، یہ کرم، یہ عطا، یہ محبت، یہ الفت اور یہ پیار جو عالم صاحب کو نصیب ہو رہا تھا۔ اسی سے تو جمال دور تھا۔ وہ جمال، جس کے لئے آپ دلی چھوڑ آئے تھے۔ وہ جمال جو آپ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہی جمال جس کو حضرت فرید الدین اپنا جمال کہا کرتے تھے۔ آج وہی جمال شفقت، کرم، محبت، عطا اور پیار سے محروم تھا۔ وجہ یہی تھی کہ اگر ایک کا دامن پکڑا تو پھر کوئی دوسرا سہارا کیوں ڈھونڈا۔ اگر ڈھونڈ لیا تو پھر کیوں بے آسرا ہو گیا۔ عالم صاحب کے دل و دماغ میں بھی یہی خیالات آ رہے ہوں گے۔

آخر ہمت جمع کر کے عالم صاحب نے پیرو مرشد کے پاؤں پکڑ لئے اور زار و قطار روتے ہوئے جمال کا حال پیرو مرشد کے گوش گزار کیا۔ آپ نے ان کو بتلایا کہ انہیں سب علم ہے اور اس بات میں کسی کو کیا شک ہو سکتا تھا۔ عالم صاحب نے عرض کیا حضور مجھے یقین ہے کہ آپ ان کے حال سے بخوبی واقف ہیں۔ میں تو آپ سے یہ عرض کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان کے حال پر اب رحم کر دیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے اس راستے پر چل کر بہت زیادہ تکلیف برداشت کر لی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ تم غلط نہیں کہتے ہو۔ مگر اہل سلوک کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ آج ایک کا دامن پکڑا تو کل کسی اور کا دامن۔ مجھے بھی جمال سے از حد پیار ہے۔ میں تو دلی کو اس کے واسطے چھوڑ کر ہانسی چلا آیا تھا۔ اچھا اب تم ایسا کرو کہ جمال سے کہو کہ اس کی خطا معاف کر دی گئی اور سلب شدہ احوال بحال ہو گئے ہیں۔ اب اس کو یہ اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ اس کی حیثیت اور وقار کس کی وجہ سے تھا۔ اس کو طلب کرنے والے اس کی اچھائیوں سمیت طلب کر رہے تھے۔ جب اس سے سب کچھ چھین لیا گیا تو پھر اس کو کسی نے نہ چاہا۔

اب اس کو کہہ دو کہ جمال کل بھی ہمارا تھا اور جمال آج بھی ہمارا ہے۔ کیا ہم نہیں کہتے تھے کہ جمال تو ہمارا جمال ہے۔ اس کو کہہ دو کہ ہم اس کا انتظار کر

رہے ہیں۔

یہ خوش خبری سن کر عالم صاحب کمرۂ خاص سے باہر آئے اور موجود عقیدت مندوں کو باخبر کیا۔ اب اپنے طور پر عالم صاحب یہ خبر جمال کو بتانے کے چل دیئے۔ مگر اس کی خبر تو اسی وقت جمال کو ہوگئی تھی کیونکہ ان کے سلب شدہ احوال جو بحال ہوگئے تھے۔ جب عالم صاحب جمال کے قریب پہنچے تو جمال نے خود ساری تفصیل ان کو بتائی اور ان کا از حد شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ یہ سب کچھ عالم صاحب کی مہربانی سے ہوا تھا۔

اب شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ اور عالم صاحب صبح کا بیقراری سے انتظار کر رہے تھے۔ کہ کب صبح ہو اور کب دونوں آپ کے پاس حاضر ہوں۔ اللہ اللہ کرتے ہوئے صبح ہوئی۔ دونوں نے ایک ساتھ نماز فجر ادا کی اور حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ کی طرف چل دیئے۔ خانقاہ میں جس وقت یہ دونوں پہنچے تو حضرت باباجی سرکار رحمۃ اللہ علیہ درس دے رہے تھے اور عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر خاموشی سے ہمہ تن گوش تھا۔ جیسے ہی دونوں صدر دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کیمیا جمال پر پڑی۔

آپ بے اختیار پکار اٹھے "ارے جمال یہ تم ہو۔ یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کیا کوئی اپنا جمال اس طرح بھی برباد کرتا ہے۔"

یہ کیا فرمایا آپ نے، کہ تمام حاضرین مجلس گریہ کرنے لگے۔ لوگوں کے رونے کی آوازیں واضح سنائی دے رہیں تھیں۔

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو آگے بلایا اور گلے سے لگایا۔ گلے سے لگانا تھا کہ جمال شیخ جمال بن گئے۔ یہاں پر آپ نے فرط محبت سے ارشاد فرمایا کہ آج سے میرا جمال قطب عالم ہے۔ اور پھر قطب عالم شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئے۔

اس کے بعد ان کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کسی مرید کو خلافت عطا فرماتے تو اس خلافت نامہ پر مہر شیخ جمال رحمۃ اللہ علیہ لگاتے اور اگر وہ نہ

لگاتے تو وہ خلافت نامہ معتبر نہ ہوتا اور آپ فرماتے کہ "اے فلاں! شیخ جمال کے پارہ کئے ہوئے کو میں سی نہیں سکتا۔"

غرق دریا کر دیا

حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ حضرت بابا فریدؒ کے پاس حاضر خدمت تھے حضرت بابا فریدؒ مریدین کو درس دے رہے تھے اور تمام ارادت مند بڑے ادب کے ساتھ درس سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ پوری خانقاہ میں فقط آپ کی آواز ہی گونج رہی تھی۔

اچانک ایک ملنگ بغیر اجازت لئے خانقاہ میں داخل ہوگیا۔ حالانکہ اس کو خدام نے منع بھی کیا۔ مگر وہ نعرے مارتا ہوا خانقاہ میں داخل ہوگیا۔ اس کے نعروں سے خانقاہ میں چھائی خاموشی تہہ و بالا ہوگئی اور تمام لوگوں نے مڑ مڑ کر اس ملنگ کو دیکھنا شروع کر دیا۔

حضرت بابا فریدؒ کو بھی خاموش ہونا پڑا۔ آپ نے درس روک کر اس کی طرف دیکھنا شروع کیا اور باطنی طور پر اس کا مشاہدہ کرنے لگے۔ نعرے مارنے کے بعد اس نے اونچی آواز میں بیباکی سے کہا کہ اے فرید تو بھی درویش ہے اور میں بھی درویش ہوں۔ اس لئے میرے ساتھ احترام سے پیش آ' اور میرے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کر۔ ایک عقیدت مند نے اس کو ٹوکا بھی مگر وہ تو حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔

آپؒ نے اپنے عقیدت مندوں سے فرمایا کہ "تم لوگوں کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ کسی کے ساتھ بدتمیزی اور بداخلاقی سے پیش آؤ۔ کیونکہ جس کے اندر جو ہوگا وہی باہر آئے گا۔ اس ذو معنی گفتگو کو بھی وہ ملنگ نہ سمجھ سکا اور اپنی بڑائی جتلاتا رہا۔

حضرت بابا فریدؒ نے کمال ضبط و تحمل کا مظاہرہ فرمایا کیونکہ یہی آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اپنے جذبات کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ آپ اس ملنگ سے

واقعی عاجز آگئے اور اس کو روانہ کرنے کے لئے اپنے عقیدت مندوں سے فرمایا کہ "ان صاحب کر کچھ دے دلا کر رخصت کر دیں۔" خدام نے فوری طور پر اس کو کچھ رقم دے اور بڑے ادب سے اس کو کہا کہ آپ اب تشریف لے جائیں۔ کیونکہ حضرت صاحب کے درس میں خلل پڑ رہا ہے۔

مگر ان کو تو کوئی اور ہی خیال دامن گیر تھا۔ وہ ملنگ رقم لے کر گویا اور تیز ہو گیا۔ حضرت کے عقیدت مندوں نے جب اس سے کہا کہ اب تو تمہیں رقم مل چکی ہے اب جاؤ۔ تو کہنے لگا کہ

> "اے فرید! ان سکوں کی بھلا میرے نزدیک کیا قیمت ہے۔ مگر میں محض تیری خاطر انہیں قبول کرتا ہوں اور تم لوگوں کو کیا معلوم کہ اگر یہاں اپنی گدڑی کو الٹ دوں تو یہاں زرو جواہر کے ڈھیر لگ جائیں۔"

اب اس کو بھلا کیا معلوم تھا کہ اس خانقاہ میں بڑے بڑے علماء و مشائخ تشریف رکھتے ہیں۔ اور وہ اللہ والے بھی حاضر ہیں جنھوں نے خود کو دنیا داروں سے پوشیدہ کر رکھا ہے۔ مگر اس نے اپنی لاف زنی کو بند نہ کیا بلکہ مزید خود پسندی پر اتر آیا۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے عقیدت مندوں کی طرف سے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں کوئی عقیدت مند اس کی بدتمیزی پر اس کو ایک آدھا چانٹا نہ رسید کر دے۔

آپ نے بڑے ادب سے ارشاد فرمایا کہ "جناب عالی! آپ کی بڑی نوازش کہ آپ تشریف لائے۔ بس آپ اب تشریف لے جائیں۔ اس فقیر کی جھونپڑی آپ کے کمالات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہ کام تو کسی بھی جگہ سرانجام دے سکتے ہیں۔ براہ کرم ان لوگوں کا وقت ضائع مت کریں۔"

لازمی بات ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو احساس تھا کہ لوگ دور دراز سے درس سننے کے لئے آتے تھے اور اگر اس طرح وقت برباد ہو جائے تو افسوس کے سوا کیا' کیا جا سکتا ہے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز تکلم نے ایک طرح سے اس کو مزید موقع فراہم کر دیا کہ وہ مزید گستاخ ہو جائے۔ وہ تو عادی تھا سخت کلمات سننے کا۔

مگر یہاں اس کو خلاف عادت ہر کوئی ادب سے پیش آرہا تھا۔ یہاں تک کہ صاحب مجلس بھی اس سے آپ جناب سے گفتگو کر رہے تھے۔

اب اس نے خانقاہ میں نظر دوڑانی شروع کی کہ کس چیز پر ہاتھ صاف کئے جائیں۔ اس کی نظر آپ کی کنگھی پر جاکر رکی۔ یہ کنگھی آپ نے مصلے کے قریب رکھی ہوئی تھی۔ اور حالانکہ وہ کوئی قیمتی چیز نہ تھی مگر آپ اس کی بے تکی باتوں سے عاجز آچکے تھے۔ کہنے لگا کہ "اے فرید مجھے وہ کنگھی دے دو۔ میں چلا جاؤں گا۔"

آپ نے اس کی بات کو سنی ان سنی کر دیا اور خاموشی سے اس کو دیکھنے لگے۔ لیکن آپ کی خاموشی نے اس کو مزید شیر کر دیا۔ اب اس کی بیباکی نے ایک اور رنگ اختیار کر لیا کہ خود کو صاحب کشف ظاہر کرنے کے لئے کہنے لگا۔

"اے فرید! کیا تو نے نہیں سنا کہ میں کہتا ہوں کہ یہ کنگھی مجھے دے دو۔ پھر تم دیکھو گے کہ تم پر کیسی کیسی برکتیں نازل ہوتیں ہیں۔"

اس نادان کو بھلا کیا معلوم تھا کہ سامنے بیٹھا ہوا شخص کن کن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل کر چکا ہے اور اس کا مرشد اور دادا مرشد اس کو کن چیزوں سے نواز چکے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ وہ آپ کے مرتبہ سے واقف نہ تھا۔ ورنہ اس قدر ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کبھی نہ کرتا۔ آپ کی ریاضتیں، مجاہدے، مشاہدے سب کچھ اس کی نظر سے دور بلکہ بہت دور تھیں۔ مگر اس مرتبہ آپ کو بولنا ہی پڑا۔ کیونکہ اس طرح وہ آپ کو برکتوں سے عاری بتلا رہا تھا۔ آپ نے بڑی انکساری سے فرمایا کہ

"حضور والا! میری قسمت میں جو برکتیں لکھی تھیں وہ تو میرے مرشد مجھے عطا فرما چکے۔ اب اگر دست غیر میں تمام سعادتیں سمٹ آئیں بھی تو میں ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھوں۔ میرے لئے میرے مرشد کی عطا کر دی برکتیں ہی کیا کم ہیں"

"تیرا مرشد بھلا تجھے کیا دے گا۔" اب اس کی ہرزہ سرائی بڑھی اور اس

نے نہایت گستاخانہ لب و لہجہ اختیار کیا۔ "برکتیں تو میں بانٹتا ہوں' سعادتیں تو میرے در سے تقسیم ہوتیں ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے اس جلال کی آمد نہ دیکھی جو اس کے اداکردہ الفاظ کے بعد حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے رخ انور پر نمودار ہو چکی تھی۔ کیا کوئی ایسا بھی ہے تو میرے مرشد پاک کی شان میں گستاخی کر سکتا ہے۔ آپ یہی سوچ جا رہے تھے اور اس ملنگ کی آواز خاموش نہیں ہو رہی تھی۔ آخر کار آپ کی پر جلال آواز گونجی۔

"میں نے تجھے تیری برکتوں سمیت دریا برد کر دیا۔"

اب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس ہی برخاست کر دی۔ کیونکہ اس قدر خراب ماحول ہو چکا تھا کہ حاضرین بھی اپنے آپ میں نہ رہے تھے۔ آپ جب اپنے کمرہ خاص کی طرف بڑھے تو عقیدت مند بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے کیونکہ یہی ادب کا تقاضا ہے۔ اس ماحول میں خود بخود ملنگ کے لئے باہر جانے کے سوا کوئی اور راستہ موجود نہ تھا۔ وہ اٹھا اور ہذیاں بکتا ہوا خانقاہ سے باہر چلا گیا۔

بعض لوگ اس کے تعاقب میں چلے کہ دیکھیں اب یہ کیا کرتا ہے۔ اس کا رخ دریا کی جانب تھا اور بدستور چیخ چیخ کر اپنی بڑائی بیان کر رہا تھا۔ اس نے دریا پر پہنچ کر سوچا کہ چلو اب ذرا نہا دھو کر تازہ دم ہو لیتے ہیں پھر خانقاہ فریدی سے حاصل شدہ رقم سے کچھ عیش کریں گے۔ مگر جیسے ہی اس نے دریا میں قدم رکھے۔ زیر آب ہو گیا۔ حالانکہ اس جگہ پانی اس قدر تھا کہ وہاں پر بچے نہایا کرتے تھے۔ مگر اس کو دریا میں غرق ہونا تھا۔ کافی دیر تک لوگ اس امید پر کھڑے رہے کہ ملنگ باہر کب آتا ہے۔ مگر اس نے باہر نہ آنا تھا نہ آیا۔ ان لوگوں نے گدڑی کو بھی اور اس کے اتارے ہوئے کپڑوں کو بھی دریا میں ڈال دیا۔ اور یوں آپ کے الفاظ پورے ہوئے کہ میں نے تجھے تیری برکتوں سمیت دریا برد کر دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے جلال کا ایک واقعہ کچھ یوں روایات میں ملتا ہے۔ کہ آپ کے مرید خاص حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ

"جب میں سر منڈا کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت سے ہو کر دہلی میں آیا تو آپ کا عطاکردہ کمبل کا خرقہ میں نے پہن رکھا تھا۔ یہ خرقہ پہنے ہوئے میں جامع مسجد کی طرف جارہا تھا کہ مجھے شرف الدین قیامی نے قریب بلایا۔ میں نے اس کو اپنے مرید ہونے اور خرقہ سے نوازے جانے کے بارے میں جب بتلایا تو وہ بہت سیخ پا ہوا۔

اس نے حضرت بابا فرید گنج ﷫ کی شان میں بھی نازیبا کلمات ادا کئے اور مجھے بھی۔ میں حالانکہ اس کو جواب دے سکتا تھا مگر میں نے صبرو برداشت سے کام لیا۔ پھر جب میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس واقعہ کی تفصیل آپ کو سنائی۔ جب آپ نے سنا تو آپ کے قلب اطہر پر رقت طاری ہوگئی اور آپ رونے لگے۔ میرے صبرو برداشت کرنے پر میری تعریف کی۔

اس واقعہ کو سن کر آپ پر جلالی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ نے گلوگیر آوازہ ہی کہا کہ "میرے خیال تو میں شرف الدین اس دنیا میں کوچ کر گیا۔ چنانچہ جب میں دہلی واپس پہنچا تو پتہ چلا کہ شرف الدین قیامی کی رحلت ہو چکی ہے۔

کرامات گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
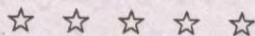
حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی کرامت تو گزشتہ اوراق میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ یعنی شکر والی۔ اس سلسلہ میں ہم نے آپ کی خدمت میں دو تین روایات پیش کیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر کرامات کا ذکر مناسب رہے گا۔ ویسے بھی یہ کرامت تو آپ کی اسی لافانی خطاب کی شکل اختیار کر گئی ہے کہ آپ کا نام ہی اصل میں یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے حالانکہ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سب سے بڑی اور معروف کرامت ہے لیکن ہم اس باب میں یہاں محض اتنا ہی عرض کریں گے۔

اس کے علاوہ آپ کی ایک کرامت آپ "جلال فریدی" کے عنوان سے بھی گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ حالانکہ میں نے اس کو باب جلال فریدی میں رقم کیا ہے اور یہ ہے بھی جلال ہی مگر اصل میں یہ آپ کی کرامت ہی تھی کہ شیخ جمال چاہنے اور حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی تصرفات کے باوجود ہانسی سے ملتان نہ جاسکے بلکہ ایک حد تک خود سے ہی بے گانہ ہوگئے۔ اس کو کرامت اگر نہ کہا جائے گا تو بھلا اور کیا کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ آپ نے گزشتہ اوراق میں ایک فقیر کا یعنی ملنگ کا واقعہ بھی ملاحظہ کیا ہے جس میں آپ نے اس ملنگ کو غرق دریا کر دیا۔ تو یہ واقعہ بھی یقیناً کرامت ہی کے ذیل میں آئے گا۔ ان واقعات کی تفصیل ہم آپ کی خدمت میں

پیش کر چکے ہیں۔ اب چند چیدہ چیدہ کرامات پیش خدمت ہیں۔

کرامت کیا ہے

آپ کی کرامات تحریر کرنے سے قبل میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ کرامات کے موضوع کو کیوں نہ زیر بحث لایا جائے کرامت کیا ہے اور کس واقعہ کو ہم کرامت کہہ سکتے ہیں۔ تو جناب کرامت یہ ہے کہ کسی بھی ولی سے یا صاحب کرامت شخص سے کبھی بھی خلاف شرع نہ تو ظاہر ہو اور نہ طبع پر اثر کرے۔ یہ ظاہرا" بھی ہے اور خفیہ بھی۔ یعنی ظاہری طور پر بھی اور خفیہ یعنی جب کسی کو نظر آنے کا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت بھی خلاف شرع کوئی عمل نہ ہو اگر باشرع نہ ہو تو کرامت کا ظہور اس سے ممکن نہیں ہو سکتا۔

اور اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آجائے جس کو ہم خلاف عادت کہہ سکیں تو یہ محض اتفاق ہو گا۔ کیونکہ اولیائے کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد فقیر اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ کوئی بھی ولی اللہ شریعت کی پابندی سے خود کو ماورا نہیں سمجھتا اور انہوں نے اپنے مریدین کو بھی اسی قسم کی ہدایات سے سرفراز فرمایا۔ اسی کتاب میں آپ نے ملاخطہ فرمایا ہو گا کہ حضرت بابا فرید جب حصول تعلیم کے سلسلہ میں ملتان سے تشریف لے گئے تو آپ کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے ہوئی جو شب بھر نوافل پڑھتے تھے اور طہارت کا اسقدر خیال تھا کہ ہر اجابت کے بعد غسل ضرور کیا کرتے تھے کیونکہ ان کے شکم میں خرابی تھی۔

یعنی ایک پارسا بزرگ بھی عبادت کے بغیر خود کو مکمل نہیں سمجھتا ہیں میں بھی عرض کر رہا تھا کہ صاحب کرامت شخص کے لئے شریعت پر مکمل طور پر عمل کرنا پہلی شرط ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کرامات کے ظہور کا دعویٰ بھی کرتا ہو اور شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلو تہی کرے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت غوث پاک سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا بھی نہایت معروف ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ ابوبکر حمامی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ایک صاحب کشف و کرامت ولی اللہ تھے۔ مگر شریعت کے معاملے میں کبھی کبھار کوتاہی کر جایا کرتے تھے۔

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تمام احوال کو اپنی روحانی قوت کے ذریعہ سلب کر لیا تھا اور جب ان کو دیکھا کہ یہ اب ٹھیک طریقہ سے شریعت پر عمل کریں گے تو ان کے احوال کو بحال کر دیا۔ واقعہ کافی طویل ہے اس لئے اختصار سے عرض کیا ہے۔ بات میں یہ کر رہا تھا کہ اصل بات ہے شرع پر مکمل پیرا ہونے کی اور دوسری بات ہے کہ جو لوگ جوگیوں اور جادوگروں کے کمالات سے دھوکہ کھا کر یہ کہتے ہیں کہ بندہ صاحب کرامت ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ جوگی اور جادوگر نظر بندی کے ماہر ہوتے ہیں۔

کرامت کی اقسام

1- پہلی قسم جیسا کہ ابوالشیخ کتاب لعظیمۃ، تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی میں درج ہے کہ "علم بھی ہو اور ارادہ بھی ہو۔" یعنی صاحب کرامت کو اس کرامت یا خلاف عادت فعل کا علم ہونا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ بعد میں معلوم ہو تو خود بھی حیران رہ جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس بندے کا ارادہ بھی ہو۔ یعنی بلا کسی ارادہ کے کرامت کا ظہور نہیں ہو سکتا جیسا کہ حضرت عمر فارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے دریائے نیل کا جاری ہونا۔ اس بات کا آپ ؓ کو علم بھی تھا اور آپ کا ارادہ بھی تھا۔

اس کے علاوہ دلائل نبوت بیہقی اور ابونعیم وچوتی الحیوان دمیری میں درج ہے کہ جیسا کہ حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا زہر ہلاہل پی جانا اور زہر کا آپ پر اثر نہ کرنا۔ اس میں بھی یہ بات ثابت ہے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو زہر کے متعلق علم تھا کہ یہ انتہائی مہلک زہر ہے اور آپ کا پی جانے کا ارادہ اور اس زہر سے بچ جانے کا بھی ارادہ بفضل تعالیٰ تھا۔

بزرگان و صالحین نے اس قسم کو سب سے افضل قرار دیا ہے کہ یہ دونوں باتیں اگر ہوں تو صاحب کرامت کی افضیلت مسلمہ ہے۔

2- دوسری قسم یہ بیان کی گئی ہے کہ علم تو ہو مگر ارادہ نہ ہو۔ اب یہ

کرامت اصل میں منجانب اللہ تعالیٰ ہے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کی مہربانی یا اپنے بندے پر فضل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ اس کو معلوم تو ہو کہ اس کے ساتھ یہ عمل ہو رہا ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضرت بابا فرید گنج شکر جب حصول تعلیم کے سلسلہ میں جب بغداد تشریف لے گئے تھے تو آپ کی ملاقات دریائے دجلہ کے قریب ایک غار میں مقیم ایک بزرگ سے ہوئی جو کہ مدت سے اس غار میں مقیم تھے مگر صبح و شام ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں ازغیب سے آتیں تھیں اس کا ان کو علم تو تھا مگر ان کا ارادہ ہرگز نہ تھا۔

اسی طرح حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے پاس بے موسم کے پھلوں اور میوہ جات کا آنا۔ ان کو بھی علم تو تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چیزیں بطور انعام ان کو ملتیں ہیں مگر ان کا اس بارے میں کوئی ارادہ نہ تھا۔ یعنی ان کے ارادے یا خواہش کے مطابق یہ چیزیں ان کو نہیں ملتیں تھیں۔

3- تیسری قسم وہ بیان کی گئی ہے کہ جس میں نہ تو علم ہو اور نہ ہی ارادہ ہو۔ یعنی بالکل غیر متوقع واقعہ رونما ہونا اور بعد میں معلوم ہونا کہ یہ کیا ہے۔ اس کی مثال بزرگان دین نے یہ بیان کی ہے کہ جیسا کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دوگنا تین گنا ہو جانا۔ اسی لئے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر تعجب ہوا۔ جس سے ان کے علم و ارادہ کا پہلے سے نہ ہونا ہی ثابت ہے۔

کرامت کی ان تینوں اقسام میں پہلی قسم پر تصرف و ہمت کا اطلاق کیا جاسکتا ہے دوسری اور تیسری اقسام کو تصرف نہیں بلکہ برکت اور کرامت کہہ سکتے ہیں۔

یہ بھی سچ ہے کہ اولیائے کرام کے ہاتھوں کرامات کا ظہور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔ جس سے مقصود یہ بھی ہوتا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ یعنی خلاف عادات کام ظاہر کروا کر اپنے مقرب بندے کی عزت افزائی کرانا چاہتا ہے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کرامت دراصل ایک ولی اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہوتی

ہے۔

اسی طرح بعض اولیاء کاملین سے کرامات کا ظہور نہیں ہوتا اور بعض کو قوت تصرف ہی حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ تسلیم و تفویض ہی ان کی کرامت تصور کی جائے گی۔ اس لئے کرامت کو ولایت سے یا ولایت کو کرامت سے مشروط کرنا جائز نہیں کیونکہ بعض صحابہ کرام سے ایک بھی کرامت ظاہر نہیں ہوئی حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سبھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اولیائے کاملین سے بھی افضل ترین درجہ پر تھے۔ کیونکہ فضیلت کا دارومدار تو قرب الٰہی اور عبادت میں فضیلت پر ہے۔ کرامت دکھانے پر نہیں۔

شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اہل کرامت نے بوقت وصال یہ تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کرامات کا ظہور نہ ہوا ہوتا تاکہ ہمیں اس کا عوض بھی آخرت میں حاصل ہو۔

اس کے علاوہ اس بات کے بھی ثبوت موجود ہیں کہ بعض اولیائے کاملین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن سے بعد از انتقال بھی خوارق و تصرفات ظاہر ہوتے رہے اور یہ بات حد تواتر کو پہنچ گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے اور بڑے بڑے مشائخ عظام نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے اور ان سب میں شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سرفہرست ہیں۔

کرامات کی دو مزید اقسام

کرامات کی دو مزید اقسام بھی بزرگوں نے بتلائی ہیں۔ ان میں پہلی تو حسی ہے۔ عام طور پر حسی کرامت کو لوگ کرامت سمجھتے اور جانتے ہیں۔ یعنی اس کو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دل کی بات معلوم کر لینا' پانی پر چل کر دکھانا' ہوا میں اڑنا' ایک ہی وقت میں متعدد جگہ نظر آنا' زمین میں دھنس کر اندر ہی اندر تیر کر اوپر آجانا' ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ جانا اور بے موسمی پھلوں کو مہیا کر دینا۔

یہ چیزیں تو مسلسل ریاضت سے جوگی اور غیر مسلم بھی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ شریعت پر عمل پیرا نہ ہونے والا بھی مسلسل ریاضت یا بسبب بشمول امور طبیعت مثلاً مسمریزم، ہمزاد، عملیات نقوش، طلسمات، شعبدہ بازی، کیمیکل کی تاثر، سحر اور نظر بندی سے بھی، بعض تو ان میں سے خیالی چیزیں ہیں اور بعض واقعی ہیں بھی جو اسباب طبیعت خفیہ سے متعلق ہیں۔ مگر ایک بات تو صاف ہے کہ کرامات ان سب چیزوں سے پاک صاف ہے اور میری رائے میں تو اگر کسی ولی کامل سے فیض حاصل کرنا مقصود ہو تو ان سے کرامت کی توقع یا مطالبہ کرنا مناسب نہیں۔ اس طرح کرامت تو بھلے کوئی دیکھ ہی لے مگر فیض حاصل نہیں کر سکتا۔

دوسری قسم یہ بیان کی گئی ہے جس کا نام "معنوی" ہے یعنی معنوی کرامت، خواص، اہل بصیرت، اہل نظر بزرگوں کے نزدیک بڑا کمال ہی کرامت معنوی ہے، یہی اصل ہے جس کا حاصل شریعت پر مستقیم رہنا، مکارم اخلاق کا خوگر ہونا، اعمال صالح، نیک کاموں کا پابندی اور بے تکلفی سے صادر ہونا، اخلاق رزیلہ، تکبر، حسد ریا، کینہ، حب جاہ، حب مال، حب دنیا، حرص، طمع، غصب وغیرہ تمام صفات مذموم سے پاک ہونا اور کوئی سانس غفلت میں نہ جانا۔ گناہوں کا طبی نفرت تک پہنچ جانا، ہر کام میں بے ارادہ اتباع سنت کا ہونا۔

یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال نہیں۔ بخلاف پہلی قسم کے یعنی حسی کرامت میں۔ جس میں کہ استدراج کا احتمال موجود ہے۔ اسی لئے کاملین ظہور کرامات کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہ کہیں استدراج نہ ہو ای اس سے نفس و خودرائی نہ ہو جائے یا اس کی وجہ سے شہرت و امتیاز ہو کر باعث ہلاکت نہ ہو جائے۔

اس تمہید کے بعد آیئے اب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی چند کرامات ملاحظہ فرمائیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ پہلے دلی پھر ہانسی میں مقیم رہے اور طالبان حق کو فیض پہنچاتے رہے۔ اب آپ نے جب یہ سنا کہ ایک علاقہ اجودھن نامی ایسا ہے کہ جہاں حالانکہ اہل اسلام بھی موجود ہیں مگر ہندو جوگی اور جادوگروں

نے وہاں کے معصوم لوگوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ یعنی معصوم لوگوں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس میں کسی مذہب کی قید نہ تھی۔ وہ ہندو جوگی اور جادوگر ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں مذاہب کے لوگوں کو تنگ کر رہے تھے۔ اس لئے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جگہ کو منتخب فرمایا اور آپ کی کرامات سے اس جگہ کو بفضل تعالیٰ اہل اسلام کا مسکن بننا نصیب ہوا۔

روایت ہے کہ اجودھن میں وارد ہوئے ابھی حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک روز ایک خاتون اس وقت آپ کے قریب سے گزری جبکہ آپ اپنے مریدین کے ساتھ ایک درخت کے سایہ میں گفتگو فرما رہے تھے۔ لباس اور وضع قطع کے اعتبار سے یہ ایک ہندو خاتون دکھائی دیتی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس خاتون کی خیرو عافیت دریافت کی۔ کیونکہ یہاں سے گزرنا تو اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ اور آپ جانتے تھے کہ اس حلیہ میں ہندوؤں کی نیچ ذات کی خاتون ہی ہو سکتی ہے۔

چونکہ آپ کا زیادہ تر وقت انہی علاقوں میں گزرا تھا جہاں آپ ہندو مذہب کے پیروں کو دیکھتے رہے تھے۔ اس لئے آپ کو زیادہ مشکل پیش نہ آئی۔ آپ کو معلوم تھا کہ ہندو مت میں نیچ ذات کے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے اور ان کو کس طرح انسانوں سے بھی بدتر سلوک کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ نے اس خاتون سے خیروعافیت دریافت کی۔

اس قسم کی گفتگو تو اس ہندو خاتون کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ ایک پاکیزہ شخص جو کہ پاکیزہ لوگوں کا سردار نظر آرہا ہے اس سے اس ہمدردی سے بات بھی کر سکتا ہے۔ وہ تو پھٹکاروں کی عادی تھی۔ آپ نے اس سے کہا کہ اے خاتون تم مجھے کچھ پریشان پریشان نظر آتی ہو۔ اگر مجھے تم اپنی پریشانی بتلاؤ تو شاید میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس کو دور کردوں۔ پہلے تو وہ کچھ ہراساں ہوئی مگر بعد میں بولنے پر آمادہ ہوئی۔ اس نے کہا کہ وہ اجودھن میں آباد گوالوں کے ایک خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کا آبائی کام ہی دودھ فروخت کرنا اور اسی سے گزر اوقات کرنا ہے۔

اس خاتون نے مزید بتایا کہ وہ ایک بیوہ خاتون ہے اور برسوں سے دودھ بیچ کر اپنا اور اپنے بچوں کا گزر اوقات کر رہی ہے۔ مگر کچھ ہی عرصہ ہوا کہ ایک عجیب و غریب مشکل میں گرفتار ہو گئی ہے۔ یہ بتاتے ہوئے وہ مسلسل گرد و پیش کا بغور جائزہ لیتی رہی جیسے اس کو کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔

اس کی جذباتی و ذہنی کیفیت کا اندازہ حضرت بابا فرید ﷫ سے بڑھ کر بھلا اور کون کر سکتا تھا۔ آپ ﷫ نے اس کی جذباتی و ذہنی کشمکش کا اندازہ کرتے ہوئے اس سے ارشاد فرمایا کہ

"بی بی! تم قطعی خوف محسوس نہ کرو۔ حالانکہ ہم لوگ تمہارے ہم مذہب تو نہیں ہیں۔ مگر یقین جانو کہ ہمیں تمہارے ساتھ مکمل ہمدردی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہارے کسی کام آجائیں اپنی پریشانی ہمیں بتاؤ۔ اور خود کو ہلکان مت کرو۔"

یہ باتیں سن کر اس خاتون کو کافی ڈھارس بندھی ان لوگوں کے متعلق تو پورے اجودھن میں ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ یہ مسلم صوفی جس پر مہربان ہو جائیں اس کا بیڑہ پار ہو جاتا ہے۔ مگر دوسری طرف ہندو مذہب کے سرکردہ افراد مخالفت میں پیش پیش تھے کیونکہ ان کے خیال میں یہ غاصب لوگ تھے کیونکہ انہوں نے یعنی مسلمانوں نے ہندوؤں کے ملک پر دیار غیر سے آکر قبضہ کر لیا تھا اور ان لوگوں پر حکمرانی بھی کر رہے تھے۔ لازمی بات ہے کہ ان کے دلوں میں فاتحین کے لئے تو کوئی ہمدردی پیدا نہیں ہو سکتی تھی اور یہ بھی ان کا خیال درست تھا کہ ان صوفی لوگوں کے پاس مت جانا کیونکہ یہ قدیم ترین مذہب سے نفرت پیدا کرنے والے ہیں۔

یہ بات تو سچ ثابت ہوئی کہ جو بھی ہندو کسی مسلم صوفی کے قریب ہوا پھر وہ لازمی طور پر ہندو مت سے دور ہو گیا۔ اس نے پھر پلٹ کر اپنے قدیمی مذہب کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہی نو مسلم افراد نے ملک ہندوستان میں دین کی تبلیغ و ترویج کی۔ اس میں کوئی شک و

شبہ نہیں کہ ان کی تربیت کرنے والے مسلم بزرگان دین ہی تھے۔ جنہوں نے ان کے دل و دماغ میں سے توہم پرستی نکال کر دین متین کی حقانیت بھر دی تھی۔

چنانچہ اس خاتون نے اطمنان کا سانس لیتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ "جناب عالی! اب تھوڑے دنوں سے ایسا معمول بن گیا ہے کہ روزانہ ہی مجھے جوگی اور پنڈت تنگ کر رہے ہیں۔ ان کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ تمام دودھ میں ان کو دے دوں۔ بعض دن تو میں نے انہیں دودھ دے بھی دیا۔ مگر روزانہ ان کو دودھ دے دوں تو پھر میرے گھر میں تو چولہا نہیں جلے گا۔ میرے تو بچے بھوکے مر جائیں گے۔ اس لئے میں نے ان کو بتایا کہ اگر میں تم کو دودھ دوں گی تو قیمت لوں گی۔ کیونکہ یہ میری مجبوری ہے۔ میرے بچوں کا واحد سہارا یہی دودھ کی کمائی ہے۔ مگر انہوں نے ہمدردی کی بجائے یہ کہا کہ اگر میں ان کو تمام دودھ نہیں دوں گی تو میرا تمام دودھ خراب ہو جائے گا۔

میں نے ان کی دھمکی کو کسی قسم کی اہمیت نہ دی اور چل پڑی۔ مگر دوسرے دن جب میں دودھ برتنوں میں بھر کر بیچنے نکلی تو تمام دودھ میں کیڑے بھرے پڑے تھے۔ میں نے دیکھا کہ تین روز یہی ہوتا رہا۔ آخر میں سمجھ گئی کہ یہ انہی جوگیوں کا ہی کام ہے۔ چنانچہ میں روتی پیٹتی ان کے پاس گئی اور بڑے دردمندانہ انداز میں ان کو اپنی بپتا سنائی۔ مگر انہوں نے اپنے مطالبے سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔ میں نے ان کو یہ بھی کہا کہ میں ان کو آدھا دودھ دے دیا کروں گی۔ مگر وہ لوگ نہ مانے۔

ان لوگوں نے مجھے اب ایک نئی دھمکی دی کہ تمہارے مویشی اور تمہارے بچوں کو بھی ہم مار ڈالیں گے۔ ان بچوں کو میں کس طرح مرنے دیتی جن کے سہارے زندہ۔ اس لئے اب میں سارا دودھ ان ظالموں کو دے رہی ہوں اور گاؤں والوں سے قرض لے کر اپنے بچوں کا پیٹ بھر رہی ہوں۔ مگر سوچتی ہوں کہ یہ سلسلہ آخر کب تک چلے گا۔

حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ اس خاتون کی درد بھری داستان سے ملول ہو کر رہ گئے۔ یہ لوگ بھی اپنے مذہب کے سرکردہ افراد تھے اور اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کی

زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ حالانکہ کائنات میں کوئی مذہب بھی لوگوں کو تنگ کرنے کا درس نہیں دیتا۔ لیکن ان لوگوں نے اپنے مذہب کو ایک مذاق بنا رکھا تھا۔ آپ نے اس خاتون کو دلی طور پر تسلی دی۔ اور ارشاد فرمایا کہ "بی فقط چند روز انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ خود ہی اسباب پیدا فرمادے گا۔ تھوڑا مزید صبر کرو۔"

اس خاتون نے بڑی امید سے آپ کی طرف دیکھا اور پر یقین نظر آنے لگی کہ شاید یہ صوفی حضرات اس کی پریشانیوں کا مداوا ثابت ہوں اور اس کی سختی ایام ختم ہو جائے۔ کیونکہ ایک عرصہ سے وہ مسلم صوفیائے کرام کے متعلق سنتی آرہی تھی کہ وہ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتے ہیں اور لازمی بات ہے کہ اس نے بڑے بڑے بزرگوں کے نام سن رکھے تھے اور ان کے کارناموں سے بھی بخوبی واقف تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں تو یہ موضوع ہر طرف زیر بحث تھا۔ ان صوفی بزرگوں نے صحیح معنوں میں ہزاروں سال پرانی تہذیب کو بدل کر رکھ دیا تھا اور ایک نیا معاشرہ معرض وجود میں آیا تھا ایک ایسا معاشرہ جس میں معاشرہ کے ہر فرد کے لئے تحفظ تھا۔ جس میں عورتوں کو ان کے مردہ شوہروں کو ساتھ جلایا نہیں جاتا تھا۔ کوئی پنچ نہ تھا اور کوئی اچھوت نہ تھا۔

اس خاتون کو مخاطب فرما کر حضرت بابا فرید گنج شکر نے فرمایا "بی بی! ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کے مقدر کا کوئی مالک و مختار نہیں ہے۔ اللہ ہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اگر تم ان جوگیوں اور پنڈتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ جو کہ صرف ایک ہے سے ڈرنے لگو کو پھر تم دیکھنا کہ یہ جوگی اور پنڈت تم سے خوف کھایا کریں گے۔ اسی میں تمہارا، تمہارے بچوں اور تمہارے مویشیوں کا تحفظ ہے۔

آج تک تم جس کی پوجا کرتی آئی ہو وہ تو پتھر کا ایک بے جان مجسمہ ہے جو اپنی مرضی سے ایک ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ پھر تم یہ کیسے سمجھ سکتی ہو کہ وہ تمہارے مقدر بدل دے گا۔ وہی اللہ ہے جو ہر جاندار اور غیر جاندار کا مالک ہے۔"

ابھی سوال و جواب کا سلسلہ جاری تھا کہ اس اثناء میں جوگیوں کے چیلے ایک گروہ کی صورت میں آتے دکھائی دیئے۔ چونکہ اس زمانے میں آبادی برائے نام تھی۔ اس لئے دور ہی سے لوگوں کو نظر آجاتا تھا کہ کوئی آرہا ہے۔ ان چیلوں کی آوازیں سن کر سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن اس عورت پر تو جیسے دہشت چھا گئی اور قبل اس کہ وہ بھاگنے کا ارادہ کرتی آپ نے اس کو بڑے پیار سے کہا کہ "بی بی ہماری موجودگی میں تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ ہمارے ہوتے ہوئے وہ لوگ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔"

اس دوران چیلوں کی جماعت درخت کے نزدیک آکر رک گئی۔ یقینی طور پر وہ لوگ اسی خاتون کی تلاش میں آئے تھے اور ان کو دودھ کا انتظار تھا۔ اس خاتون کو دیکھتے ہی انہوں نے انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ "تو یہاں کس قدر مزے سے باتیں کر رہی ہے اور ادھر گرو جی مہاراج دودھ کے منتظر ہیں۔ تو نہیں جانتی کہ آج تیری خیر نہیں۔
"

لیکن ابھی یہ وقت نہیں آیا تھا کہ اہل ایمان پر کوئی کافر حکم چلائے ان چیلوں کی طرف آپ نے مسکرا کر دیکھا اور فرمایا کہ ارے میاں صاحبزادو! اس خاتون کو تو ہم نے یہاں روک لیا تھا۔ ایسا کرو کہ تم لوگ بھی یہاں ہمارے پاس بیٹھو۔ کچھ اپنی باتیں کرو کچھ ہماری سنو۔"

مگر یوں لگتا تھا کہ اب وہ کچھ بھی سننے اور سنانے کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔ اس عورت نے دیکھا کہ وہ منہ زور چیلے نہایت تابعداری سے زمین پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے وہاں قالین آراستہ کیا گیا ہے اسی طرح جوگی نے پے در پے اپنے چیلوں کو روانہ کیا مگر وہ آپ کے پاس آتے تو پھر جانے کے قابل نہ رہتے۔ دودھ کو حاصل کرتے ہوئے وہ تو اپنے چیلوں سے بھی محروم ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ جو لوگ دلی سے آئے ہیں دودھ فروخت کرنے والی خاتون اور اس جوگی کے چیلوں کو انہی لوگوں نے روک رکھا ہے۔

وہ ایک سمجھ دار شخص تھا اور اس کو بخوبی علم تھا کہ جادو ٹونے، نظر

بندی اور لوگوں کو بیوقوف بنانے کے شعبدے تو عرصہ دراز ہوئے ان مسلم صوفی حضرات نے بیکار کر دیئے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاتھوں لاہور اور اجمیر میں بڑے بڑے عظیم جادوگر منہ کی کھاکر ذلیل و خوار ہو چکے تھے۔ لاہور تو اس جوگی سے زیادہ نزدیک تھا۔ اس لئے اس کو معلوم تو تھا ہی کہ اس شہر میں ایک بہت بڑا پنڈت رہا کرتا تھا جو کہ بعد میں خود بھی ایک صوفی حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا تھا اور اس کا پورا خاندان بھی۔ اس لئے وہ ان صوفی حضرات کے پاس جانے سے کترا رہا تھا۔

لیکن اب صورت حال یہ تھی کہ اس کے پاس دو تین چیلے رہ گئے تھے۔ اب تو اس کو اپنا بھرم رکھنے کے لئے جانا ہی تھا۔ وہ جب حضرت بابا سرکارؒ کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے تمام منتر جنتر آزمانے شروع کر دیئے۔ مگر آج تو یوں لگتا تھا کہ جیسے اس کے جنتروں منتروں میں تاثیر ہی نہیں۔ آج اس کو معلوم ہوا کہ اس کی ساری زندگی کی ریاضت اور مشقت رائیگاں چلی گئی۔ آخر تھک ہار کر اس نے حضرت صاحب سے کہا کہ آپ لوگ کس شرط پر میرے چیلوں کو آزاد کر سکتے ہیں۔ آپ مسکرائے اور سمجھ گئے کہ اب یہ جوگی اپنے تمام حربوں کو ناکام ہوتا دیکھ کر ہم سے بولنے پر مجبور ہوا ہے۔ آپ نے اس کو فرمایا کہ "ارے میاں صاحب! ہم آپ سے تو کوئی مطالبہ نہیں کر رہے۔ ہماری تو عرض ہے کہ آپ معصوم لوگوں کو تنگ مت کیجئے اور اگر آپ اپنے چیلوں سمیت یہ وعدہ کریں کہ آئندہ آپ معصوم صفت لوگوں کو تنگ نہیں کریں گے تو آپ بڑی خوشی کے ساتھ اپنے چیلوں کو لے جائیں۔ یہ ہم نے فقط آپ کو بلوانے کے روک رکھے تھے۔"

حضرت بابا فریدؒ کی فصیح و بلیغ گفتگو سن کر اس جوگی کا برا حال ہو گیا کہاں تو وہ جب آیا تو اس کا انداز تکبر سے بھرپور اور لہجہ بدتمیزی سے بھرا ہوا تھا۔ مگر جب یہ صوفی بولا تو گویا کہ تہذیب و شائستگی کا دریا موجزن ہو گیا۔ نہ کوئی دھمکی نہ کوئی غلط اعلان۔ بلکہ ایک مشورہ۔ اس کی ریاضت اس کو بتا رہی تھی کہ یہ صوفی بہت بڑا بزرگ ہے اور جوگی مہاراج اس کے مقابلے میں صفر ہیں۔

اس جوگی نے بہتیرے گیان دھیان کئے مگر اس کو یہ تو معلوم نہ تھا کہ اس بظاہر پھٹے پرانے پیوند لگے کپڑوں میں کس کا شاگرد اور کسی کا مرید بیٹھا ہوا ہے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس نے اپنے تمام حربوں کو ناکام دیکھ کر پسپائی اختیار کرلی اور وعدہ کر لیا کہ اب ہم اجودھن کو خیرباد کہہ دیں گے اور کسی دوسری جگہ بسیرا کرلیں گے۔ آپ ان چیلوں کو رہا کر دیں۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود شکرؒ کی اس کرامت کی دھوم نا صرف اجودھن بلکہ دور تک سنی گئی۔ جب یہ خبر ملتان پہنچی اور لاہور پہنچی تو اہل ایمان کے ایمان تازہ ہوگئے اور باطل طاقتوں کے لئے لمحہ فکریہ پیدا ہو گیا کہ اب پورے ملک ہندوستان میں ان سے خوف کھانے والے کم ہونا شروع ہو جائیں گے۔ مگر دوسری طرف وہ طبقہ جو ایک تو مفلوک الحال تھا اور دوسرے یہ کہ ان سے غیر انسانی سلوک بھی روا رکھا جاتا تھا۔ اس طبقہ میں گویا کہ زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ آپ کی اس علاقہ میں پہلی ہی کرامت ایسی تھی کہ دھڑا دھڑ لوگوں نے آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر واحدانیت کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی اور پھر تاریخ گواہ ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اجودھن جو کہ اب پاک پتن شریف بن گیا تھا اس میں ہندوؤں کو تلاش کرنا مشکل ہو گیا۔

مٹی سونا بنا دی

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی ایک اور کرامت بھی بہت مشہور و معروف ہے روایت ہے کہ پاکپتن شریف میں آپ کے قیام کے ابتدائی ایام تھے کہ آپ کے پاس ایک غریب خاتون حاضر ہوئی۔ یہ دراصل نو مسلم خاتون تھی اس نے بھی دیگر لوگوں کی طرح آپ کی کرامات کے خوب چرچے سن رکھے تھے۔ اس کو اپنی تینوں بیٹیوں کے بیاہ کے لئے جب ضرورت محسوس ہوئی تو وہ بجائے اس کے کہ اپنے کسی عزیز رشتہ دار کا دروازہ کھٹکھٹاتی آپ کے در اقدس پر حاضر ہو گئی۔

اس عمر رسیدہ خاتون نے حضرت بابا گنج شکر کو بتایا کہ وہ ایک بیوہ

خاتون ہے اور اس کی تینوں بیٹیاں اب شادی کے قابل ہو چکی ہیں۔ ان کی شادی پر اٹھنے والے اخراجات کے سلسلہ میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔

اس نے نہایت گلوگیر آواز میں بتایا کہ اس کا آپ کے سوا کوئی آسرا نہیں ہے اور اب آپ ہی اس کی مشکل آسان کر سکتے ہیں۔ آپ نے اس بے بس خاتون کی طرف دیکھا اور آخر خاموشی توڑتے ہوئے فرمایا کہ "بی بی! اصل سہارا تو اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور مجھے بھی اسی کا سہارا ہے۔"

اب وہ ٹھہری ایک نو مسلم خاتون، بھلا وہ ان باتوں کو کیسے سمجھ پاتی۔ یہ باتیں تو بڑی مشکل سے ہی سمجھ آتی ہیں۔ آپ کا ارشاد بھی اس کی تشفی نہ کر سکا۔ اس نے رونا شروع کر دیا اور ایک ہی بات کو دہراتی چلی گئی کہ مجھے تو آپ کی سخاوت سے بڑی امیدیں ہیں۔ آپ سخی ہیں اور آپ کے بڑے بڑے کارنامے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کی چیخ و پکار سے مجبور ہوگئے اور اس کو فرمایا کہ "بی بی جاؤ اور خانقاہ کے باہر سے ایک مٹی کا ڈھیلا لے آؤ۔" اب آئی تو وہ اصل میں کرامت ہی دیکھنے تھی۔ مگر اس کی کرامت کے اصل مفہوم کا علم نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ آپ اس کو فوری طور پر کچھ نہ کچھ عطا کر دیں گے۔ مگر حکم کی تعمیل اس نے کی اور ایک ڈھیلا اٹھا کر جھاڑتی ہوئی چلی آئی۔ مگر دل میں عجیب وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔

آپ نے اس خاتون سے ڈھیلا لے کر اونچی آواز میں تین مرتبہ سورہ اخلاق پڑھی اور اس ڈھیلے پر دم کر دیا۔ دم کرنے کی دیر تھی کہ وہ ڈھیلا مٹی سے سونے کی ڈلی میں تبدیل ہوگیا۔ عقیدت مندوں نے نعرے لگائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر شروع کر دیا۔

اس خاتون نے جو ایک ڈھیلا سونے کی ڈلی بنتے دیکھی تو اس کے حواس بھی جواب دینے لگے۔ اس کی آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بی بی خاموش کیوں ہو گیا یہ تمہاری بیٹیوں کی شادیوں کے لئے کافی نہیں ہے۔

اس خاتون نے بمشکل بولتے ہوئے عرض کیا کہ یہ کافی نہیں بلکہ بہت کافی ہے۔ اس کو فروخت کر کے تو میں شادیوں کے بعد بھی خرچ کرتی رہوں گی۔ آپ نے اس کو صبر اور توکل کی تلقین فرمائی اور اس کو خانقاہ سے رخصت کر دیا۔

اس نو مسلم خاتون نے ایک عمل حضرت بابا صاحب ؒ کا دیکھا تھا کہ آپ نے سورہ اخلاص ہی تین مرتبہ پڑھی تھی۔ اب اس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ یہ عمل وہ بھی کرے۔ چنانچہ اس نے غسل کر کے خوشبو لگا کر مٹی کے ڈھیلوں کو سامنے رکھ کر سورہ اخلاص پڑھنا شروع کر دی۔ مگر یہ کیا۔ تین تو کیا تین سو مرتبہ بھی پڑھنے سے اور دم کرنے سے ڈھیلے سونا نہ بن سکے۔ بلکہ کمرے میں گرد ضرور اڑنے لگی۔

آخر تھک ہار کر اس نے بابا صاحب کی خدمت حاضری دی اور آپ کو بتایا کہ جس عمل سے آپ نے مٹی کو سونا بنا دیا تھا اس عمل کو میں نے بھی اختیار کیا مگر مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ براہ کرم میری رہنمائی فرمائیں۔ آپ نے اس کو ٹالنے کی کافی کوشش کی۔ مگر اس نے اپنی تکرار جاری تھی۔

آخر آپ نے ارشاد فرمایا کہ

"بی بی! سنو تم نے سارے لوازمات ضرور پورے کئے ہوں گے۔ مگر اس مقام کو حاصل کرنا کوئی آسان تو نہیں ہے۔ اس کے لئے فرید جتنی عبادت اور ریاضت کی ضرورت ہے۔ جو تم نے نہیں کی۔"

توبہ کرنے والے کی حفاظت

اس کرامت کو یوں روایت کیا گیا کہ دلی میں ایک امیر کبیر شخص تھا۔ اس کے شب و روز عیش و عشرت میں گزر رہے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ اس کا دل توبہ کی طرف مائل ہوا۔ اس نے بارہا توبہ کی مگر ہر مرتبہ اس سے کوتاہی ہو جاتی۔ اس نے جب اپنے مخلص دوستوں سے ذکر کیا تو ان میں سے کسی نے اس کو مشورہ دیا کہ تمہیں چاہیے کہ تم اجودھن چلے جاؤ۔ جہاں پر حضرت بختیار کاکی ؒ کے محبوب خلیفہ مقیم ہیں۔ ان کی سرپرستی حاصل کرو۔ پھر تم نہیں بھٹکو گے۔

نام تو اس نے بھی حضرت ﷫ کا سن رکھا تھا اور شاید دیکھا بھی ہوا تھا۔ اس کو بھی اس مشورے میں اپنی عاقبت سنورتی نظر آئی۔ چنانچہ اس نے دلی سے کوچ کیا اور منزلوں پہ منزلیں بدلتا ہوا اجودھن کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک منزل پر جو اس نے سواری تبدیل کی تو اس کے ساتھ ایک ناچنے گانے والی بھی آکر بیٹھ گئی۔

وضع قطع اور لباس سے وہ شخص تو ویسے ہی ایک متمول شخص دکھائی دیتا تھا۔ جبکہ شکل صورت بھی کمال کی تھی۔ اس ناچنے گانے والی نے اس کو لبھانا شروع کر دیا۔ وہ شخص اپنا آپ بچاتا رہا اور یوں کافی فاصلہ طے ہو گیا۔

قصہ مختصر یہ کہ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ اس شخص کے دل میں بھی اس ناچنے والی کے لئے لطیف جذبات ابھرنا شروع ہوئے۔ قریب تھا کہ وہ بھی اس کے اشاروں کا جواب دے ہی دیتا کہ اچانک سواری رک گئی۔ دونوں نے گاڑی بان سے پوچھا کر میاں کیا بات ہے سواری کیوں کر لے گئی۔

اس نے تو کوئی جواب نہ دیا مگر ایک قوی ہیکل شخص نے اس کو یہ کہہ کر زور دار تھپڑ مارا کہ

"ارے نادان! سفر تو نے توبہ کی نیت سے شروع کیا ہے اب یہ کیا تیرے دل میں فاسد خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ کیوں تو اپنے ارادے ہر دم بدلتا رہتا ہے۔"

اب اس شخص کی عقل ٹھکانے آئی۔ اس نے اس ناچنے والی کو بتایا کہ وہ کسی مقصد کے لئے اجودھن جارہا ہے۔ اس عورت کو بھی شرمندگی محسوس ہوئی۔ منزلیں طے کرتا ہوا وہ شخص جب بارگاہ فریدی میں حاضر ہوا تو آپ ﷫ کو مبارک دی کہ "مبارک ہو میاں آپ کو اس روز اللہ نے خوب بچایا"

اس تائب شخص نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور یہ سب تو آپ کی نگاہ کرشمہ ساز کی وجہ سے ہوا تھا۔ ورنہ میں تو گناہ کی دلدل میں دھنس ہی چکا ہوتا۔ یوں آپ کی کرامت سے ایک توبہ کرنے والا بھٹک نہ سکا۔

قاتل کو ناکام واپس بھیج دیا

حضرت شیخ فرید الدین مسعود علیہ الرحمہ کی اس کرامت کے بارے میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حاکم اجودھن نے ایک ملنگ کو کافی رقم کا لالچ دے کر آمادہ کیا کہ آپ کو وہ قتل کر دے۔ اس نے یعنی اجودھن کے حاکم نے اس سلسلے میں بہت سے لوگوں سے بات کی مگر اس ملنگ نے حامی بھرلی۔ حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ کی عادت شریفہ تھی کہ نماز کے بعد آپ اپنا سر مبارک خاک پر رکھ کر کئی گھنٹے اسی حالت میں رہتے۔

گویا بارگاہ الٰہی میں حد درجہ انکساری کا مظاہرہ کیا جارہا ہے۔ آپ کا یہ روزانہ کا معمول تھا۔ موسم اگر سرد ہوتا تو سر پر ایک چادر یا کمبل ڈال دیا جاتا اور گرمیاں ہوتیں تو آپ ویسے ہی عالم جذب میں پڑے رہتے۔ ایک روز حسب معمول آپ اسی طرح پڑے تھے اور حضرت نظام الدین اولیاء قریب ہی بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمارہے تھے کہ اچانک ایک ملنگ تیزی سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

اس نے خانقاہ میں داخل ہوتے ہی ایک زبردست نعرہ مستانہ مارا۔ جس کی وجہ سے حضرت گنج شکر علیہ الرحمہ کی حالت جذب تو جاتی رہی۔ مگر آپ بدستور اسی حالت میں رہے۔ حضرت نظام الدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس ملنگ کو کچھ کہنا چاہا مگر حضرت شیخ کے حکم کے انتظار میں خاموش رہا۔

اس اثناء میں آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ "کیا یہاں اس وقت کوئی نہیں ہے۔" نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ نے عرض کیا۔ "جناب میں نظام الدین حاضر ہوں۔" آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس ملنگ کو نہیں دیکھا۔ میں نے عرض کیا دیکھا ہے سرکار۔

> آپ نے بدستور اس حالت میں رہتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "مولانا نظام الدین! اس کی بغل میں چھری ہے اور یہ ملنگ مجھے قتل کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔ تم اس سے کہہ دو کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اس لئے یہ مجھ کو قتل نہیں

کر سکتا۔ یہاں سے چلا جائے اور تم اس کو کچھ مت کہنا کیونکہ
میں نے اس کو معاف کر دیا ہے۔"

اتنا ارشاد فرما کر آپ تو خاموش ہو گئے جبکہ وہ کرایہ کا قاتل ملنگ فوراً ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے حاکم اجودھن کو رقم واپس کی اور بتلایا کہ اس صوفی کو قتل کرنا تو ایک فوج کا بھی کام نہیں ہے۔ آپ نے ایک بدفطرت انسان کو اس کے فعل سے روکا اور معاف بھی کر دیا۔

اغوا شدہ بیوی بازیاب کروا دی

حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کی اس کرامت کی بھی تواتر کے ساتھ روایات ملتی ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اکبر حضرت نصیرالدین چراغ دہلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اجودھن کے اطراف میں ایک گاؤں تھا۔ دیپال پور کے حاکم نے وہاں پر افواج بھیجیں اور اس گاؤں کو کافی نقصان پہنچایا۔ گھروں کے گھر جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیئے اور مردوں عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔

اسی گاؤں میں ایک تیلی بھی تھا۔ جس وقت فوج آئی اس وقت وہ اپنے کولہو پر مزدوری کر رہا تھا۔ مگر جب گھر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ دیپال پور کی فوج آئی تھی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی لے گئی ہے۔ اب وہ ٹھہرا ایک غریب تیلی۔ جس کی واقفیت حکام وقت سے تو نہ تھی۔ اس کو اور کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا تھا۔ گاؤں کے سربر آوردہ لوگوں کے سامنے اس نے فریاد کی مگر کسی نے اس کو تسلی بخش جواب نہ دیا۔

ان لوگوں کو معلوم تھا کہ اس کی بیوی نہایت حسین و جمیل عورت ہے تو وہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ جب وہ حاکم دیپال پور کے پاس پہنچی ہوگی تو کیا حاکم دیپال پور نے اس کو اپنی کنیزوں میں شامل نہ کیا ہوگا اور ایک حاکم سے یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ایک کنیز واپس کر دی جائے۔

آخر اس نے اردگرد کے دیہاتوں میں دربدر گھومنا شروع کر دیا اور

لوگوں کے آگے فریاد کرنی شروع کر دی کہ کسی طرح اس کی بیوی کو بر آمد کروا دیا جائے۔ مگر ایک حاکم وقت کے خلاف بھلا کون اس کی مدد کرتا۔ اس طرح گھومتا ہوا وہ اجودھن پہنچ گیا۔ کس قدر عجیب حلیہ تھا کہ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ بال جھاڑ جھنکار کی مانند کپڑوں کا تو ہوش نہیں۔ داڑھی بے ترتیب۔ اسی حلیہ میں جب وہ کسی کے آگے فریاد کناں تھا تو اس کو بتایا گیا کہ تمہارا مسئلہ صرف ایک ہی ایسی ہستی ہے جو حل کر سکتی ہے اور وہ ہے فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی۔

لوگوں کی زبانی اس نے آپ کی بے شمار کرامتوں کا ذکر سنا تو اس کو کافی ڈھارس حاصل ہوئی۔ جس وقت وہ خانقاہ میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ عقیدت مندوں کا ایک ہجوم موجود ہے۔ اس نے سوچا بھلا یہاں میری داد فریاد کیوں سنے گا۔ یہاں تو اجلے اجلے کپڑوں والے کونوں میں دبکے بیٹھے ہیں۔ مگر جس وقت اس پر شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کرشمہ ساز پڑی تو اس کو دل میں سکون کا احساس ہو۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ظاہری حلیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے پیار سے قریب بٹھایا اور اس کی پریشانی دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ کس طرح فوج اس کی بیوی کو دوسرے لوگوں کے ساتھ قیدی بنا کر لے گئے ہیں۔ ابھی وہ تفصیلات بتا ہی رہا تھا کہ آپ کے حکم سے ایک خادم لنگر سے کھانا لے آیا۔ اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور لگا زار و قطار رونے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تسلی دی اور کھانا کھلایا۔ جب وہ کھانا کھا چکا تو آپ نے اس کو اپنا مسئلہ بیان کرنے کا حکم دیا۔ اس نے درج بالا واقعہ من و عن سنا دیا اور آخیر میں رو رو کر التجا کی کہ خدارا کسی طرح اس کی بیوی کو بر آمد کروایا جائے۔ کیوں کہ یہ اس کی غیرت اور عزت کا سوال ہے کہ اس کی منکوحہ کسی کے پاس رہے۔

"ارے میاں! ذرا صبر تو کرو۔ ابھی تو تم ہمارے پاس آئے ہو۔ ذرا دم لے لو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کیا کیا جا سکتا ہے" آپ نے بڑی شفقت سے فرمایا۔ مگر جیسا کہ مشہور ہے کہ غرض مند دیوانہ ہوتا ہے۔ اس نے کمال

وارفتگی و دیوانگی کے عالم میں حضرت گنج شکر کے پاؤں پکڑ کر رونا شروع کر دیا اور دہائی دینے لگا کہ مجھ سے اب مزید صبر نہیں ہوتا۔

"تم کچھ روز میرے ہی پاس رہو۔ جب کوئی سبیل نکل آئے تو چلے جانا"

آپ نے اس غیرت مند مگر غریب شخص سے فرمایا اور خدام کو اس کی رہائش کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔ خدام نے اس کو ایک کمرے دے دیا اور یوں کافی دنوں کے بعد اس کو سکون کی نیند حاصل ہوئی۔ وقت مقررہ پر خدام اس کو لنگر خانے سے کھانا پہنچا دیتے۔ مدتوں کا تھکا ماندہ اس طرح اپنی تھکن اتارتا رہا۔ آپ نے اس کو نماز میں مصروف رہنے کی تلقین فرما دی تھی تاکہ اس کو ذہنی یکسوی حاصل ہو۔

انہی مصروفیات میں دو تین روز گزر گئے۔ کئی مرتبہ تو اس حرماں نصیب پر مایوسی بھی طاری ہونے لگتی مگر جب اس کی نظروں میں حضرت بابا فرید کی بابرکت شکل گھومتی تو اس کو سکون مل جاتا۔ اس طرح چوتھا روز تھا کہ آپ کے پاس آپ کا ایک عقیدت مند زنجیروں میں جکڑا ہوا پیش ہوا۔ یہ حاکم دیپال پور کے دربار کا ایک معزز ترین فرد تھا مگر حاکم دیپال پور سے ڈر کر بھاگا ہوا تھا۔ اس کو جب حاکم دیپالپور کے ہرکاروں نے گرفتار کیا تو اس نے منت سماجت کر کے آمادہ کر لیا کہ وہ اس کو آپ کی خدمت میں لے آئیں۔

وہ معتوب شخص جب آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے اس کی اس حالت کا سبب دریافت کیا اس نے بتلایا کہ اس پر اس کے مخالفین نے غلط الزامات لگائے ہیں ورنہ حقیقت میں وہ بے قصور ہے اور آپ دعاؤں کا طالب ہے۔

"میرے لئے دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے۔ مجھے اب فقط آپ ہی کا آسرا ہے"

"ہاں ہاں! کیوں نہیں ہم ضرور تمہارے لئے دعا کریں گے۔" آپ نے اس کو مکمل طور پر تسلی دی۔

"اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم بالکل بے قصور ثابت ہو گئے تو ہمیں کیا دے سکتے ہو"

آپ نے کچھ دیر سکوت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا۔ آپ کے ارشاد کے ساتھ ہی نہ صرف اس شخص کے بلکہ سبھی خدام اور عقیدت مندوں کے منہ فرط حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ آپ نے تو کبھی اس قسم کی بات ہی نہیں کی تھی۔ پھر بھلا آج کیوں۔

"حضور میں اپنا سارا مال اور تمام زمین آپ کی نذر کر دوں گا۔ بس میری عزت بچ جائے۔"

"تمہارا سارا مال اور زمین ہم نے تمہیں بخش دیں۔ تم جانتے ہو کہ ہمیں اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں عزت حاصل ہوگی۔ اور تم سب الزامات سے بری ہو جاؤ گے۔ جب حاکم تمہارے اوپر مہربان ہو جائے گا تو خلعت سے نوازے گا اور تمہیں ایک کنیز بھی دے گا۔ تم صرف یہ وعدہ کرو کہ اس کنیز کو اس شخص کے حوالے کر دو گے۔" آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص اور خانقاہ میں موجود سبھی افراد کی سوچوں کو گویا بدل کر رکھ دیا۔

آپ کے ارشاد کے بعد لوگوں کو احساس ہوا کہ آپ کا ارشاد اصل میں اس بات کی تمہید تھی۔ اس زنجیروں میں جکڑے شخص کے لئے یہ تو کم سے کم شرط تھی۔ اس نے اس شرط کو بخوشی مان لیا اور اس تیلی کو کہا کہ وہ بھی دربار میں کسی طرح پہنچ جائے۔

اس ساری گفتگو کو اس تیلی نے بھی بغور سنا تھا۔ اب اس کو یقین آرہا تھا کہ اس کے گھر کی عزت اس کو واپس مل جائے گی۔ تیلی بھی کسی نہ کسی طرح دیپالپور پہنچ گیا۔ دربار لگ چکا تھا اور حاکم دیپال پور کے سامنے پا بہ زنجیر مجرم کو پیش کیا گیا۔ مگر اس پر کوئی بھی الزام ثابت نہ ہو سکا۔ یوں وہ حاکم دیپال پور کے سامنے سرخرو ہوا۔ حاکم دیپال پور نے اس کو انعام واکرام سے نوازا اور ایک کنیز بھی عطا کر دی۔

اس کو انہی واقعات کی توقع تھی کیونکہ اس نے ایک مرد حق سے دعا

جو کروائی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ جو الفاظ آپ ﷫ نے ادا فرماتے تھے وہ حرف بہ حرف پورے ہوں گے اور یہی ہوا۔ الزامات پیش بھی ہوئے مگر ان کو ثابت کوئی نہ کر سکا۔ یوں الزام تراش خود ہی شرمندہ ہو گئے۔

تیلی باہر بیٹھا اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کو بیقرار تھا کہ وہ شخص معہ ایک کنیز کو لے کر آیا اور اس کے حوالے کر دیا۔ یہی کنیز تو اس تیلی کی بیوی تھی۔ یعنی اس کی غیرت اور عزت تھی۔

یوں آپ کی ایک کرامت سے وہ معتوب شخص اپنے عہدے پر بحال ہوا اور اسی ایک کرامت کی وجہ سے تیلی کو اپنے گھر کی عزت دوبارہ واپس مل گئی۔

اسی کرامت کو دیگر کئی طریقوں سے بھی مختلف روایات میں بیان کیا ہے۔ ہم نے محض ایک روایت ہی پیش کی ہے۔

اجودھن میں بیت المقدس دکھا دیا

روایات مصدقہ میں آتا ہے کہ ایک صاحب بیت المقدس کے رہنے والے تھے۔ ان کو ایک مدت سے کسی صاحب حق کی تلاش تھی۔ اس کو اپنے معیار کا کوئی بھی مرشد کامل نہ مل سکا۔ اسی طرح وہ شہر بہ شہر اور ملکوں میں سرگرداں رہا۔ مگر اس کی تلاش مرشد ختم نہ ہوئی۔ ایک سے بڑھ کر ایک کشف و کرامت بزرگ کے پاس اس نے حاضری دی مگر اس کے دل کو کامل تسکین حاصل نہ ہو سکی۔

اسی طرح اس نے اپنا یہ سفر جاری رکھا۔ مگر اس دوران اس نے بہت سے بزرگوں سے فیوض و برکات بھی حاصل کیے۔ مگر جو تشنگی اس نے روز اول محسوس کی تھی وہ تاحال قائم تھی۔ بزرگان دن سے ملنے میں بحرحال اس کی تسکین قلب حاصل ہوتی۔ یونہی ایک دو بزرگوں کے پاس اس نے حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر ﷫ کا ذکر خیر بھی سنا کہ ان کے درجات بہت بلند ہیں۔ اس کو اشتیاق پیدا ہوا کہ اس ولی برحق سے بھی ملاقات کرنا چاہیے۔

اپنے اس خیال کا اظہار اس نے صوفیوں کی ایک جماعت سے بھی کیا۔ انہوں نے اس کو تاکید کی اور بتلایا کہ ان لوگوں کا بھی ارادہ اجودھن ہی جانے کا ہے۔ اگر وہ بھی ساتھ ہو جائے تو انتہائی مناسب رہے گا۔ یوں وہ ان صوفیا کے ہمراہ مشکل ترین سفر کر کے اجودھن وارد ہوا۔ میں نے مشکل ترین اس لئے لکھا ہے کہ اس زمانے میں قافلوں میں توذی حیثیت افراد ہی سفر کرتے تھے۔ صوفی حضرات کا سفر تو بالعموم پیدل ہی سر انجام پاتا تھا۔

اس دوران اگر کوئی صاحب ایمان مل جاتا تو ان صوفیا کی خاطر تواضع کر دیتا وگرنہ درختوں کے پتوں اور پھلوں پر ان اللہ والوں کا گزرا ہوتا تھا۔ اس کے باوجود یہ تلاش حق میں ہمت نہیں ہارتے تھے۔ ان صوفیائے کرام کی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا جو فقط اللہ کے نام لیوا تھے اور ان کو کسی قسم کا دنیاوی لالچ اور مفاد نظر نہیں تھا۔ ان لوگوں کی ہی وجہ سے اسلام دیار غیر میں ایک مستحکم دین کے طور پر ابھرا اور قائم و دائم ہوا۔

اسی وجہ سے جب صوفیا کی کوئی بھی جماعت کسی شخص کے پاس جاتی تھی تو ان کا استقبال نہایت گرمجوشی سے کیا جاتا تھا۔ کیونکہ شیخ ان لوگوں کے تزکیہ نفس سے بخوبی آگاہ ہوتے تھے اور اس طرح کا استقبال حضرت بابا فرید گنج شکر ؒ نے بھی اس جماعت کا کیا۔ آپ کو جب معلوم ہوا کہ اجوادھن میں دور دراز سے صوفیا کا ایک وفد وارد ہوا ہے تو آپ نے خانقاہ سے باہر تشریف لاکر ان کا استقبال فرمایا اور خانقاہ کے لنگر خانے کے خدام سے ارشاد فرمایا کہ ان صوفیا کے قیام و طعام کا انتظام جلدی سے کیا جائے۔ کیونکہ یہ لوگ بہت دور سے تشریف لائے ہیں۔

جب صوفیا غسل اور طعام کے بعد خانقاہ میں حاضر ہوئے تو آپ ان سے باتیں کرنے لگے۔ اس شخص نے بڑے غور سے آپ کو دیکھنا شروع کر دیا۔

بار بار سر کو جھٹکتا تھا اور اپنے خیالات کو کسی اور طرف لے جاتا۔ مگر یکبارگی پھر کہیں خیالوں میں کھو جاتا۔ آپ اور خانقاہ میں موجود ارادت مندوں سے اس کی یہ کیفیت پوشیدہ نہ رہ سکی۔ سبھی اس کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

معا" وہ بول اٹھا۔

"جناب! مجھے یقین کامل ہے کہ میری ملاقات آپ کے ساتھ بیت المقدس میں ہوئی تھی۔ دوران ملاقات آپ کا اسم شریف بھی دریافت کیا تھا اور آپ نے اپنا اسم گرامی فرید الدین مسعود بتایا تھا۔ اتنی دیر سے میں یہی سوچ رہا تھا کہ میری آپ کے ساتھ ملاقات کہاں ہوئی تھی"

آپ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ "جی ہاں! آپ درست فرماتے ہیں۔ ہماری ملاقات وہیں پر ہوئی تھی مگر شاید آپ بھول رہے ہیں کہ آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ آپ اس کا ذکر کسی سے بھی نہیں کریں گے۔"

"مجھے اپنے وعدے سے انکار نہیں ہے۔ مگر اس وقت دراصل میں اسقدر خوشی محسوس کر رہا تھا کہ وارفتگی کے عالم میں اپنے اس وعدہ کو فراموش کر بیٹھا۔ مجھے افسوس ہے۔

یہ سوال و جواب خانقاہ میں موجود سبھی حاضرین ملاحظہ فرما رہے تھے۔ کیونکہ یہ سب باتیں تخلیہ میں نہیں بلکہ اونچی آواز میں ہو رہی تھیں۔

"مگر آپ کب بیت المقدس گئے تھے اور کب واپس تشریف لائے۔ کیونکہ ہم تو ابھی کچھ ہی دن ہوئے وہاں سے چلے تھے۔ مگر لگتا ہے کہ آپ تو وہاں پر گئے ہی نہیں۔ کیونکہ اس لباس میں آپ کو وہاں دیکھا تھا۔"

"میرے محترم! اللہ کے بندوں کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور واپس آنا چنداں مشکل امر نہیں ہوتا ہے۔ ان کی نظروں کے سامنے سے تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں اور ان کو بیت اللہ شریف، حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور بیت المقدس جس وقت وہ چاہیں نظر آسکتا ہے۔

اس شخص نے خاموشی اختیار کئے رکھی نہ تائید کی اور نہ ہی انکار کیا۔ آپ اس کی ذہنی کیفیت کو ملاحظہ فرماتے رہے۔ اس کے ساتھیوں کے جذبات بھی اس سے مختلف نہ تھے آپ سمجھ گئے کہ یہ لوگ کرامت کے متمنی ہیں۔ آپ نے

اس شخص سے فرمایا۔

"کیا آپ کو میری اس بات پر یقین نہیں ہے۔"

اس نے خاموشی برقرار رکھی۔ آپ نے اس کی طرف شفقت سے دیکھتے ہوئے فرمای کہ

"آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنی آنکھوں کو بند کیجئے۔"

اس نے آنکھیں بند کیں۔ جونہی اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اس کی آنکھوں کے سامنے بیت المقدس کے درو دیوار گھوم گئے۔ اس نے ایک زور دار چیخ ماری اور ہوش و حواس سے بیگانہ ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کو جب ہوش میں لایا گیا تو اس نے اپنے ساتھی صوفیا کو بتایا کہ جونہی اس نے آنکھیں بند کریں اس کو یہ محسوس ہوا کہ وہ تو بیت المقدس میں موجود ہے۔

"میرے دوستو! تم نے دوران سفر میرا بہت ساتھ دیا اور میری خاطر داری بہت عمدہ طریقہ سے کی۔ مگر میں تم لوگوں کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ آج میرا سفر ختم ہوگیا۔ اور میں نے لگتا ہے کہ اپنی منزل مقصود حاصل کر لی ہے۔"

حضرت بابا فرید ﷫ کشف کے بذریعہ اس کے جذبہ شوق کو ملاحظہ کر چکے تھے۔ اس لئے اس نے جب بیعت کی درخواست کی تو آپ نے اس کو اسی وقت مرید کر لیا اور بہت ہی قلیل عرصہ میں اس نے حضرت بابا فرید گنج ﷫ سے فرقہ خلافت بھی حاصل کر لیا۔

کیونکہ وہ اس ماحول سے کلی طور پر واقف نہ تھا اس لئے حضرت بابا فرید گنج شکر ﷫ نے اس کو چند نصیحتیں کر کے سیستان روانہ کر دیا۔ جہاں اس شخص کی ضرورت ہوگی۔

یوں ایک کرامت نے ایک ایسے شخص کا مدتوں سے جاری سفر ختم کر دیا۔ جو برسہا برس سے ایک مرد حق کی تلاش میں سرگرداں تھا اور اس کو اب یہ یقین ہونے لگا تھا کہ شاید اس کی تلاش ہی میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ مگر اس نے تلاش جاری رکھی۔ اور کہنے لگا کہ مجھے تو اپنی تلاش کی کامیابی میں گھر جانا نصیب نہ

ہو گا۔ مگر اس کے معیار کا کوئی مرد حق نہ ہو ملا۔

لیکن حضرت بابا فرید گنج شکر ﷫ کی ایک کرامت نے اس کے دل و دماغ سے تمام تر وسوسے دھو ڈالے اور یوں مدتوں سے جس مرد حق کو وہ تلاش کر رہا تھا ختم ہوئی۔ کیونکہ اس کو ایک ایسا صاحب نظر شخص مل گیا تھا جس کی اس کو مدتوں سے تلاش تھی۔ حضرت بابا فرید ﷫ سے جب کرامات کا ظہور ہوتا تو لوگوں کو بڑا تعجب ہوتا تھا۔ آپ نے ان کی حیران کن نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ

"چالیس برس تک اس بندہ مسعود نے وہی کیا جو اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ مگر اب چند برسوں سے مسعود جو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرما دیتا ہے۔"

کیا روٹی اسلام کا چھٹا رکن ہے؟

حضرت سید بدرالدین اسحاق ﷫ روایات کرتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا ہے کہ پاک پتن شریف کے قریبی گاؤں میں ایک عالم دین رہتے تھے۔ انہیں اپنے علم پر بڑا ناز تھا۔ ان کی نظر میں درویشوں کی تو کوئی حیثیت ہی نہ تھی جبکہ خود کو بہت عالم دین اور یکتائے علم گردانتے تھے۔ اس کا اظہار کرنے کے لئے وہ مولانا صاحب اکثر و بیشتر صوفیائے کرام کی محافل میں بھی شریک ہوتے اور بعد میں ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ان کے اس رویہ سے بہت سے صوفیا اور درویش واقف تھے۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ وہ حضرت بابا فرید گنج شکر ﷫ کی محفل میں بھی تشریف لائے اور اپنے علمی کمالات کا برملا اظہار کرنے لگے۔ اب ان کو کیا معلوم تھا کہ اس محفل میں بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس کیسی کیسی نابغہ روزگار ہستیاں موجود ہیں اور کیسے کیسے عالم دین ان خرقوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ محمد اقبال ﷫ فرماتے ہیں کہ

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی' ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

جی ہاں! ان بوسیدہ خرقوں میں لپٹے ہوئے درویشوں کو عام دنیا پرست

تو واقعی کوئی اہمیت نہیں دیتے مگر ان کی افضیلت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ یہی حال ان مولانا صاحب کا بھی تھا۔ وہ درویشوں کی محافل میں بے دریغ چلے آئے۔ الٹے سیدھے سوالات کر کے خود ہی جواب بھی دیتے اور اس طرح بزعم خویش خود کو بہت بڑا عالم متصور فرماتے۔ جب وہ مولانا صاحب مجلس فرید ﷫ میں آئے اور اپنی قابلیت کا رعب ڈالنے لگے تو حضرت بابا فرید گنج شکر ﷫ بھی ان کی باتوں کو نہایت دلچسپی سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ان کے گفتگو کرنے کا انداز ایسا تھا کہ یہاں سارے کے سارے بے علم لوگ محض وقت ضائع کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

وہ جب کافی بول چکے تو حضرت بابا فرید ﷫ نے ان سے دریافت کیا کہ "مولانا صاحب! ایک بات تو بتلائیں کہ اسلام کے رکن کتنے ہیں؟"

مولانا تو پہلے ہی اس محفل کے سبھی ارکان کو بے علم خیال کرتے تھے۔ اب جو ایک عام سا سوال ان سے کیا گیا تو انہوں نے آپ ﷫ کو بڑی حیران کن نظروں سے دیکھا اور یوں گویا ہوئے۔

"اس بارے میں آپ کو معلوم نہیں ہے۔ اجی جناب! سبھی کو معلوم ہے کہ اسلام کے پانچ رکن ہیں۔

(1) کلمہ طیبہ
(2) نماز
(3) روزہ
(4) زکوٰۃ اور
(5) حج۔

یہ تو اہل اسلام بچوں کو ابتدائی تعلیم کے دوران سکھاتے ہیں۔"

حضرت بابا فرید ﷫ نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا اور فرمایا کہ "مگر میں نے تو چھٹے رکن کے بارے میں بھی سن رکھا ہے"

یہ سن کر مولانا صاحب نے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ

"اسلام کے ارکان تو صرف پانچ ہیں۔ چھٹا رکن کہاں سے آگیا۔ آپ کی معلومات ہی بہت کم ہیں۔"

ان کے غصے کی مطلقاً پروا نہ کرتے ہوئے حضرت بابا فرید ﷫ نے فرمایا کہ

"جی نہیں مولانا صاحب! میں نے ہرگز ہرگز غلط نہیں سنا ہے۔ میں نے تو بڑے بڑے علماء دین سے سنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن ہے۔ اور وہ رکن ہے روٹی۔"

"میں اسی لئے تو کہتا ہوں کہ تم لوگ علم سے بے بہرہ اور تعلیم سے دور ہو۔ علم کسی چیز کا ہوتا نہیں اور علمی گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ میں نے جو اسلام کے ارکان بتلائے ہیں وہی ارکان ہیں ان کے علاوہ اور کوئی رکن ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہر عالم دین کا اس بات پر اتفاق ہے۔ ان کا ذکر احادیث بنوی اور فقہ کی مستند کتب میں موجود ہے۔ جبکہ آپ کا بیان کردہ چھٹا رکن تو ان میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے۔" مولانا صاحب نے یقینی طور پر خود کو ایک بہت بڑا عالم دین منوا لیا تھا۔ کہ جن لوگوں کو ایک معمولی سے مسئلہ کا پتہ نہیں ان کو اور کیا پتہ ہو گا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر ﷫ نے بدستور مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "مولانا صاحب! وہ تو کلام پاک میں احادیث میں اور فقہ کی کتب میں بھی ہے۔

اب مولانا غصے میں دیوانے ہو چلے تھے۔ انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا کہ "قرآن پاک میں آتا ہے کہ

"نصیحت کے بعد ظالم قوم کے پاس بھی مت بیٹھو اس لئے میں تو چلا۔"

ان کی ناراضگی اور غصے کی حالت کو دیکھ کر آپ نے ان کو روکا اور فرمایا کہ

"مولانا صاحب! ہم سے یوں ناراض ہو کر تو مت جایئے۔
ہمارا نقطہ نظر تو سن لیجئے"
مگر ان کو روکنا بالکل بے سود ثابت ہوا اور وہ اونچی آواز میں بولتے ہوئے خانقاہ سے باہر چلے گئے۔ آپ اور آپ کے عقیدت مندوں نے ان کو کافی حد تک کچھ دیر رکھنے کا کہا۔ مگر ان پر تو اپنی علمیت کا جادو چل چکا تھا اور اس وقت وہ اپنے آپ میں سما نہیں رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جلد سے جلد وہ اپنے حلقہ احباب میں جائیں اور اس محفل کی غیر علمی گفتگو سے مستفیض فرمائیں۔

کچھ ہی دنوں کے بعد ان کا ارادہ حج کے سفر پر جانے کا بن گیا۔ یوں وہ عازم حجاز مقدس ہوئے۔ ان کا قیام حجاز مقدس میں سات برس سے کچھ عرصہ زائد رہا۔ لازمی بات ہے کہ یوں انہوں نے سات حج کیئے اور لاتعداد عمرے بھی کئے ہوں گے۔ اس کے علاوہ وظائف اور دیگر عبادات کا تو شمار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یوں کہہ لیں کہ اس تمام عرصہ میں انہوں نے خود کو عبادت الٰہی کے لئے وقف کئے رکھا۔ قریب سات برس کے بعد ان کو اہل و عیال اور وطن کی یاد ستائی اور انہوں نے واپس کا ارادہ کر لیا۔

اس زمانے میں بحری جہاز کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر انہوں نے ہندوستان کی راہ لی۔ مگر اثنائے راہ جہاز طوفانی ہواؤں کی زد میں آگیا اور تباہ ہو گیا۔ مولانا صاحب ایک تختے کو مضبوطی سے پکڑ کر بڑی مشکل سے کنارے تک آگئے۔ مگر جہاں ان کو کنارہ ملا وہ تو ایک ذخیرہ تھا۔ درختوں اور سبزے نام کی کوئی چیز وہاں موجود نہ تھی۔ فقط پتھریلے پہاڑ ہی ہر طرف موجود تھے۔

دھوپ سے بچنے کے لئے انہوں نے ایک غار کو تلاش کر لیا اور تین دن اور تین راتیں وہاں پر بھوکے پیاسے بسر کیں۔ ہر جانب خاموشی اور سکوت طاری تھا۔ کسی بھی ذی روح کو تینوں دنوں میں انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے سوچ لیا کہ اب تو ان کی موت یقینی ہے کیونکہ اس جگہ کسی انسان کو تو انہوں نے ابھی تک دیکھا بھی نہ تھا۔ چنانچہ اب ان کے خیال میں تو ان کا آخری وقت

آن پہنچا تھا۔

اس دن مولانا کو اس سنسان غار میں چوتھا روز تھا اور انہوں نے نہ تو پانی پیا تھا اور نہ ہی کچھ کھایا تھا۔ فقط اپنی سوچوں میں ہی کھوئے رہتے تھے مگر اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص سر پر کھانے کا خوان اٹھائے انہی کی طرف چلا آرہا ہے۔ اس ویرانے میں جب انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص روٹی لئے چلا آرہا ہے تو انہوں نے شدید بیتابی سے اس کی طرف دوڑ لگادی۔ مگر جب قریب پہنچے تو اس آدمی نے کہا میں روٹی بیچتا ہوں۔

"مگر میں تو ایک لٹا پٹا مسافر ہوں۔ بحری جہاز کے ذریعہ ملک ہندوستان جا رہا تھا کہ جہاز طوفان کی لپیٹ میں آکر تباہ ہوگیا اور میں بڑی مشکل سے جان بچاکر یہاں تک پہنچا ہوں۔ لیکن تین روز سے مجھے کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں ملا ہے۔

میں نے سات حج کئے ہیں اور لاتعداد عمرے بھی کئے ہیں۔ میں تو ایک عالم فاضل شخص ہوں لیکن میرے پاس تو اس وقت ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ میں تم کو روٹی کی قیمت کیا دے سکتا ہوں۔

مولانا صاحب کو اس کڑے وقت میں بھی اپنی علمی شخصیت کو نمایاں کرنے کا سودا ذہن میں سمایا ہویا تھا۔ انہوں نے بڑی رعونت سے اس شخص کو مخاطب کر کے کہا۔

"مگر میں تو ایک دوکاندار ہوں۔ قیمت لیکر روٹی فروخت کرتا ہوں۔ پھر بھلا میں کس طرح تمہیں بلا قیمت روٹی دے دوں۔"

روٹی والا بھی شائد تہیہ کئے ہوا تھا کہ بلا قیمت وہ کھانا مولانا کو نہیں دے گا۔ اس شخص کی ضد نے مولانا کو صحیح معنوں میں سیخ پا کر دیا۔ ایک تو علم کا جادو نہ چل سکا اوپر سے ان کے پاس اس وقت پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ انہوں نے اس شخص کو احادیث کی روشنی میں قائل کرنے کی کوشش کی کہ اس وقت مولانا کو

بلا قیمت روٹی کھلانا اس شخص پر مذہبی طور پر فرض ہے۔ اس شخص نے ان کی سب باتوں سے اتفاق کیا مگر بلا قیمت روٹی پانی دینے پر پھر بھی آمادہ نہ ہو۔
مولانا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے ہاتھوں سے کھانا چھین لیتے' انہوں نے اس کو غیرت دلانے کے لئے پینترہ بدلا کہ

"تو کس قسم کا مسلمان ہے کہ ایک بھوکے پیاسے مسلمان کو کھلانا کھلانے سے انکار کر رہا ہے۔ کیا تیرے دل میں ذرا برابر رحم نہیں ہے۔"

روٹی والا بھی ایک کائیاں تھا کہنے لگا کہ "یا حضرت! اگر اس طرح میں رحم کرنے لگ گیا تو پھر میری روزی تو خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اور میرا تو یہی ایک ذریعہ ہے۔"
مولانا اس کا صاف صاف جواب سن کر ہکا بکا رہ گئے۔ مگر اچانک وہ شخص بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں تم پر رحم کرتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ صرف یہ کہہ دو کہ تم نے مجھے سات حج کا ثواب بخش دیا۔"

"ہاں' ہاں میں نے تمہیں ساتوں حج کا ثواب بخش دیا" مولانا نے فوراً کہہ دیا کہ کہیں یہ بندہ پھر نہ مکر جائے اور پھر کہہ دینے میں حرج ہی کیا ہے۔ یہی سوچ کر انہوں نے اس کو تیزی سے کہہ دیا۔
چلیں جی یہ کہلوا کر اس شخص نے خوان مولانا کے آگے رکھ دیا اور مولانا حقیقی معنوں میں مربھکوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ دوران طعام مولانا نے اس سے میٹھی باتیں کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ یہاں کہیں کیا کوئی آبادی بھی ہے اور اگر ہے تو کس قدر فاصلے پر ہے۔ مگر وہ شخص ان کی کسی بات کا بھی جواب نہیں دے رہا تھا۔ جب مولانا نے کھانا کھالیا تو اس نے تیزی سے برتن اکٹھے کئے اور یہ جا اور وہ جا۔ اس شخص نے اس دن کے بعد سے تین روز تک دوبارہ شکل نہ دکھائی۔ مولانا کا ایک مرتبہ پھر وہی حال ہو گیا۔
تیسرے روز وہی شخص دوبارہ خوان لئے ہوئے چلا آیا۔ مولانا جلدی

سے اس کی طرف لپکے۔ لیکن اس نے اب ایک اور شرط رکھ دی کہ اگر تم مجھے اپنی عمر بھر کے روزوں کا ثواب بخش دو تو میں تمہیں روٹی پانی دے سکتا ہوں۔ مولانا بھلا کیونکر انکار کر سکتے تھے۔ جھٹ سے مان گئے اور اس کو اپنی عمر بھر کے روزے بخش دیئے۔

کھانا اس نے مولانا کے آگے رکھ دیا۔ اور مولانا نے جلدی جلدی کھانا شروع کر دیا۔ غار سے نکلنے میں اس شخص نے عجلت سے کام لیا اور مولانا اس کا تعاقب نہ کر سکے۔ یوں اس کے جانے کے بعد مولانا نے سوچا کہ بھلا یہ بھی کوئی شرط تھی کہ بس زبانی طور پر کہہ دیا اور کھانا مل گیا۔ اگلے روز وہ پھر آیا مگر اس مرتبہ اس کا مطالبہ مولانا کی عمر بھر کی زکوٰۃ کے ثواب کا تھا۔ مولانا نے فوری طور پر اس کو یہ بھی بخش دیا اور کھانا کھا لیا۔

مولانا کھانا کھا کر حسب سابق سمندر کے کنارے جا بیٹھے اور کسی جہاز کے گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ اس دوران وہ اردگرد کا چکر بھی لگا لیتے کہ شائد کوئی بستی نظر آجائے۔ مگر نہ تو بستی ہی نظر آئی اور نہ ہی کسی جہاز کا ادھر سے گزر ہوا۔ تھک ہار کر ایک مرتبہ پھر اسی غار میں آکر سو گئے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس چارہ ہی کیا تھا۔ اگلے روز مولانا کو وہی شخص پھر آتا ہوا دکھائی دیا۔ مولانا کے چہرے پر خوشی کے آثار ہویدا تھے۔ مگر جب وہ قریب آیا تو اس نے اس مرتبہ مولانا سے نمازوں کا ثواب مانگ لیا۔ مولانا پھر کیوں انکار کرتے۔ اس کو نمازیں بھی بخش دیں اور کھانا کھا لیا۔

مگر جناب اس کے بعد تو تین روز گزر گئے اور اس شخص کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ادھر بھوک اور پیاس کے مارے مولانا کا حال بد سے بد تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ تین روز گزرنے کے بعد جب وہ آیا تو مولانا نے خوان پکڑنا چاہا مگر مولانا کو ناکامی ہوگئی۔ مولانا نے اس سے کہا کہ

"بھائی میرے! اب تم مجھ سے کیا لینا چاہتے ہو۔ حج، نماز، زکوٰۃ اور روزوں کا ثواب تو میں تمہیں پہلے بخش چکا ہوں۔ اب تو میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ میرے پاس اب

کیا رہ گیا ہے۔"

روٹی والے نے کمال نیازی سے کہا کہ مولانا صاحب آپ یوں کیجئے کہ میں آپ کو قلم دوات اور کاغذ دیتا ہوں اور آپ مجھے وہ سب کچھ لکھ دیں جو کچھ مجھے زبانی کہہ چکے ہیں۔ مولانا کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ مولانا نے جھٹ پٹ یہ تحریر لکھ دی کہ میں تمہیں سات حج کا ثواب' عمر بھر کی نمازوں' عمر بھر کی زکوٰۃ اور عمرے کے ثواب بھی ایک ایک وقت کی روٹی اور پانی کے عوض فروخت کر چکا ہو اور اب ایک وقت کی روٹی پانی کے لئے یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ اتنا لکھ دینے کے بعد اس شخص نے مولانا سے کہا کہ اس کے نیچے اپنا نام اور پتہ بھی تحریر کر دیں۔ مولانا نے یہ بھی لکھ دیا۔ اس کے بعد ان کو کھانا مل گیا۔ جو انہوں نے حسب سابق بیتابانہ کھانا شروع کر دیا۔ کھانے کے دوران مولانا اس کی سادہ لوحی پر دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ یہ شخص کس قسم کا کاروبار کر رہا ہے کہ پیسوں کی بجائے ثواب کما رہا ہے۔ مولانا کھانا کھا چکے تو اس شخص نے جلدی سے برتن سمیٹے اور چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد معاً" ان کی نظر دور سے آتے ہوئے ایک جہاز پر پڑی۔ مولانا نے تیزی سے رومال ہلا ہلا کر اس جہاز والوں کو متوجہ کرنا شروع کر دیا۔ جہاز کے کپتان نے ایک بے یارو مدد گار شخص کو دیکھ لیا اور اس کی مدد کے ایک کشتی روانہ کی۔ اس جہاز میں بھی حاجی سوار تھے۔ انہوں نے مولانا کی بپتا سنی تو ان کے دل پسیج گئے۔ انہوں نے مولانا کی اچھی خاصی خاطر تواضع کی۔ مولانا یوں اپنے گھر کو لوٹے۔

چند روز اپنے گھر آرام کرنے کے بعد مولانا نے مجلس گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا رخ کیا۔ تاکہ اپنے سات برس کے حج اور عبادات کا چرچا کر سکیں۔ جونہی مولانا خانقاہ میں داخل ہوا۔ حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ

"آیئے مولانا صاحب آپ تو بڑی مدت بعد آپ تشریف لائے ہیں۔ کہئے کدھر رہے۔ ہم تو آپ کی شکل کو ترس گئے۔"

مولانا صاحب تو اسی سلوک کی خاطر ہی تو یہاں آئے تھے۔ انہوں نے بڑی بے نیازی سے آپ کے ساتھ ہاتھ ملایا اور آپ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ گویا وہ نہایت معتبر ہستی ہیں۔ ارادت مندوں کو ان کی اصلی حالت کا ادراک تھا انہیں اس بات سے بہت ناگواری محسوس ہوئی۔ مگر حضرت صاحب ؒ کے پاس ادب کی وجہ سے خاموش ہے۔ مولانا نے اب اپنی عبادت اور سات برسوں میں کئے ہوئے حج اور عمرے بڑے فخر سے بتانا شروع کئے اور یہ بھی بتلایا کہ انہوں نے متعدد بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر بھی حاضری دی اور اس تمام عرصہ میں ان کا قیام مجاز مقدس ہی میں رہا۔

حضرت بابا سرکار ؒ نے ان کی بڑی تعریف کی اور بڑے ادب سے ان کو فرمایا کہ ان کی تو قسمت ہے کہ انہوں نے حج کی سعادت حاصل کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری دی۔ اس دوران مولانا کے فخر کا عالم ہی کچھ اور تھا مولانا خود کو اس وقت ایک بہت بہت بڑا عالم دین اور کامیاب ترین شخص تصور کر رہے تھے۔

"مگر مولانا صاحب! سات برس قبل جب آپ ہم سے جدا ہوئے تھے تو بڑی ناراضگی سے گئے تھے۔ جناب عالی! اب تو آپ ہم سے ناراض نہیں ہیں۔"

"مجھے تو کچھ یاد نہیں رہا کہ کیا بات ہوئی تھی اور پھر اس قدر مصروفیت میں بندے کو یاد بھی بھلا کیا رہ سکتا ہے۔ مولانا کو حضرت بابا فرید گنج شکر ؒ نے یاد دلایا کہ "میں نے آپ سے اسلام کے چھٹے رکن کا پوچھا تھا۔ مگر آپ ہم سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔ اب آپ کا خیال ہے۔" کیونکہ میرا خیال اب بھی یہی ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔"

مولانا صاحب نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا کہ ان کا اس وقت بھی وہ خیال تھا اور اب بھی وہی ہے۔ حضرت بابا جی ؒ نے ان سے فرمایا کہ بے شک ہم تو آپ کے علم کا مقابلہ نہیں کر سکتے مگر ہم نے ایک تحریر دیکھی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔

"کہاں دیکھ لی وہ تحریر آپ نے کس عالم دین نے یہ لکھا ہے۔
ذرا مجھے بھی تو دکھائیں کہ آپ کے ہاتھ کون سی کتاب لگ چکی
ہے۔"

مولانا صاحب نخوت سے بولے۔ ان کے اس جواب سے مولانا مسکرائے اور فرمایا کہ اچھا ابھی دکھاتا ہوں۔ آپ نے ایک خادم کو بلایا اور تحریر لانے کو کہا۔ تحریر آچکی تو مولانا صاحب کو وہ تحریر دکھائی تحریر کیا تھی ایک خوفناک دھماکہ تھا۔ فوراً" سمجھ گئے کہ اصل ماجرہ کیا ہے۔ جو کچھ بھی انہوں نے تحریر کیا اس کو انہوں نے پڑھ لیا اور اب ان کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو ہو نہیں۔

مولانا صاحب ساری تیزی طراری بھول کر حضرت بابا فرید گنج شکر ؒ کے پیروں سے لپٹ گئے اور لگے معافیاں مانگنے۔ آپ ؒ نے جلدی سے انہیں اوپر اٹھایا اور گلے سے لگایا۔ آپ نے اس کو معاف کر دیا اور یوں وہ مولانا صاحب آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔

انتقال گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمتہ سن بلوغت سے قبل تادم مرگ دین متین کی تبلیغ و ترویج کے لئے مصروف عمل رہے۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ آپ ایک عالم و فاضل خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اور اسی طرح اپ کا ناںھال بھی علم و فضل میں اپنی مثال آپ تھا۔ ابھی پوری طرح جوان بھی نہ ہوئے تھے کہ حضرت شیخ بختیار کاکی علیہ الرحمتہ کی نگاہ حق شناس نے آپ کو حصول علم کی تابندہ و درخشندہ راہ دکھائی اور آپ اس عمر میں جبکہ نوجوان نوجوانی کے مزے لوٹنے میں مشغول ہوتے ہیں حصول علم کے لئے اپنے وطن سے دور بلکہ بہت دور جنگلوں، بیابانوں اور تنگ و تاریک غاروں میں تلاش حق میں مصروف عمل تھے۔

اور یہ فقط اس لئے تھا کہ اس کا حکم آپ کو آپ کے مرشد پاک حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمتہ نے دیا تھا۔ آپ نے اپنے مرشد پاک کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جوانی کو تج دیا تھا۔ اور جب اپنے مرشد پاک علیہ الرحمتہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تو فرید الدین سے گنج شکر بن گئے اور اسی نام سے لازوال شہرت حاصل کی۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ آپ کی کرامات کا شہرہ ملک ہندوستان سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گیا۔

روایات مصدقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ

الرحمتہ پوری زندگی کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ اسی لئے آپ کی صحت ازحد کمزور ہو چکی تھی۔ آپ کے اعصاب مسلسل چلہ کشی' عبادات' مجاہدات اور ریاضات سے کمزور سے کمزور تر ہوتی چلے گئے۔ مگر اس کمزوری کو کبھی آپ خاطر میں نہیں لائے تھے اور اسی جسمانی کمزوری میں عبادات میں مستغرق رہے اور عبادات سے منہ نہ موڑ۔ بلکہ اور شدت سے عبادت میں مشغول ہو گئے۔

یہ نہیں کیا کہ اب عبادات میں کمی کر دیں۔ آپ کو عبادت الٰہی میں دلی سکون حاصل ہوتا تھا۔ اسی لئے آپ اپنا زیادہ تر وقت اللہ کی یاد میں گزارتے تھے۔ حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمتہ نے آپ کو سخت ترین مجاہدات سے گزار کر گویا کندن بنا ڈالا تھا۔ آپ جس وقت دلی میں اپنے مرشد پاک کے پاس حاضر ہوئے تھے تو آپ کو سلسلہ سلوک میں پہلی سیڑھی کے طور پر مرشد پاک علیہ الرحمۃ کے طے کا روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ جو کہ معمولی نوعیت کا نہیں ہوتا۔ اس میں روزہ تیسرے روز افطار کیا جاتا ہے۔ مگر آپ نے بلاتحقیق ایک شرابی کے کھانے سے افطار کر لیا جس کی وجہ سے آپ کو قے ہو گئی مرشد نے حکم دیا کہ ایک روزہ اور رکھو یوں آپ نے چھ روز مسلسل روزہ کی حالت میں گزارے۔ یعنی آپ کی تربیت کی ابتدا ہی اسقدر سخت تھی کہ بندہ سوچتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے۔

اسی طرح آپ کو مرشد پاک علیہ الرحمۃ نے چلہ معکوس کا حکم دیا۔ یہ چلہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے مشکل ترین چلوں میں ہوتا ہے۔ یہ چلہ کرنے کے لئے روحانی پختگی چاہئے ہوتی ہے اور یہ چلہ کوئی عام بندہ نہیں کر سکتا ہے۔ مگر حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمتہ نے بذریعہ کشف معلوم کر لیا تھا کہ اس نوجوان مرید میں روحانی قوتیں بے پناہ موجود ہیں اور یہ ان امور کو بڑے احسن طریقہ سے سرانجام دے گا۔ اسی لئے انہوں نے آپ کو اس چلہ کے لئے منتخب فرمایا تھا اور آپ علیہ الرحمۃ نے اپنے پیرو مرشد کو مایوس نہ کیا بلکہ آپ کو صحیح معنوں میں خوش کر دیا اور انہوں نے آپ کو بے شمار فیوض و برکات سے نوازا۔

اس کے بعد جب آپ کو مرشد پاک علیہ الرحمۃ نے خلافت عطا فرما دی اور پھر جب آپ نے اپنے مرشد پاک علیہ الرحمۃ کی مسند سنبھالی تو آپ کی عبادات میں

شدت پیدا ہوگئی اور اسی طرح آپ نے روزوں کو بھی اپنے معمولات میں شامل کر لیا۔ یعنی آپ کو اکثروبیشتر روزے رکھا کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کی عام جسمانی کمزوری نمایاں ہوگئی اور آپ کا جسم نحیف و نزار ہوتا چلا گیا۔ مگر آپ نے اہل اسلام کی اصلاح اور غیر مسلموں کو دین میں لانے کے لئے اپنے طرز عمل سے خاص کام لیا۔ کیونکہ آپ کے طرز عمل کو ہی نواوارد بڑے غور سے دیکھتے اور اسی کو اپنانے کی کوشش کرتے۔ اس لئے آپ نے اپنے طرز عمل اور شریعت کی مکمل پابندی سے لوگوں کی بظاہر تربیت فرماتے تھے۔

آجکل لوگوں میں شارٹ کٹ کی عادت بنتی جارہی ہے۔ جبکہ اولیائے کرام کی حیات طیبہ کا معاملہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پاکباز لوگوں نے شریعت کی پابندی کو ہمیشہ اولیت دی اور کبھی غیر شرعی امور میں دلچسپی نہیں لی۔ بلکہ غیر شرعی امور کی ہمیشہ مخالفت کی۔ جس کی وجہ سے اسلام اس علاقہ میں بڑی تیزی سے پھیلا اور ہزاروں برس کی مستحکم تہذیب کو تہہ و بالا کر دیا جبکہ بالکل ایک بالکل نئی تہذیب اور مذہب کو اس ہزاروں برس پرانی تہذیب پر سبقت دلا دی۔ پھر انہی نو مسلموں نے اپنے پرانے مذہب کو غلط ثابت کرنے کے لئے اپنی باقی ماندا زندگیوں کو اسی مشن میں صرف کر دیا۔ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ برصغیر میں اسلام کو پھیلانے میں جہاں صوفیائے کرام کا ایک بہت بڑا حصہ ہے وہاں ان نومسلموں کی کاوش کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

کیونکہ یہ صوفیائے کرام اپنے ساتھ کوئی فوج لے کر تو نہیں آئے تھے اور نہ ہی انہوں نے اپنے آبائی علاقوں کے لوگوں کو یہاں پر تعینات کیا تھا۔ جو بھی اولیائے کرام یہاں پر تشریف لائے انہوں نے یہاں کے رہائشی لوگوں کی ہی تربیت کی اور ان تربیت یافتگان نے پھران کے مشن کو ایک جوش و جذبے سے شروع کیا اور کسی مخالفت اور خوف کو خاطر میں نہیں لائے۔ آج جو اسلام کی ترقی نظر آتی ہے ان میں ان نومسلموں کا بھی برابر کا حصہ ہے۔

بات ہو رہی تھی حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمتہ کی عمومی جسمانی صحت کی۔ لازمی بات ہے کہ اس قدر سخت مجاہدات اور مشاہدات کے بعد

جسمانی صحت نے جواب دینا ہی تھا۔ اور یہی ہوا۔ رفتہ رفتہ آپ کی صحت جواب دیتی چلی گئی اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ کو ایک ایسی بیماری لاحق ہوگئی جس کی وجہ سے جوڑوں میں شدید درد شروع ہو جاتا ہے۔ اسی بیماری کی ابتدا میں ایک روز یوں ہوا کہ آپ نے چلنے کے لئے عصا تھام کر چلنا شروع کیا۔ مگر ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ یکایک بڑی اضطرابی کیفیت میں عصا دور پھینک کر کھڑے ہوگئے۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے عرض کیا یا حضرت یہ کیا عمل تھا کہ آپ نے خود ہی عصا تھاما اور خود ہی اس کو دور پھینک دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جوڑوں میں شدید درد کے باعث میں نے عصا کے سہارے چلنے میں آسانی محسوس کی مگر ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ یہ خیال تیزی سے ذہن میں آیا کہ کیا تیرے لئے اللہ کریم کا سہارا کافی نہیں۔ یقینی بات ہے کہ بندے کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو ہی سہارا بنانا چاہئے کیونکہ اگر اس کا سہارا کسی کو نہیں حاصل تو پھر پوری کائنات میں تم کسی کا سہارا حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد آپ نے چلنے میں عصا کا سہارا کبھی نہیں لیا۔ مگر رفتہ رفتہ مرض میں شدت آتی چلی گئی۔ کیونکہ اب آپ کی عمر مبارک بھی بڑھ رہی تھی۔ ضعیفی خود ایک ایسا نام ہے کہ بندہ خود میں ضعف محسوس کرتا ہے۔

حضرت بابا فرید علیہ الرحمتہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ عام طور پر عشاء کے وضو سے ہی نماز فجر ادا فرمایا کرتے تھے۔ یعنی ساری رات عبادت ہی کرتے رہتے۔ رات کو کلام اللہ شریف کی تلاوت ضرور فرماتے۔ تلاوت کے علاوہ لاتعداد نوافل بھی ادا کرتے تھے۔ یعنی اب آپ خود ملاحظہ کیجئے کہ ایک تو کم مقدار میں کھانا اور پھر ساری ساری جاگ کر گزارتے۔ یہی نہیں بلکہ ساری رات نوافل اور تلاوت کلام اللہ شریف میں بسر کرتے۔ نوافل کے علاوہ آپ وظائف اور اوراد بھی پابندی سے ادا فرماتے۔

ایک اور بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ حضرت معین الدین چشتی علیہ الرحمتہ کی وفات کے وقت ان کے خلیفہ اکبر حضرت خواجہ قطب الاقطاب قطب

الدین بختیار کاکی علیہ رحمتہ ان کے پاس موجود نہ تھے اور پھر حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمتہ کا انتقال ہوا تو اس وقت حضرت بابا فرید گنج شکر مرشد پاک کے پاس موجود نہ تھے۔ اب پھر وہی واقعہ پیش آ رہا ہے کہ جب حضرت بابا فرید گنج شکر کا انتقال ہوا تو آپ کے پاکباز خلیفہ اور محبوب مرید حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمتہ کے پاس موجود نہ تھے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس جیسی اور کوئی مثال ملنا ازحد مشکل ہے۔

اور پھر تاریخ نے ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو دہرایا' وہ ایسے کہ جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمتہ کا وصال ہوا تو آپ کے محبوب خلیفہ اور مرید خاص حضرت نظام الدین اولیا علیہ الاحمتہ آپ کے پاس موجود نہ تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ

> "میرے مرشد پاک ؒ نے شوال کے مہینے میں مجھے دہلی روانہ فرمادیا تھا اور آپ کا وصول مبارک پانچ محرم الحرام کو ہوا۔ وصال کے وقت آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا' کسی نے بتایا کہ وہ تو دہلی میں ہیں۔ اس پر پیرو مرشد نے فرمایا' میں بھی قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے وقت وہاں پر موجود نہ تھا اور ہانسی میں تھا۔"

اس واقعہ کو بیان فرماتے وقت حضرت نظام اولیاء کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے' آپ بولتے بولتے شدت گریہ سے رک جاتے تھے اور آپ کی ہچکیاں رکنے کا نام نہیں لیتیں تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آپ کی دنیا اندھیر ہو چکی ہے اور اب آپ کے لئے سانس لینا بھی دشوار تھا۔

روایت ہے کہ یوم وفات یعنی پانچ محرم الحرام کو مرض نے شدت اختیار کی اور بعد از نماز عشاء آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ آپ نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد بے ہوش ہوئے تھے۔ آپ کو جب ہوش آیا تو قریب بیٹھے ہوئے ارادت مندوں سے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھی ہے؟ عرض کیا گیا کہ یا حضرت آپ نے نماز عشاء پڑھ لی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نماز عشاء

دوبارہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ آپ نے دوبارہ نماز عشاء ادا فرمائی۔ جس کے بعد آپ پر دوبارہ بے ہوشی چھاگئی۔ اس مرتبہ بے ہوشی کافی دیر رہی۔ دوبارہ ہوش میں آتے ہی دریافت فرمایا کہ کیا میں نے نماز عشاء ادا کر لی ہے عرض کیا گیا کہ حضور آپ نے دوبارہ نماز عشاء ادا فرمالی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ میں ایک بار پھر نماز عشاء کی ادائیگی چاہتا ہوں۔ یہ فرمایا اور وضو کے لئے پانی منگوایا۔ تازہ وضو فرماکر نماز عشاء ادا فرمانے لگے۔ نماز کی اختتامی رکعتیں پڑھتے ہوئے آپ نے آخری رکعت میں ایک طویل سجدہ فرمایا اور اونچی آواز میں یا حی یا قیوم پڑھا اور اسی کے ساتھ ہی دارالبقا کی جانب تشریف لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس وقت آپ کی عمر مبارک 95 برس تھی۔ آپ 664 ہجری میں پانچ محرم کو اس دار فانی سے حالت ایمان میں رخصت ہوئے۔ آپ کی تدفین پر آپ کے صاجزادوں میں باہم اتفاق تھا کہ آپ کو اجودھن کی فصیل کے نیچے قبور شہدائے کرام کے قریب دفن کیا جائے۔ آپ کے سبھی صاجزادے اس وقت حاضر تھے ماسوائے ایک صاجزادے کے۔ وہ تھے حضرت شیخ نظام الدین علیہ الرحمتہ۔ وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے ہاں ملازم تھے۔ ان کی تعیناتی قصبہ پٹیالی میں تھی۔ انہوں نے اپنے والد گرامی کو خواب میں دیکھا کہ آپ کو اپنے پاس بلوا رہے ہیں۔ آپ اس اشارہ کو سمجھ گئے اور فوری طور پر پاک پتن شریف کی طرف رخت سفرباندھا۔

جب آپ پاک پتن شریف میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک جنازہ آرہا ہے اور یوں دکھائی دیتا ہے کہ جیسے پورے شہر کی آبادی اس جنازے کے ساتھ ہے۔ لوگ اونچی اونچی آواز میں گریہ و زاری کر رہے تھے۔ آپ اپنی خواب میں دیئے گئے اشارے کو سمجھ گئے اور آپ کو یہ اندازہ ہوگیا کہ والد گرامی کا وصال ہو چکا ہے۔ اتنی دیر میں جنازہ مزید قریب آگیا آپ کو کامل یقین ہوگیا۔ آپ اپنے بھائیوں اور دوسرے عقیدت مندوں کے ساتھ مل کر بہت

روئے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ سبھی صاجزادوں کا اتفاق اس بات پر ہے کہ والد گرامی کو شہر کے باہر شہدا کی قبروں کے نزدیک دفن کیا جائے۔ آپ نے نہایت تدبر سے فرمایا کہ

"میرے عزیز ترین بھائیو! سنو میرا یہ خیال ہے کہ اگر ہم شیخ کو فصیل کے باہر دفن کر دیں گے تو کوئی ہم پر یقین نہ کرے گا اور دوری کی وجہ سے ہم اچھی طرح انتظام بھی نہ کر پائیں گے۔ لوگ زیارت کے لئے آئیں گے اور باہر سے ہی زیارت کر کے چلے جایا کریں گے۔"

چنانچہ باہم مشورہ کے بعد آپ کا جنازہ واپس لایا گیا اور آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں پر آج آپ کا مزار اقدس موجود ہے اور ہزاروں لوگوں کے لئے باعث سکون قلب ہے۔

ازواج پاک گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
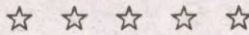
حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے چار نکاح کیے۔
(1) ام کلثوم (2) بی بی ہزبرہ بانو۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ہے کہ یہ غیاث الدین بلبن کی بیٹی تھیں۔ (3) شکرو (4) سیارو۔
حضرت ہزبرہ بانو کے بطن سے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں تولد ہوئیں۔

اولاد پاک گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

دختران

(1) بی بی فاطمہ	آپ کا نکاح حضرت مولانا بدرالدین اسحاق سے ہوا تھا۔
(2) بی بی مستورہ	آپ کا نکاح شیخ عمر صوفی کے ساتھ ہوا تھا۔
(3) بی بی شریفہ	آپ کا نکاح حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا تھا۔

صاحبزادگان

(1) شیخ نصیرالدین نصراللہ
(2) شیخ شہاب الدین (ان کا نام آپ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے عقیدت کے باعث رکھا تھا۔
(3) شیخ بدرالدین سلیمان
(4) شیخ نظام الدین
(5) شیخ یعقوب
(6) شیخ عبداللہ بیابانی۔

سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں اور پوتے اور نواسے بہت تھے جو دنیا کے شرف و غرب میں پھیل چکے ہیں اور گوشہ گوشتہ کو اپنے قدموں سے منور کیا ہے۔ ان سب کے حالات سیرالاولیا میں مذکور ہیں۔ آپ کے بڑے صاحب زادے کا نام نصیرالدین تھا جو جمیع اخلاق حسنہ سے مزین تھے۔ آپ نے عبادت الہٰی اور لقمہ حلال کے لئے زراعت کا پیشہ اختیار کیا اور رضائے حق میں عمر گزار دی۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ دوسرے صاجزادے کا نام شیخ شہاب الدین تھا جو علم و فضل سے آراستہ تھے اور اکثر اوقات اپنے والد بزرگوار کے ساتھ بسر کرتے تھے سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میرے اور شیخ شہاب کے درمیان بڑی محبت تھی ایک دن مجھ سے بلا قصد حضرت گنج شکر سے گستاخی ہوگئی میں نے ان کے ذریعہ عرض کر کے خطا معاف کرائی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کے تیسرے صاجزادے بدرالدین سلیمان تھے جو علم و تقویٰ میں مشہور اور مشائخ کبار کی صفات سے موصوف تھے حضرت گنج شکر کے وصال کے بعد آپ اپنے بھائیوں اور دیگر مریدین کی اتفاق رائے سے مسند نشین ہوئے اور اس مقام کو نور حضور سے منور فرمایا۔ آپ کو حضرت خواجہ نے اپنی موجودگی میں خلفائے چشت کا مرید کیا تھا واقعہ اس طرح ہے کہ خواجہ قطب الدین چشتی ابھی خوروسال تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔لوگوں نے چاہا کہ ان کو اپنے

والد کے سجادہ پر بٹھائیں۔

لیکن بزرگان چشت اور دیگر رشتہ داروں نے کہا کہ خواجہ قطب الدین کے چچا خواجہ علی چشتی جو مسند کے وارث دہلی میں موجود ہیں ان سے دریافت کرنا چاہیے کہ کیا فرماتے ہیں اس کام کے لئے لوگوں نے سلسلہ چشتیہ کے دو بزرگان صاحب نعمت خواجہ زور اور خواجہ غور کو خواجہ علی چشتی کی خدمت میں دہلی روانہ کیا۔ جب یہ بزرگان اجودھن تشریف لائے تو حضرت گنج شکر نے ان کا استقبال کیا اور نہایت عزت و تکریم کے ساتھ اپنے گھر پر لے آئے اور ان کی مہمان نوازی کی۔ اسی موقعہ پر آپ نے اپنے دونوں لڑکوں یعنی شیخ شہاب الدین اور شیخ بدرالدین سلیمان کو ان کا مرید کیا۔ جب یہ بزرگ دہلی پہنچے تو خواجہ علی چشتی نے ان کے ساتھ چشت جانے کا ارادہ کیا۔

چونکہ سلطان غیاث الدین بلبن خواجہ علی چشتی کا مرید تھا اس نے ہزار منت سماجت کر کے خواجہ علی کو چشت جانے سے روک دیا۔ خواجہ علی نے بزرگان چشت کو ایک خط لکھا کہ میں نے جو نعمت اپنے والد اور چچوں سے حاصل کی تھی میں نے اپنے برادر زادہ خواجہ قطب الدین کو بخشی اور سجادہ نشین چشت ان کے حوالہ کیا خواجہ زور اور خواجہ غور یہ خط لیکر چشت روانہ ہوئے اور خواجہ قطب الدین کو بالاتفاق سجادہ نشین چشت بنایا گیا۔ خواجہ علی چشتی دہلی میں رہے ان کا مزار بھی دہلی میں ہے۔ جب شیخ بدر الدین سلیمان کا وصال ہوا تو حضرت گنج شکر کے مقبرہ مبارک کے اندر دفن کیا گیا۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ کے چوتھے صاحبزادے شیخ نظام الدین تھے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت گنج شکر ان کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ آپ سے گستاخی بھی کرتے تھے لیکن آپ سن کر تبسم فرماتے تھے اور غصے نہیں ہوتے تھے۔ آپ بادشاہ کی فوج میں ملازم تھے اور اس طرح رزق حلال کماتے تھے۔ آپ سجادہ اور جوان مردی میں بے نظیر تھے۔ آپ بڑے صاحب فراست تھے۔ چنانچہ آپ کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ حضرت گنج شکر کے وصال کے وقت آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے ہمراہ قصبہ بیتالی میں تھے۔

رات کو خواب دیکھا کہ حضرت گنج شکر انہیں اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ آپ رخصت حاصل کر کے اجودھن کی طرف روانہ ہوگئے اور جس رات خواجہ گنج شکر کا اجودھن میں وصال ہوا اسی رات کو آپ اجودھن پہنچ گئے لیکن چونکہ قلعہ کے دروازے بند تھے آپ نے رات باہر بسر کی۔ حضرت خواجہ نے اسی رات کئی دفعہ فرمایا کہ نظام الدین آیا ہے لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہو سکی صبح کے وقت جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچے تو اندر سے حضرت خواجہ کا جنازہ آرہا تھا۔ آپ نے بھائیوں سے دریافت کیا کہ کہاں لے جارہے ہو انہوں نے جواب دیا کہ قلعہ سے باہر مقبرہ شہداء میں دفن کرنے جارہے ہیں کیونکہ آپ اکثر وہاں جاکر مشغول ہوا کرتے تھے۔ نیز یہ پر فیض مقام ہے وہاں دفن کرنا مناسب ہے۔

شیخ نظام الدین نے کہا کہ اگر آپ کا مقبرہ وہاں بنایا گیا تو تم لوگ بے قدر ہو جاؤ گے۔ پس نماز جنازہ وہاں ادا کر کے شیخ نظام الدین کے مشورے کے مطابق جنازہ قلعہ کے اندر لے آئے اور آپ کے حجرہ خاص میں دفن کیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد کفار نے اجودھن پر حملہ کیا شیخ نظام الدین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بے شمار کفار کو تہ تیغ کر کے شہید ہوگئے۔ لیکن آپ کی نعش مبارک تلاش کے باوجود نہ مل سکی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سلطان علاؤالدین کے ہمراہ قلعہ رن بھور کے دروازے پر شہد ہوئے اور اب تک آپ کی قبر وہاں مشہور ہے۔ خلقت زیارت کے لئے وہاں جاتی ہے اور فیضیاب ہوتی ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ کے پانچویں صاجزادے کا نام شیخ یعقوب تھا۔

آپ سب سے چھوٹے تھے۔ آپ سخاوت میں بہت مشہور تھے آپ صاحب حال اور صاحب کرامت تھے۔ لیکن آپ کا طریق ملامیتہ تھا۔ آپ جس طرح لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔ حق تعالیٰ کے سامنے اس کے بالکل برعکس ہوتے تھے۔ آپ کی طبع بہت فیاض اور لطیف تھی۔ آپ اکثر سفر میں رہتے تھے چنانچہ سفر کی حالت میں قصبہ امروہہ جاتے ہوئے مردان غیب نے آپ کو اٹھالیا اور اسی طرح آپ غائب ہوگئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ آپ کی بڑی صاجزادی کا اسم گرامی بی بی مستورہ تھا جو نہایت عابدہ و

زاہدہ تھیں اور اخیر دم تک عبادت الٰہی میں مشغول رہیں۔ رحمتہ اللہ علیہا۔
آپ کی دوسری صاجزادی کا اسم گرامی شریفہ تھا وہ بھی نہایت متقی و پرہیز گار تھیں۔ جوانی میں آپ کے خاوند کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ نے بقیہ ساری عمر عبادت میں گزار دی اور عقد ثانی نہ کیا۔ حضرت گنج شکر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورت کو خلافت دینا جائز ہوتا تو شریفہ کو خلافت دیتا رحمتہ اللہ علیہا۔ تیسری صاجزادی کا اسم گرامی فاطمہ تھا آپ کی شادی بدرالدین اسحاق سے ہوئی تھی آپ کے بطن مبارک سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک خواجہ محمد دوسرے خواجہ موسے۔ ان دونوں صاجزادگان کی تربیت حضرت سلطان المشائخ کے ہاں ہوئی اور بڑے مراتب پر فائض ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہما۔ شیخ علاؤالدین بن شیخ بدرالدین سلیمان بن گنج شکر آپ کے تمام پوتوں اور نواسوں میں ممتاز تھے اور علودرجات، رفعت، مقامات اور شدت مجاہدات و شوق مشاہدات میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ بڑے سخی تھے اور ہمیشہ طہارت ظاہرو باطنی میں کوشاں رہتے تھے چنانچہ ساری عمر آپ نے صوم دوام میں گزار دی۔ آدھی رات کے بعد جب آپ عبادت سے فارغ ہوتے تھے ایک روٹی گھی لگا کر آپ کے سامنے لاتے تھے آپ اسی سے افطار کرتے تھے لیکن دوسرے لوگوں کے لئے قسم قسم کے کھانے پکواتے تھے۔ ایک دن خواجہ گنج شکر چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ خواجہ علاؤالدین دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے آئے اور آپ کی چارپائی کا پایہ پکڑ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور کرسی پر بیٹھ کر وضو کرنے لگے۔ آپ کا ایک خادم خاص تھا جس کا نام خواجہ عیسیٰ تھا اور خلوت خاص میں خدمت بجالاتا تھا۔ غرضیکہ خواجہ عیسیٰ نے وضو کرانے کے بعد مصلے سیدھا کیا تاکہ حضرت خواجہ نماز پڑھیں۔ لیکن شیخ علاؤالدین آکر مصلے پر بیٹھ گئے۔
خواجہ عیسیٰ انہیں اٹھانے لگا لیکن آپ نے فرمایا۔ بیٹھنے دو۔ آپ دو قرن (گھنٹے) تک اپنے دادا کے پاس بیٹھے فیض حاصل کرتے رہے۔ آپ سولہ سال کے تھے کہ والد شیخ بدرالدین سلیمان کا وصال ہو گیا اور آپ اپنے دادا بزرگوار کی مسند پر متمکن ہوئے جون 54 سال تک آپ نے سجادہ کا کماحقہ، حق

ادا کیا۔ چنانچہ آپ کی عظمت و کرامت کی شہرت آپ کی زندگی میں ہی سارے جہان میں ہوگئی تھی اور آپ کا اسم گرامی تمام مشائخ عظام میں مشہور ہوگیا۔ آپ نے ساری عمر سوائے جامع مسجد کے گھر سے باہر قدم نہ رکھا اور نہ کبھی بادشاہوں یا امراء کے دروازے سے تشریف لے گئے۔ اکثر شاہان وقت آپ کی زیارت کو آتے تھے لیکن آپ نے اپنے مقام سے ہرگز جنبش نہ کی۔

جب کوئی آپ کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے آتا تو آپ اسے حضرت گنج شکر کے روضہ مبارک پر بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کو بابا کے قدموں کی طرف لے جاؤ اور کلاہ دے دو۔ سلطان فیروز شاہ بادشاہ دہلی آپ کے مریدین میں سے تھا۔ شیخ رکن الدین حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی ﷫ کے پوتے آپ کا بہت ادب کرتے تھے۔ ایک دن آپ دہلی سے ملتان جارہے تھے۔ راستے میں حضرت گنج شکر ﷫ کی زیارت کے لئے اجودھن پہنچے اور زیارت کے بعد شیخ علاؤالدین سے ملے اور کہنے لگے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہمت عطا فرمائی ہے کہ کوئی شخص آپ کو اپنے مقام سے نہیں ہلا سکتا اور ہمیں قرابت دار لوگ کشاں کشاں لئے پھرتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ رخصت ہوگئے۔

خواجہ شمس الدین سراج تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ جس وقت غیاث الدین تغلق سلطان علاؤالدین خلجی کی طرف سے دیپال پور کا حاکم تھا ایک دن شیخ علاؤالدین کی زیارت کے لئے اجودھن گیا۔ سلطان محمود اور سلطان فیروز بھی ہمراہ تھے حضرت شیخ نے ساڑھے چار گز کپڑا سلطان تغلق کو ستائیس گز سلطان محمد کو اور چالیس گز سلطان فیروز کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے کپڑے سر پر باندھ لئے اور باہر چلے گئے۔ آپ نے فرمایا یہ تینوں شخص تاجدار اور سلطان عالی قدر ہوں گے۔ کچھ عرصے کے بعد سلطان علاؤالدین خلجی کا جانشین برطرف ہوگیا اور سلطان غیاث الدین تغلق دہلی کا بادشاہ بن گیا۔ چار سال اور چند ماہ سلطنت کرنے کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمد نے ستائیس سال حکومت کی اور چلا گیا۔ اس کے بعد سلطان فیروز بن رجب برادرزادہ سلطان تغلق دہلی کے تخت پر بیٹھا اور چالیس سال جم کر سلطنت کی۔ سلطان فیروز شاہ آپ کا مرید پاک اعتقاد تھا۔ آپ

کے کرامات و فضائل بہت ہیں۔ جب شیخ علاؤالدین کا وصال ہوا تو آپ کو حضرت گنج شکر کے مزار کے قریب دفن کیا گیا اور سلطان محمد تغلق شاہ نے آپ کے مزار پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا۔ لیکن لوگوں نے غلبہ اعتقاد کی وجہ سے اجودھن اور دیپالپور اور کشمیر کے علاقے میں قبریں بنا کر مشہور کر دیا ہے کہ یہ شیخ علاؤالدین کا مزار ہے۔ لوگ ہر جگہ زیارت کے لئے جاتے ہیں۔
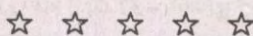
خلفائے گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

(1) حضرت بدرالدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ شیخ کے جانشین اور خلیفہ مجاز بھی تھے۔

(2) حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ شیخ کے بھانجے اور خلیفہ مجاز بھی تھے۔

(3) حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

(4) حضرت شیخ شمس الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

(5) قطب ہانسی حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ

(6) حضرت شیخ یعقوب فرزند ارجمند رحمۃ اللہ علیہ

(7) حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

(8) حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ

(9) حضرت شیخ بدرالدین نصراللہ رحمۃ اللہ علیہ

(10) حضرت شیخ بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔ داماد

(11) حضرت شیخ دہارو رحمۃ اللہ علیہ

(12) حضرت زید الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ

(13) حضرت شیخ علی شکر ریز رحمۃ اللہ علیہ

(14) حضرت شیخ علی شکر بار رحمۃ اللہ علیہ
(15) حضرت شیخ محمد سراج رحمۃ اللہ علیہ
(16) حضرت شیخ جمال کامل رحمۃ اللہ علیہ
(17) حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ شیخ کے حقیقی بھائی تھے۔
(18) حضرت شیخ صابر رحمۃ اللہ علیہ
(19) حضرت مولانا داؤد پاٹلی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

مراۃ الاسرار میں تحریر ہے کہ

آں امام ارباب مشاہدہ' آں سلمان اصحاب مجاہدہ آں بیدار ذرعالم عشق و اذواق آں حق باستحقاق' آں وارث الانبیاء و المرسلین سلطان المشائخ شیخ نظام الدین بن محمد قدس سرہ بن احمد بن علی بدایونی بخاری رحمتہ اللہ علیہ محبوب. خدا اور سرحلقہ اولیاء اہل صفا تھے۔ آپ عشق کامل' شوق وافر' وجد صادق' حال قوی اور ہمت بلند رکھتے تھے۔ انبیاء علیہم کے بعد اصحاب طریقت میں سے کسی بزرگ سے اس قدر تصرفات ظاہری و باطنی سرزد نہیں ہوئے جتنے آپ سے ہوئے۔ آپ تمام غوثی قطبی اور فردانیت کے مقامات سے گزر کر مرتبہ محبوبی تک پہنچ گئے تھے۔ آپ کے اقوال و افعال تمام مشائخ کے لئے آج تک حجب قاطع ہیں اور سب آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور قیامت تک دیکھتے رہیں گے۔ آپ نے اپنے نور ولایت سے سارے ہندوستان کو منور فرمایا اور ایک جہان کو ہدایت بخشی۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو "سلطان المشائخ" کے خطاب سے ممتاز فرمایا اور آپ کے اور آپ کے مریدین کے سر پر تاج کرامت رکھا۔ چنانچہ آپ کی ولایت کے تصرفات اظہر من الشمس ہیں اور کسی بشر کو انکار کی جرات نہیں ہوئی۔ آپ حضرت گنج شکر کے بزرگ ترین مرید و خلیفہ تھے۔

نسب مبارک

آپ کے بزرگان شہر بخارا کے رہنے والے تھے جو گنجینہ علم اور کان حلم ہے۔ آپ کے والد کے دادا خواجہ علی اور آپ کی والدہ کے دادا خواجہ عرب دونوں بزرگ بخارا سے لاہور پہنچے۔ وہاں سے بدایون گئے اور اسی جگہ سکونت اختیار کرلی۔ اتفاقاً ان دونوں بزرگوں کے درمیان رشتہ ہو گیا۔ خواجہ عرب نے اپنی لڑکی رابعہ وقت بی بی زلیخا جن کا روضہ مبارک آج تک دہلی میں حاجت مندوں کی آماجگاہ ہے کا عقد نکاح سلطان المشائخ کے والد ماجد خواجہ احمد بن علی کے ساتھ کر دیا۔ خواجہ احمد کمال دیانت وصلاح سے آراستہ تھے بادشاہ وقت کے حکم سے بدایون کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ آپ کا مزار اسی جگہ ہے اور خلق کی زیارت گاہ ہے۔ حق تعالیٰ نے ان دونوں صدف سیپ سے سلطان المشائخ کی صورت میں وہ گوہر پیدا فرمایا جو سرمایہ کرامت و عشق و محبت تھا۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ خالدی تھے۔

الغرض آپ ابھی صغیر سن تھے کہ والد بزرگوار بیمار ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے خواب دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ ایک کو اختیار کرو خواجہ احمد کو یا اپنے بیٹے کو۔ انہوں نے بیٹے کو اختیار کیا۔ اس کے فوراً بعد خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ جب سلطان المشائخ کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو

مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ آپ نے چند ایام میں قرآن مجید ختم کر لیا اور کتابیں پڑھنا شروع کر دیں اور اکثر علوم میں مہارت حاصل کر لی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ بارہ سال کی عمر میں میں نے علم لغت پڑھا۔ ابوبکر خراطہ ملتان سے ہمارے استاد سے ملنے آئے انہوں نے پہلے شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے کمالات بیان کئے۔ لیکن میرے دل نشین نہ ہوئے اس کے بعد انہوں حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ کا ذکر شروع کیا۔ آپ کا اسم مبارک سنتے ہی میں بے اختیار ہو گیا اور آپ کی محبت میرے دل پر غالب آنے لگی۔ حتیٰ کہ یہ حالت ہو گئی کہ ہر نماز کے بعد میں آپ کے اسم گرامی کی تسبیح پڑھنے لگا۔ دس بار شیخ فریدالدین اور دس بارہ مولانا فرید کہتا تھا۔ اس کے بعد سوتا تھا۔ جب میری عمر سولہ برس ہوئی اپنی والدہ اور ہمیشرہ کے ہمراہ دہلی جاکر سکونت اختیار کر لی۔ اتفاقاً" ہم حضرت گنج شکر کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل علیہ الرحمۃ کے گھر کے قریب ٹھہرے۔ ان کی صحبت سے روز بروز حضرت گنج شکر کی قدم بوسی کا شوق بڑھتا گیا۔ لیکن تین چار سال مزید شہر میں رہا اور محنت کر کے علم حاصل کرتا رہا۔ علم حدیث کی سند اپنے استاد سے حاصل کی۔

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب سلطان المشائخ نے تمام علوم میں کمال حاصل کر لیا اور علمائے شہر میں ممتاز ہو گئے تو ایک دن آپ نے شیخ نجیب الدین متوکل کی خدمت میں جاکر عرض کیا کہ مجھے قاضی بننے اور خلق خدا کو نفع پہنچانے کا شوق ہے۔ شیخ نے فرمایا خدا نہ کرے کہ تو قاضی بنے۔ تم وہ بنو گے کہ جس کی ہم امید رکھتے ہیں۔ آپ پر خواجہ گنج شکر کی زیارت کا شوق اسقدر غالب آیا کہ چند روز کے بعد بیس سال کی عمر میں یعنی عین شباب کے عالم میں تمام کام چھوڑ کر آپ نے اجودھن کا سفر اختیار کیا اور زیارت سے فیض یاب ہو گئے۔ چنانچہ آپ خود راحت القلوب میں لکھتے ہیں کہ چہار شنبہ کے دن دس ماہ رجب 655ھ کو مسلمانوں کا یہ دعاگو نظام احمد بدایونی سلطان الطریقت کا غلام جو ان ملفوظات کا جامع ہے سید العابدین حضرت فرید الدین گنج شکر مسعود اجودھنی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی وقت آپ نے کلاہ چار ترکی جو آپ کے سر پر تھی اتار کر دعاگو

کے سر پر رکھی اور خرقہ خاص نعلین چوبیں کھڑاؤں عطا فرمائے۔ الحمد اللہ علی ذالک۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں چاہتا تھا کہ ہندوستان کی ولایت کسی دوسرے کو دوں۔ لیکن تم راستے میں تھے اور مجھے آواز دی گئی کہ ابھی ٹھہرو نظام بدایوانی پہنچنے والا ہے۔ یہ ولایت اس کی ہے اور اس کے حوالہ کرو۔ دعاگو نے چاہا کہ اشتیاق قدم بوسی جس کا بے حد غلبہ تھا حضرت کی خدمت میں عرض کروں۔ لیکن آپ کی دہشت اس قدر تھی کہ کچھ عرض نہ کر سکا۔ آپ نے فوراً" زبان مبارک سے فرمایا کہ ہاں تمہارا شوق بیان سے باہر ہے اور یہ شعر دعاگو کے حال کے مناسبت سے پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

تیرے فراق کی آگ نے دل جلا دیئے ہیں اور تیری ملاقات کے شوق نے جانیں تباہ کر دی ہیں۔

اس کے بعد اس دعاگو کے دل میں خیال آیا کہ آئندہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلے گا لکھتا جاؤں گا۔ یہ خیال ابھی دل میں آیا ہی تھا کہ آپ نے فرمایا خوش قسمت ہے وہ مرید جو اپنے پیر کے منہ سے جو کچھ سنے قلم بند کر لے۔ اس کی بے حد برکات ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ کوئی لمحہ اور کوئی لحظہ ایسا نہیں گزرتا کہ میرے دل پر ندا دی جاتی ہے یہ زندہ ولی ہے اور اس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت ہے۔

اس کے بعد درویشی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا درویشی پردہ پوشی ہے اور خرقہ پوشی اس شخص کا حق ہے جو لوگوں کی عیب پوشی کرتا ہے اور ان کے عیب کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا اور جو کچھ اسے ملتا ہے راہ حق میں خرچ کر دیتا ہے اور جمع نہیں کرتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اصحاب طریقت اور مشائخ کبار نے اپنے فوائد میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی زکوٰۃ طریقت ہے وہ یہ کہ دو سو درم میں سے پانچ درم رکھے اور باقی راہ خدا میں دیدے۔ تیسری زکوٰۃ حقیقت ہے وہ زکوٰۃ حقیقت ہے' وہ زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو درم میں سے کچھ

باقی نہ رکھے اور سب راہ خدا میں صرف کر دے۔ کیونکہ درویشی پردہ پوشی اور خود فروشی ہے۔ الغرض راحت القلوب میں بیشمار فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ دیکھ کر ان پر عمل کرنا چاہئے جب بیعت کے بعد سلطان المشائخ حضرت گنج شکر کی خدمت میں سلوک و ریاضت میں مشغول ہوئے تو عرض کیا کہ اگر فرمان ہو تو ابھی تعلیم چھوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے منع نہیں کرتا۔ دونوں کام جاری رکھو۔ دیکھو کون سا کام غالب آتا ہے۔ چند یوم کے بعد استغراق شغل باطن کا آپ پر اس قدر غلبہ ہوا کہ تعلیم خودبخود چھوٹ گئی۔ سلطان المشائخ نے بارہا فرمایا کہ جو کتابیں میں پہلے پڑھ چکا تھا اگر اب ان پر نظر ڈالتا ہوں تو میرے احوال باطن میں فتور عظیم پیدا ہوتا ہے۔

ع جائے کہ سلطان خیمہ زد غوغا نماند عام را

(جس جگہ بادشاہ نے خیمہ لگایا وہاں عام لوگوں کا شوروغل ختم ہو گیا)

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دن کشمیر میں حضرت گنج شکر کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ تمام یاران حاضر تھے۔ گرمی کا وقت تھا تمام دوست اٹھ کر سایہ کر رہے تھے۔ اس اثنا میں قیلولہ دوپہر کے آرام کا وقت ہو گیا اور سب سو گئے۔ یہ درویش بیٹھا مکھیاں ہٹاتا رہا۔ آپ نے بیدار ہو کر دریافت فرمایا کہ باقی دوست کہاں ہیں۔ عرض کیا کہ سو رہے ہیں۔ فرمایا آؤ تجھے ایک چیز بتاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم دہلی جاکر مجاہدہ میں مشغول ہو جانا اور بے کار نہ رہنا۔ روزہ نصف راہ ہے اور نصف راہ باقی اعمال یعنی نماز اور حج ہیں۔ اس وقت آپ نے بہلے فوائد بیان فرمائے اور انمول باتیں بیان فرمائیں۔ شیخ بدرالدین اسحاق علیہ الرحمۃ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ سفر محض آپ کیلئے تھا کیونکہ اس سفر میں آپ نے شیخ سے بہت نعمتیں حاصل کیں۔ اس کے بعد سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ کے فرمان سے اسقدر مست ہوا کہ میں یہ بھی نہ پوچھ سکا کہ کون سا مجاہدہ اختیار کروں۔ پس میں نے سوچ کر صوم دہر اختیار کر لیا۔ لیکن چونکہ حضرت شیخ کے فرمان کے بغیر اختیار کیا تھا۔ کبھی کبھی اس میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت شیخ سے فاتحہ کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے اجازت فرمائی۔

اس وجہ سے کہ دعاگو دربدر نہ پھرتا رہے۔ (شاید فاتحہ سے مراد عمل تسخیر ہے)
سلطان المشائخ فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت گنج شکرؒ کی طبیعت ناساز تھی۔ آپ
نے مجھے چند دوستوں سمیت شہداء کی ان قبور کی زیارت کے لئے بھیجا جو
اجودھن میں ہیں۔ جب ہم واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی دعا نے
کچھ اثر نہیں دکھایا اور مجھے بالکل نیند نہیں آئی۔ ہمارا ایک دوست تھا جس کا نام
شیخ علی بہاری تھا۔ وہ دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا ہم لوگ ناقص ہیں اور
آنحضرت کامل۔ ناقصوں کی دعا کاملوں کے حق میں کیسے مستجاب ہو سکتی ہے۔ یہ بات
آپ نے سمع مبارک تک نہ پہنچ سکی اور میں نے حضرت کے گوش گزار کی۔ آپ
نے فرمایا میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ تم جو کچھ مانگو گے پاؤ گے۔
اس کے بعد آپ نے اپنا خاص عصا مجھے عنایت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ حق
تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرما دیں۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت گنج
شکرؒ کا چہرہ متغیر تھا۔ اور آپ ننگے سر اپنے حجرۂ خاص میں چل رہے تھے اور
یہ بیت پڑھ رہے تھے۔

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے توزیم
خاکے شوم وبزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ زکونین توئی
از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ تیری وفا میں زندگی گزاروں۔ مٹی ہو جاؤں
اور تیرے قدموں کے نیچے رہوں۔ مجھ خستہ کا مقصود دونوں جہانوں میں تو ہی ہے
تیرے ہی لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اور تیرے ہی لئے مرنا چاہتا ہوں۔

جب آپ یہ ابیات پورے کر لیتے تھے۔ تو سر سجدہ میں رکھ دیتے تھے
آپ نے چند بار یہی کیا۔ اس کے بعد میں حجرے کے اندر داخل ہوا اور سر
قدموں میں رکھ دیا۔ آپ نے کمال شفقت سے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو۔ طلب کرو۔
میں نے دینی نعمت طلب کی اور آپ نے عطا فرمائی۔ اس کے بعد میں پشیمان ہوا۔
کہ یہ کیوں نہ مانگا کہ سماع میں مجھے موت آئے۔ قاضی محی الدین کاشانیؒ نے

پوچھا کہ آپ نے کیا طلب کیا تھا فرمایا میں نے استقامت طلب کی اور شیخ نے مجھے عنایت فرمائی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں ایک دن آپ کے فرزند شیخ نظام الدین اور یہ ضعیف دونوں آپ کے خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا تم دونوں میرے فرزند ہو ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم فرزند نانی (روٹی والے فرزند) ہو اور بندہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم فرزند جانی (روحی) ہو۔ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شخص تھا جس نے میرے ساتھ دوستی لگائی۔ جب چلا گیا تو کچھ عرصہ تو دوستی پر برقرار رہا لیکن اس کے بعد اس کی وہ حالت نہ رہی۔ ایک اور آدمی کا بھی یہی حال ہوا۔ اس کے بعد میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ یہ ایسا آدمی ہے کہ جب سے اس نے میرے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے اسی پر قائم ہے اور اس کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سلطان المشائخ نے جب یہ بات کہی تو رونے لگے اور گریہ کی حالت میں فرمایا کہ آج تک ان کی محبت برقرار ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی برقرار رہے گی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت نے اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال کر مجھے حفظ قرآن کی وصیت فرمائی اور فرمایا اے نظام الدین مجھے ساری دنیا دی گئی ہے۔ ہمارے ہاں سب کچھ ہے۔ جاؤ ہندوستان کا ملک تیرے حوالے کیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ نے مجھے خلافت دی تو فرمایا کہ حق تعالیٰ نے علم و عشق دیا ہے جس کسی میں یہ صفات ہوتی ہیں خلافت مشائخ کے شایان ہوتا ہے اور وہ یہ کام چلا سکتا ہے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کی حیات میں تین مرتبہ میں اجودھن گیا اور آپ کے وصال کے بعد سات مرتبہ وہاں حاضر ہوا یعنی کل دس مرتبہ شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سات بار اجودھن گئے تھے اور شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ انیس بار دہلی سے اجودھن گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے راحت القلوب کے شروع میں لکھا ہے کہ ماہ رجب 655ھ میں دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دوسری بار ماہ ربیع اوال 656ھ کو سعادت قدمبوسی حاصل ہوئی اور اس دعاگو کو خلوت خاص سے نوازا گیا۔ تمام عزیزان باصفا حاضر تھے آپ نے فرمایا حق تعالیٰ کے حکم سے ہم نے

مولانا نظام الدین ؒ کو ہندوستان کی ولایت دی اور اپنا سجادہ نشین مقرر کیا۔

یہ سن کر بندہ نے اپنا سرزمین پر رکھ دیا آپ نے فرمایا اے جہانگیر عالم سر اوپر اٹھاؤ۔ اس کے بعد آپ نے خواجہ قطب الاسلام کی دستار جو آپ کے سر پر تھی۔ مجھے عطا فرمائی اور خرقہ پہنایا اور عصا ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ دوگانہ نماز ادا کرو۔ جب میں نے قبلہ کی طرف منہ کیا تو آپ نے بندہ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا جاؤ میں نے تجھے خدا کے سپرد کیا۔ فرمایا یہ سب کچھ تجھے دیتا ہوں اس لئے کہ میرے آخری وقت پر تم یہاں نہ ہوگئے کیونکہ میں بھی خواجہ قطب الاسلام کے وصال کے وقت حاضر نہ تھا۔ ہانسی میں تھا۔ اس کے بعد شیخ بدرالدین اسحاق ؒ کو حکم دیا کہ وہ تحریر لاؤ۔ جب تحریر حاصل کی تو آپ نے میرا سر پہلو مبارک میں لے کر فرمایا کہ ہم نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ آج یہاں رہ جاؤ کل چلے جانا۔ اس روز باورچی خانہ کے خرچ کے لئے کوئی فتوح نہیں آئی تھی سب متعلقین ویسے بیٹھے تھے۔ بندہ نے عرض کیا کہ تصدیق مخدوم نے مجھے ایک دو آنے زادراہ کے لئے عطا کئے ہیں اگر حکم ہو تو اس سے کھانا خرید کر لاؤں اسبات سے آپ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائے خیر دی۔ نیز فرمایا کہ تمہارے لئے میں نے حق تعالیٰ سے کچھ دنیا مانگی ہے۔ یہ سن کر میں کانپ اٹھا کہ افسوس دنیا نے تو کئی بزرگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے میرا کیا حال ہوگا۔ آپ نے میرے دل کی بات سے آگاہ ہو کر فرمایا کہ تجھے اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔ اس سے مجھے ایک گونا خوشی حاصل ہوئی۔ آخر شب کو میں دیکھتا ہوں کہ ایک عورت جماعت خانہ کے صحن میں جھاڑو دے رہی ہے۔ میں نے پوچھا تو کون ہے اس نے کہا میں دنیا ہوں اور حضرت مخدوم کے گھر میں جھاڑو دے رہی ہوں۔ آخر وہی ہوا جو حضرت گنج شکر ؒ کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ پہلے ہانسی جاؤ اور یہ تحریر شیخ جمال الدین ؒ کو دکھاؤ بعدہٗ جب دہلی پہنچو تو قاضی منتخب کو بھی دکھانا۔ لیکن شیخ نجیب الدین متوکل ؒ کا نام نہ لیا۔ اس سے مجھے حیرانی ہوئی۔ لیکن جب دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ شیخ نجیب الدین ؒ کا انتقال ہو گیا ہے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں

کہ جب میں تیسری بار ماہ رمضان 669ھ میں اجودھن گیا۔ میری حضرت گنج شکر ؒ سے آخری ملاقات تھی۔ رخصت کے وقت آپ نے میری طرف منہ کر کے فرمایا کہ حق تعالیٰ تجھے نیک بخت کرے۔ اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین ورزقک واسعا" وعلما" نافعا" وعملاً" مقبولا"

(اللہ تعالیٰ تجھے سعادت دارین، فراخ رزق، علم نافع، اور عمل مقبول عطا فرمائے)

اس کے بعد فرمایا کہ خدا کرے تو ایسا درخت بنے کہ خلقت اس کے سایہ میں آرام کرے۔ فرمایا استعداد بڑھانے کے لئے مجاہدہ جاری رکھو۔ پس جب میں آپ سے رخصت ہوا۔ تو ہانسی جاکر خلافت نامہ جمال الدین ہانسوی ؒ کو دکھایا۔ انہوں نے بہت شفقت فرمائی اور شعر زبان پر لائے

خدائے جہاں راہزاران سپاس
کہ گوہر سپردہ بگو ہر شناس

(اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ گوہر گوہر شناس کے سپرد کیا)

تاریخ دہلی

آپ کے زمانے میں سات بادشاہوں نے دہلی کے تخت پر حکومت کی ان میں سے بعض مخلص تھے اور بعض مخالف۔ جن کا مجمل ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ حضرت گنج شکر ؒ سے خلافت حاصل کر کے جب دہلی پہنچے تو سلطان غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا۔ چونکہ سلطان غیاث الدین بلبن خواجہ گنج شکر ؒ کے ساتھ نسبت بندگی و اعتقاد رکھتا تھا۔ آپ کا بھی مخلص و معتقد رہا۔ اکیس سال حکومت کرنے کے بعد 686ھ میں سلطان بلبن نے وفات پائی۔ اس وقت اس کا لڑکا ناصر الدین محمود لکھنوتی میں تھا۔ ارکان دولت نے کسی مصلحت سے اس کے بیٹے معزالدین کیقباد کو سترہ سال کی عمر میں دادا کے تخت پر بٹھا دیا وہ بھی سلطان المشائخ کا مخلص و معتقد تھا۔ اس زمانے سے تمام خلقت سلطان المشائخ کی بندگی کو سعادت دارین سمجھ کر آپ کی خدمت گزاری کرتی تھی۔

سلطان معزالدین بہت نیک صورت اور نیک سیرت نوجوان تھا۔ چنانچہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قرن السعدین لکھا ہے لیکن چونکہ شراب خوری اور عیش و عشرت کا عادی تھا۔ اس کی سلطنت میں خلل واقع ہو گیا اور تین سال حکومت کرنے کے بعد 689ھ میں جلال الدین خلجی جو اس کے دربار کا ایک رکن تھا کے حکم سے بیماری کی حالت میں قتل کر دیا گیا۔ اراکین سلطنت نے اتفاق رائے سے سلطان جلال الدین خلجی کو گیلو گھری کے محل میں تخت نشین کیا۔ سلطان جلال الدین عبادت گزار، کریم طبع، شعر فہم اور صاحب سماع تھا اور ہمیشہ سلطان المشائخ کی خدمت میں فتوحات کثیر ارسال کیا کرتا تھا۔ وہ چھ سال اور دوسری روایت کے مطابق سات سال حکومت کرنے کے بعد اپنے بھتیجے اور داماد علاؤ الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ماہ رمضان 695ھ میں مانک پور کے مقام پر شہید ہوا اور سلطان علاؤ الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ اپنے چچا کی جگہ تخت پر بیٹھا۔

علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ بڑا مدبر اور غیور انسان تھا۔ اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن تمام ہندستان کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں اس کے تیار کردہ ضوابط مفصل طور پر نقل کئے ہیں۔ شروع میں بعض حاسدوں نے سلطان المشائخ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے شروع کئے کہ تمام امراء و وزیر ان ان کے مرید ہیں۔ ساری خلقت آپ کے لنگر خانے سے پرورش پا رہی ہے شاید ان کا خیال ملک گیری کا ہے۔ بادشاہ سنتا رہا اور مخفی رکھتا رہا۔ لیکن تجسس ضرور کرتا رہا آخر اسے معلوم ہو گیا کہ سلطان المشائخ کو حکومت کی بالکل خواہش نہیں ہے۔ بلکہ سخت نفرت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ دل و جان سے مخلص و معتقد ہو گیا اور خضر خان اور شادی خان دونوں شاہزادوں کو سلطان المشائخ کا مرید کرایا اور دو لاکھ روپے پیش کئے جس شعر کی سلطان المشائخ کو خواہش ہوتی ہزار کوشش سے اسے لکھوا کر پیش کرتا اور بعدہٗ آپ کی مطابقت میں وہ اشعار بادشاہ خود سنتا تھا اور لطف حاصل کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے قرہ بیگ کو آپ کی خدمت میں بھیج کر عرض کرایا کہ مدت ہو چکی ہے کہ اپنے بھائی الف خان کو ایک عظیم لشکر دیکر ارنگل کی طرف روانہ کیا تھا۔ لیکن اب تک کوئی خبر نہیں آئی۔

میری خواہش ہے کہ میں خود دیوگری کی طرف جاؤں اور کچھ لشکر واپس لے آؤں۔ حضرت شیخ کا اس بارے میں کیا فرمان ہے۔

آپ نے سر نیچا کر لیا اور تھوڑی دیر مراقبہ کر کے فرمایا کہ میری دعا سلطان کو پہنچا دو اور کہو کہ انشاء اللہ کل چاشت کے وقت فتح ارنگل اور بھائی کی سلامتی کی خوشخبری مل جائے گی۔ یاد رہے کہ ارنگل اس علاقے کا نام ہے جو دیوگری کی طرف دولت آباد سے جنوب کی جانب چار یا پانچ سو کوس کے فاصلہ پر ہے۔ دوسرے دن ایک سانڈھنی سوار فتح نامہ لے کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور قرہ بیگ کو پانچ سو دینار سرخ دے کر سلطان المشائخ کی خدمت میں خانقاہ کے خرچ کے لئے ارسال کیا۔ اس روز ایک قلندر اسفندیار نامی خراسان سے آیا ہوا تھا۔ جونہی اس نے دینار دیکھے درخواست کی کہ کچھ مجھے بھی عنایت کیجئے۔ سلطان المشائخ نے وہ سب کے سب اسے دے دیئے۔ ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ خاندان غلامان کے عہد حکومت کے آخری دس سال عجیب وقت مشاہدہ میں آیا۔ بادشاہ نے ملک کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی اور تمام منشی اشیا اور فسق و فجور کے کاموں کو نہایت سختی سے بند کر دیا جس سے سب گناہ کے کام بند ہوگئے۔ سلطان المشائخ نے بھی بیعت کا سلسلہ عام کر دیا تھا اور تمام گناہگار اور شہوت پرست لوگ آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے بیعت ہونے لگے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہونے لگے غرضیکہ کہ ساری خلقت خوب ذوق و شوق سے عبادت الٰہی میں مشغول تھی۔

مرد عورت غلام و نوکر بوڑھے جوان امیر غریب ملوک وو وزراء سب سلطان المشائخ کے فیض صحبت سے نماز روزہ کے پابند ہوگئے۔ شہر سے لے کر غیاث پورہ تک صوفیان باصفا کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ مسلمان ایک دوسرے سے شرم کی وجہ سے دنیا اور دنیا کے عیش کا ذکر تک نہیں کرتے تھے اور سب طالب علموں' اشراف و اکابر حضرت شیخ کی صحبت میں رہ کر کتب سلوک کے مطالعہ میں اور احکام طریقت کے مشاہدہ میں منہمک تھے۔ کتاب قوت القلوب' احیاء العلوم' عوارف المعارف' کشف المحجوب' شرح تعرف (مصنفہ علامہ کلا

آبادی) رسالہ قشیریہ ' مرصاد العباد مکتوبات عین القضاۃ لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ' فوائد الفواد یعنی ملفوظات سلطان المشائخ کے لاتعداد خریدار پیدا ہوگئے اور کتب تصوف کے سوا کسی اور کتاب کو کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ جس قدر حقائق و معارف اس وقت ظاہر ہوئے تھے شاید جنید اور بایزید کے وقت ظاہر ہوئے ہوں۔ شیخ کی خدمت میں شہر دہلی اور اطراف و جوانب سے اس قدر ہجوم ہونے لگا اور کثرت سے محافل سماع ہونے لگیں کہ آج تک کسی نے نہ دیکھا نہ سنا ہوگا۔ غرضیکہ فن مشخیت اور رشد و ارشاد آپ پر ختم ہوگیا تھا۔ بیت

زین فن مطلب بلند نامے

کاں خستم شدہ است برنظامے

(فن مشخیت میں شہرت کے طلب گار مت بنو کیونکہ یہ کام خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ پر ختم ہو چکا ہے)

الغرض سلطان علاؤالدین بن شہاب الدین خلجی نے بیس سال حکومت کر کے چھ ماہ شوال 715ھ کو وفات پائی۔۔ اس کے بعد سلطان قطب الدین بن سلطان علاؤالدین علیہ الرحمۃ ارکان سلطنت کے اتفاق رائے سے تخت پر بیٹھا اور خضر خان' شادی خان' اور شہاب الدین تینوں بھائی قتل کیے گئے چونکہ خضر خان وغیرہ سلطان المشائخ کے مرید تھے سلطان قطب الدین خود شیخ ضیاء الدین رومی علیہ الرحمۃ کا مرید ہوگیا۔ سلطان المشائخ سے عناد رکھنے لگا۔ اس نے بسا اوقات اس بادشاہ معنوی کو آزر پہنچانے کی کوشش کی پہلے اس نے چند ایسی باتیں نکالیں کہ جن سے سلطان المشائخ کو متہم قرار دے سکے۔ لیکن اس کی کوئی چال کارگر نہ ہوئی۔ اس کے بعد اس نے شہر کے سب علماء کو جمع کر کے حکم دیا کہ شہر کے سب مشائخ کو مطلع کر دیا جائے کہ ہر چاند رات کو میری خدمت میں حاضر ہوں۔

شیخ نظام الدین علیہ الرحمۃ کو مطلع کر دو کہ اس حکم کی تعمیل کرے۔ اگر یہ حکم قبول نہ کرے تو مجھے اطلاع دو تاکہ جس طرح طلب کر سکتا ہوں طلب کروں۔ بلکہ اس نے چند ایسی باتیں کہیں جو ناگفتہ بہ تھیں۔ بادشاہ سے یہ حکم حاصل کر کے سید قطب الدین غزنوی' عماد الدین طوسی علیہ الرحمۃ' مولانا برہان الدین یزدی علیہ الرحمۃ

اور دوسرے علمانے سلطان المشائخ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا اور عرض کیا کہ چونکہ بادشاہ نوجوان آدمی اور ناعاقبت اندیش ہے اور حضرت شیخ دانشمند ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ بادشاہ کا حکم قبول فرمادیں۔ سلطان المشائخ نے ذرا تامل کر کے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ دیکھو کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں جاکر کہا کہ ہم شیخ کو راضی کر آئے ہیں آپ کے پاس آئیں گے۔ یہ واقعہ ستائیس ماہ شوال کو رونما ہوا۔ دوسرے دن عزالدین علی شاہ (امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے بڑے بھائی نے) سلطان المشائخ کے محبوب ترین مرید تھے آکر کہا کہ بادشاہ چاند رات کا منتظر ہے۔ حضرت تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ انہوں نے بہت سمجھایا کہ بادشاہ ظالم ہے معلوم نہیں کیا کر بیٹھے گا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا تم خاطر جمع رکھو۔ مجھے عالم واقعہ میں دکھایا گیا ہے کہ میں بالا خانہ پر بیٹھا ہوا ہوں کہ ایک سینگ دار گائے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں نے اس کے سینگ پکڑ اسے زمین پر گرادیا ہے جس سے وہ مرگئی ہے۔ انشاء اللہ بادشاہ مجھ پر کامیاب نہ ہوگا۔ ایسا واقعہ ہوا کہ انتیسویں شب ماہ مذکورہ کو بادشاہ ایک ہزار ستون والے محل کی چھت پر سویا ہوا تھا کہ خسرو خان نے جو اس کا نمک پروردہ تھا اسے قتل کر دیا۔ عین اسی وقت سلطان المشائخ اپنی خانقاہ میں گشت کر رہے تھے۔ اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

اے روبہک چرانہ نشستی بجائے خویش
باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

(اے حقیر لومڑی تو اپنے مقام پر کیوں نہ رہی۔ تو نے شیر کے ساتھ زور آزمائی کی اور اپنا حشر دیکھ لیا روباہ کے معنی لومڑی ہیں اور روبہک اسم تصغیر ہے۔ یعنی اے حقیر لومڑی۔ سبحان اللہ! شہنشاہ وقت کو لومڑی بلکہ حقیر سی لومڑی کہہ کر پکار رہے ہیں کیا شان ہے)

اس نے چار سال اور چار مہینے حکومت کی اور 720ھ کو خسرو خان کے ہاتھوں مارا گیا خسرو خان نے بادشاہ کی بیوہ سے شادی کرلی اور دہلی کے تخت پر

قابض ہو گیا۔ اس نے خزانے کے دروازے کھول دیئے اور لوگوں کی پرورش شروع کر دی جس سے لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اس نے کافی رقم درویشوں کے لئے بھی وقف کی۔ چنانچہ اس نے پانچ لاکھ روپے سلطان المشائخ کی خدمت میں ارسال کئے۔ دوسرے درویشوں نے روپیہ جمع کر لیا لیکن سلطان المشائخ نے سب کچھ فقرا میں تقسیم کر دیا۔ چار ماہ کے بعد غیاث الدین تغلق نے جو سلطان قطب الدین کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا لشکر کشی کی اور خسرو خان بھاگ نکلا۔ چونکہ سلطان علاؤالدین کی نسل کا کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ سب اراکین سلطنت نے سلطان غیاث الدین تغلق کو دہلی کے تخت پر بٹھایا۔ دوسرے دن اس نے خزانے کا معائنہ کیا اور خسرو خان نے جس کسی کو رقم دی تھی سلطان نے واپس طلب کی۔ درویشوں سے بھی رقم واپس طلب کی گئی۔ جب سلطان المشائخ سے رقم کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا بیت المال کی رقم تھی ہم نے درویشوں میں تقسیم کر دی ہے۔

ان الفاظ سے بادشاہ رنجیدہ ہوا اور آپ کی ایذا رسانی کے بہانے تلاش کرنے لگا۔ بعض مخالف علماء نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ مذہب امام ابو حنیفہ میں سماع حرام ہے اور شیخ کا اس کے سوا کوئی کام نہیں ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں محضر قائم کیا گیا اور تمام علماء کو بلایا گیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث نبوی کا حوالہ دیا لیکن علماء نے کہا کہ آپ مجتہد نہیں ہیں اس لئے احادیث کا حوالہ نہیں دے سکتے۔ امام ابو حنیفہ کا قول پیش کریں۔ سلطان المشائخ نے غیرت میں آکر فرمایا اور آپ کے الفاظ گویا قضا الٰہی تھی فرمایا سبحان اللہ میں حدیث بیان کرتا ہوں اور یہ لوگ ابو حنیفہ کا قول طلب کرتے ہیں۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ایسے قاضی قضا سے برطرف نہ ہو جائیں اور عجیب نہیں کہ اس شہر پر وبا نازل ہو۔ اور عجب نہیں کہ قحط پڑ جائے اور عجب نہیں کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔

آخر جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا ظاہر ہوا۔ بہرحال اس وقت شیخ نے علمی دلائل سے علماء کو ساکت کیا۔ اس بارے میں کافی گفت و شنید ہوئی جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔ اس وقت شیخ علم الدین علاؤ، شیخ

بہاؤ الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ کے پوتے ملتان سے تشریف لائے۔ سلطان استقبال کے لئے باہر گیا۔ لیکن شیخ علم الدین علیہ الرحمۃ نے پہلے سلطان المشائخ سے ملاقات کی اس کے بعد بادشاہ سے ملے انہوں نے حالات معلوم کر کے بادشاہ سے کہا سلطان المشائخ سماع کے اہل ہیں ان سے گستاخی ناروا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ شرمندہ تو ہوا لیکن اس کے دل سے منافقت نہ نکلی۔ چنانچہ اس وقت تو بادشاہ نے سلطان المشائخ کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا اور خود لکھنوتی کی طرف کسی ضروری کام سے چلا گیا لیکن تاریخ نظامی میں لکھا ہے کہ واپسی پر اس نے کہا کہ جب دہلی پہنچوں گا تو شیخ کو شہربدر کر دوں گا۔ جب لوگوں نے سلطان المشائخ تک یہ بات پہنچائی تو آپ نے فرمایا "ہنوز دہلی دور است" (ابھی دہلی دور ہے۔ یہ محاورہ آج تک زبان زد خاص و عام ہے) جب دہلی سے دو تین کوس یعنی تغلق آباد میں پہنچا تو وہاں اس نیت سے ٹھہر گیا کہ وہاں شیخ کو طلب کروں گا۔ لیکن اسی رات اس پر بلائے ناگہانی آئی اور اپنے محل کے اندر اپنے دوستوں سمیت قتل کر دیا گیا۔ اس نے چار سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمد تخت پر بیٹھا۔ وہ سلطان المشائخ کا مخلص اور معتقد تھا لیکن اس کی حکومت کے پہلے سال سلطان المشائخ قدس سرہ کا وصال ہو گیا اور بادشاہ نے آپ کے مزار پر ایک عالی شان گنبد تیار کرایا۔

صاحب کتاب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ جب سلطان المشائخ کو قبر میں رکھا گیا تو آپ نے جو خرقہ خواجہ گنج شکر علیہ الرحمۃ سے حاصل کیا تھا آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جسم مبارک پر ڈالا گیا اور حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ کا مصلیٰ آپ کے سر کے نیچے رکھا گیا۔ یہ بات بزرگان دین میں جائز ہے اور اکثر مشائخ کبار کا یہی دستور رہا ہے کہ اپنے پیر کا عطا کردہ خرقہ یا فرزند کے حوالہ کر گئے یا اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ چنانچہ کتاب مذکورہ میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ آپ کی نماز جنازہ کی امامت حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ کے پوتے حضرت رکن الدین علیہ الرحمۃ نے کی۔ نماز کے بعد انہوں نے فرمایا کہ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ چار سال تک مجھے اسی کام کیلئے دہلی میں رکھا گیا تا کہ سلطان المشائخ کے جنازہ کی امامت کا شرف حاصل کر سکوں۔

حضرت شیخ بدر الدین اسحٰق قدس سرہٗ

عالم علوم ربانی، کاشف اسرار نہانی، ہمگی درد و اشتیاق خادم الاولیاء شیخ بدر الدین اسحاق قدس سرہٗ بن علی بن اسحاق دہلوی تمام ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ تھے۔ آپ مشائخ کبار میں زہد و تقویٰ اور عشق و صفا میں مشہور تھے۔ وجد و سماع اور درد و بکا میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ آپ حضرت خواجہ گنج شکر علیہ الرحمۃ کے داماد، خادم و خلیفہ تھے۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ آپ دہلی کے بزرگ زادگان سے تھے۔ آپ دہلی ہی میں تعلیم حاصل کر کے دانشمندان وقت میں ممتاز ہو چکے تھے۔ لیکن آپ کے دل میں چند علمی اشکال باقی رہ گئے تھے جو علمائے دہلی حل نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ بہت سی کتابیں لے کر دار الاسلام بخارا کی طرف جا رہے تھے۔ جب آپ قصبہ اجودھن پہنچے تو حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک عظیم الشان اور روشن ضمیر بادشاہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور جو بات کرتے ہیں گویا مخاطب کے دل پر نظر رکھ کر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان پر گہرا اثر ہوا اور دل ہاتھ سے جانے لگا۔ سلطان المشائخ نے بھی بارہا یہی فرمایا ہے کہ حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ کا حسن کلام اور لطافت تقریر اس قدر جاذب تھا کہ جو شخص سنتا تھا یہی چاہتا تھا کہ غایت ذوق سے اسی وقت جان دیدے تو اچھا ہو۔ الغرض شیخ بدر الدین اسحاق علیہ الرحمۃ کے دل میں

جو اشکال تھے۔

حضرت گنج شکرؒ نے سب کے تسلی بخش جواب دے دیئے اور ان کو کامل اطمینان حاصل ہو گیا۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ آپ علم لدنی سے خبر دے رہے ہیں۔ لہٰذا آپ نے بخارا جانے کا خیال ترک کر کے صدق دل سے مرید ہو گئے اور اپنے خویش و اقارب کو چھوڑ کر سلوک کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

چونکہ ان کے اندر صلاحیت موجود تھی۔ خواجہ گنج شکرؒ نے انہیں اپنی خادمی اور دامادی سے مشرف فرمایا اور اپنا محرم راز بنا کر اپنی مسجد کی امامت بھی ان کے سپرد فرمائی۔ آپ تھوڑے عرصے میں واصل باللہ ہو گئے۔ اور آنحضرت کی نعمت اور خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ خواجہ گنج شکرؒ نے آپ کو اپنی زندگی میں بیعت کی اجازت دے دی تھی۔ جب ملک شرف الدین حاکم دیپالپور مرید ہونے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ تو آپ نے شیخ بدرالدین اسحاقؒ سے فرمایا کہ اس کو بیعت کر لو۔ اس وقت آپ کا کوئی اور خلیفہ نہ تھا۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ بدرالدینؒ سے بہت محبت تھی اور مجھے جو مشکل پیش آتی تھی۔ ان کے ذریعہ حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں عرض کراتا تھا اور خود کچھ عرض نہ کرتا تھا۔ اس حد تک کہ گنج شکرؒ کے وصال کے بعد چونکہ شیخ بدرالدین اسحاقؒ زندہ تھے۔ ان کی عظمت و احترام کی وجہ سے سلطان المشائخ کسی شخص کو بیعت نہ فرماتے تھے۔ جب ان کا وصال ہوا۔ تب سلطان المشائخ نے لوگوں کو مرید کرنا شروع کیا۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ تنگی حال میں پہلے حضرت گنج شکرؒ کو یاد کرتا ہوں اس کے بعد شیخ بدرالدین اسحاقؒ کو حضرت حق تعالیٰ میں شفیع لاتا ہوں۔ شیخ بدرالدینؒ اس قدر زیادہ رونے والے تھے کہ آپ کی آنکھ کبھی آنسوؤں سے خالی نہ ہوتی تھی۔

ایک دن آپ مندرجہ ذیل شعر پڑھتے پڑھتے اس قدر متاثر ہوئے کہ بار بار بے خود ہو جاتے تھے۔ بیت

پیش سیاست غمش روح چو نطق نمے زند
اے زہزار صحوہ کم پس تو نواچہ مے زنی

"دوست کے غم کا اس قدر غلبہ ہے کہ منہ سے بات نہیں
نکلتی۔ مجھ جیسا ہیچ مقدار کس طرح نوازنی کر سکتا ہے)

آپ سارا دن اس شعر کے ذوق کی وجہ سے عالم تحیر میں رہے۔ شام کی نماز کے وقت حضرت گنج شکر ﷫ نے آپ سے امامت کے لئے فرمایا۔ آپ نے نماز شروع کی اور تکبیر تحریمہ کے بعد قرات کی بجائے یہی شعر پڑھنا شروع کیا اور بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو حضرت گنج شکر ﷫ نے فرمایا پھر نماز شروع کرو اور ذرا سنبھل کر رہو۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ امامت کی۔ اور نماز ختم کی۔ لیکن اس استغراق کے باوجود آپ حضرت شیخ کی دس آدمیوں کے برابر خدمت کرتے تھے۔ سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت گنج شکر ﷫ کے مرید باری باری جنگل سے ایندھن لاتے تھے۔ ایک دن شیخ بدر الدین اسحاق ﷫ کی باری تھی آپ جنگل کی طرف گئے حضرت گنج شکر ﷫ کے دو لڑکے بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ راستے میں انہوں نے شیخ بدرالدین ﷫ سے کہا کہ ہمارے والد کے مریدوں میں اتنی کرامت نہیں ہے جتنی کہ سید احمد کبیر ﷫ کے مریدین میں ہے۔ کیونکہ وہ شیر پر سوار ہو جاتے ہیں اور سانپ کو ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ شیخ بدرالدین ﷫ نے فرمایا کہ صاحب زادگان اس قسم کی باتیں نہ کرو تمہارے والد اس قدر بڑے بزرگ ہیں ان کے مریدین کی عظمت اور کرامت کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ غرضیکہ جب چند قدم آگے گئے تو ایک بہت بڑا شیر سامنے آیا۔ شیر کو دیکھ کر دونوں بچے درخت پر چڑھ گئے۔ شیخ بدرالدین ﷫ نے آگے بڑھ کر آستین شیر کے سر پر ماری اور فرمایا کہ اے کتے تیرء کیا مجال کہ مخدوم زادگان کے سامنے آیا ہے۔ اس کے بعد بچوں سے کہا کہ نیچے آؤ۔ انہوں نے کہا جب تک شیر نہیں جاتا ہم نہیں اتریں گے۔

پس آپ نے شیر سے کہا اے کتے چلے جاؤ۔ شیر نے سر زمین پر رکھا اور چلا گیا اور بچے نیچے اتر آئے۔ جب تک حضرت گنج شکر ﷫ قید حیات میں رہے آپ نے کسی اور سے خدمت نہ لی۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد شیخ بدرالدین سلیمان اپنے والد بزرگوار کی مسند پر متمکن ہوئے تو شیخ بدر الدین

اسحاق ؒ نے دستور کے مطابق ان کی بھی کئی سال خدمت کی۔ لیکن آخر وقت میں استغراق کا آپ پر غلبہ ہوگیا۔ اس لئے آپ نے عزلت اختیار کرلی۔ اور کسب کمال میں مشغول ہوگئے۔ حتیٰ کہ اس جہان سے رخصت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد سلطان المشائخ نے سید محمد کرمانی ؒ کو اجودھن بھیج کر ان کے بال بچوں کو دہلی منگوالیا۔ آپ کے دونوں لڑکوں یعنی خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کو قسم قسم کی نوازشات سے سرفراز کیا اور ان کی تربیت فرمائی چنانچہ آج تک خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کی اولاد سلطان المشائخ کے مزار مبارک کی خدمت پر متعین ہے اور ان کی ہر فرقہ میں بہت عزت و تکریم ہوتی ہے۔ خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کی اولاد کے حالات سیرالاولیاء میں مفصل مذکورہ ہیں۔ الغرض جب شیخ بدرالدین اسحاق ؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے صبح کی نماز ادا کی اور سر سجدے میں رکھ کر جان مشاہدہ حق میں تسلیم کردی۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی قدس سرہٗ

عارف باصورت و سیرت، ہمگی ذوق و بصیرت، جامع فضائل صوری و معنوی مقتدائے قوم حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی قدس سرہٗ کمال علم و تقویٰ سے آراستہ تھے اور مشائخ کبار کے درمیان جمیع کمالات ظاہری و باطنی سے ممتاز تھے۔ صاحب لطائف اشرفی فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا سلسلہ نسب امام ابو حنیفہ ؒ سے جا ملتا ہے۔ آپ حضرت گنج شکر ؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت گنج شکر ؒ نے ان کی محبت میں بارہ سال ہانسی میں قیام فرمایا۔ آپ نے ان کے حق میں بار بار فرمایا کہ (جمال جمال ما است) جمال ہمارا جمال ہے۔ حضرت گنج شکر ؒ کبھی یہ فرماتے تھے کہ "جمال میخواہم کہ گرد سرتو بگرم" (یعنی اے جمال میں چاہتا ہوں کہ تجھ پر قربان ہو جاؤں) اس سے ظاہر ہے کہ آپ کا مرتبہ کتنا بلند تھا۔ جس کسی کو حضرت گنج شکر ؒ خلافت نامہ عطا فرماتے تھے اسے حکم دیدیتے تھے کہ ہمارے جمال کو دیکھاؤ۔ جیسا کہ سلطان المشائخ کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔

سیر الاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے خلافت نامہ کو شیخ جمال الدین ہانسوی ؒ نے پھاڑ دیا تھا۔ وہ وہی چاک شدہ کاغذ حضرت گنج شکر ؒ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا "پارہ کردہٗ جمال را من نتوانم دو

خت" (جمال کے چاک کیے کو میں نہیں سی سکتا) غرضیکہ یہ حکایت بہت طویل ہے کہ اس بزرگ نے شیخ جمال الدین علیہ اللہ کے حق میں بھی کچھ کہا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ اللہ' خوجہ شمس دبیر علیہ اللہ اور احباب کی ایک جماعت اکٹھے حضرت گنج شکر علیہ اللہ کی خدمت سے رخصت ہوئے۔ رخصت کے وقت شیخ جمال نے شیخ سے وصیت کی درخواست کی۔ مشائخ کا یہ دستور ہے کہ رخصت کے وقت وصیت کرتے ہیں ورنہ مرید کو چاہئے کہ وصیت کی درخواست کرے۔ حضرت شیخ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میری وصیت یہی ہے کہ مولانا نظام الدین علیہ اللہ کو اس مصاجت میں خوش رکھنا۔ چنانچہ فرمان کے مطابق شیخ جمال الدین علیہ اللہ ان کا خاص خیال رکھتے تھے اور خواجہ شمس دبیر جو معدن لطافت اور کان ظرافت تھے وہ بھی بہت تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔ جب ہم اکرور کے قصبہ کے قریب پہنچے تو اس جگہ کا سردار مراں نام شیخ جمال الدین علیہ اللہ کا دوست تھا۔ اس نے سب احباب کا استقبال کیا اور گھر لے جاکر خوب دعوت کی اور قسم قسم کے کھانے پیش کیے۔ اس کے بعد شیخ نے کہا اب اجازت دیں تاکہ ہم اپنا راستہ لیں۔ اس نے کہا اجازت اس وقت دوں گا جب بارش ہوگی۔ کیونکہ وہ خشک سالی کا زمانہ تھا اور خلقت قحط میں مبتلا تھی۔ شیخ جمال الدین علیہ اللہ دیکھتے رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ لیکن باطن میں متوجہ ہوگئے۔ ابھی رات ختم نہیں ہوئی تھی کہ سخت بارش ہونے لگی اور سارا علاقہ سیراب ہوگیا۔ صبح کے وقت سب لوگ خوش و خرم نظر آتے تھے۔ انہوں نے جماعت کے ہر ایک فرد کے لئے ایک ایک گھوڑے کا انتظام کیا اور سب سوار ہو کر ہانسی پہنچ گئے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ جمال الدین علیہ اللہ کی ایک کنیز تھی جو نہایت صالحہ تھی۔ وہ اسے ہانسی سے اجودھن حضرت گنج شکر علیہ اللہ کی خدمت میں لائے۔ حضرت شیخ اسے مادر مومنان یعنی مومنین کی ماں کہا کرتے تھے۔ شیخ نے ایک دن اس سے پوچھا کہ اسے مادر مومنان ہمارا جمال کیا کرتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ جس دن سے آپ کی بارگاہ میں پیوست ہوئے ہیں سب گاؤں اور مال و اسباب اور کاروبار اور خطابات ترک کرکے بھوک اور بلاہائے سخت

اختیار کر لی ہیں آپ نے خوش ہو کر فرمایا "الحمد اللہ خوش رہے گا۔"

شیخ جمال کا وصال حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ اور آپ کے لڑکے باپ کی نعمت سے محروم ہو گئے تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ان کا بڑا لڑکا دانشمند تھا۔ لیکن والد کی زندگی میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی جب ہوشیار ہوتا تھا تو کہتا تھا العلم حجاب الاکبر (علم سب سے بڑا حجاب یعنی پردہ ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دیوانہ معنوی تھے۔ ایک دن میں نے ان سے اس جملے کے معنی دریافت کیے۔ جواب دیا کہ علم غیر حق ہے اور جو کچھ حق کا غیر ہے حجاب ہے۔ شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مادر مومنان برہان الدین صوفی بن جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کو جو شیخ قطب الدین منور کے والد تھے حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اجودھن لے گئے۔ اور مصلیٰ اور عصا جو حضرت نے شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمائے تھے وہ بھی انہوں نے حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے کمال مہربانی سے شیخ برہان الدین کو بیعت فرمایا اور مصلیٰ اور عصا بھی ان کو مرحمت فرمائے۔ نیز فرمایا کہ جس طرح شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ میری طرف سے مجاز تھے تم بھی مجاز ہو لیکن چند دن مولانا نظام الدین کی صحبت میں رہو۔ اس کے بعد مادر مومنان ان کو ہانسی لے آئی آپ ہر سال شیخ کے فرمان کے مطابق سلطان المشائخ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوتے اور تربیت حاصل کرتے تھے لیکن ساری عمر کسی کو بیعت نہیں کیا۔ اگر کوئی زیادہ اصرار کرتا تو آپ فرماتے تھے کہ سلطان المشائخ کی موجودگی میں میں کسی کو بیعت نہیں کر سکتا۔ دہلی کے قیام کے دوران آپ ہمیشہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور روزانہ بلکہ دن میں جتنی مرتبہ آپ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے نیا لباس پہن کر جاتے اور کافی عطریات لگاتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں کی خدمت میں اچھے کپڑے پہن کر جانا چاہیے۔ یہ آداب صحبت ہیں۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ وصال کے بعد شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو دو عذاب کے فرشتے نازل ہو گئے۔ اس کے بعد اور

فرشتہ بھی آگیا جس نے آکر فرمان الٰہی سنایا کہ ہم نے اسے ان دو رکعت صلوٰۃ الروح جو نماز مغرب کے ساتھ پڑھتے تھے اور آیت الکرسی جو وہ ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے کی وجہ سے بخش دیا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ عارف سیستانی قدس سرہٗ

صوفی خوگرفتہ بہ آزادی، ہمگی درد و سوزنا مرادی، محرم رازہائے نہانی، فرد وقت شیخ عارف سیستانی قدس سرہٗ، ایسے صاحب حال اور گم نام بزرگ تھے جو موت کے سوا کسی مراد کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ آپ بھی حضرت خواجہ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ سلطان المشائخ سے سیرالاولیا میں منقول ہے کہ شیخ عارف سیستانی رحمۃ اللہ علیہ حاکم ملتان کے متعلقین میں سے تھے۔ حاکم ملتان نے ایک دفعہ ایک سو روپے شیخ عارف کے ذریعہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ارسال کیے۔ انہوں نے پچاس روپے خود رکھ لئے اور پچاس شیخ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے فرمایا عارف تو نے برادرانہ تقسیم کی ہے۔ یہ سن کر وہ شرمندہ ہوئے اور فوراً" وہ پچاس روپے اور کچھ اپنی طرف سے ملاکر پیش کیے اور بہت معذرت کرنے کے بعد بیعت کی درخواست بھی کی۔ حضرت شیخ نے انہیں بیعت کر لیا۔ اس کے بعد وہ سب کچھ ترک کر کے خدمت شیخ میں کمربستہ ہوگئے۔ حتیٰ کہ شیخ نے انہیں خلافت عطا فرمائی اور بیعت کی اجازت دیکر سیستان کی طرف روانہ کر دیا، کچھ عرصے کے بعد انہوں نے خلافت نامہ لاکر حضرت شیخ کے سامنے رکھا اور عرض کیا کہ یہ نازک کام ہے مجھ بچارے کے بس کی بات نہیں کہ مشائخ کبار کے فرائض بجالاسکوں۔ مخدوم عالمیان کی نظر کرم جو مجھ پر ہے وہی میرے لئے کافی ہے۔ خلافت نامہ واپس کرنے کے بعد حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق آپ مکہ چلے گئے اور وہاں سے واپس نہ آئے۔ آپ بڑے بابرکت اور صاحب نعمت بزرگ تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا تقی الدین قدس سرہٗ

صاحب الطائف اشرفی فرماتے ہیں کہ شیخ داؤد محمود ؒ کے بھائی تھے جن کا نام مولانا تقی الدین ؒ تھا۔ وہ بھی حضرت گنج شکر ؒ کے مرید تھے۔ آپ کے کمال کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ رجال الغیب میں سے ایک شخص فوت ہوگیا۔ باطنی حکم کے مطابق کسی نے مولانا تقی الدین ؒ کے پاس آکر کہا اس کی جگہ رجال الغیب کے دائرہ میں شامل ہو جاؤ۔ آپ نے کہا مجھے اپنی بیوی سے پوچھنے دو کہ کیا کہتی ہے۔ مولانا کی بیوی نے کہا رجال الغیب سے دریافت کرو کہ کیا آپ لوگ اہل و عیال رکھتے ہیں یا نہیں۔ جب رجال الغیب نے بات سنی تو مسکرا کر کہنے لگے کہ ہمارے اہل و عیال نہیں ہیں۔ اس پر آپ کی بیوی نے کہا کہ جب رجال الغیب بے خانماں ہیں تو آپ کو ان سے کیا نسبت! رجال الغیب نے کہا سبحان اللہ کیسے لوگ ہیں کہ ہمارے اس بلند مرتبے کی طرف ذرا توجہ نہیں کرتے۔

قطعہ

چہ مردانند اندر راہ دلدار
نہاں از مردم و گم کردہ آثار
زعالی مرتبہ در چشم نا آرند
مقام و حال سی صدو شصت اخیار

(دوست کی راہ میں چلنے والے کس قدر بلند ہمت ہوتے ہیں کہ لوگ سے چھپ کر رہنا پسند کرتے ہیں اور اس قدر بلند مراتب پر فائض ہوتے ہیں کہ تین سو ساٹھ بزرگوں (رجال الغیب) کے مقام وصال پر نظر تک نہیں کرتے)

مولانا تقی الدینؒ کا مزار مبارک قصبہ انہونہ میں حوض کے کنارے پر واقع ہے۔ انہونہ اودھ کا ایک پرگنہ ہے۔

حضرت سید محمد بن محمود کرمانی قدس سرہٗ

سید پاک، اولاد مصطفیٰ، جگر گوشۂ بتول و مرتضیٰ، عالم علوم ربانی، محقق زمان سید محمد بن محمود کرمانیؒ قدس سرہٗ کا شمار سالکان روزگار میں ہوتا ہے۔ آپ صدق و محبت میں مشہور تھے۔ آپ سادات کرمان کے سرداروں کی اولاد تھے۔ جو تجارت کی خاطر کرمان سے لاہور ہوتے ہوئے دہلی آئے۔ واپسی پر اپنے چچا سید احمد کرمانیؒ سے ملاقات کے لئے ملتان جاتے ہوئے راستے میں اجودھن سے گزرے۔ سید احمد کرمانیؒ ملتان میں سکونت پذیر تھے۔ انہوں نے اپنی لڑکی کا عقد نکاح سید محمد کرمانیؒ سے کر دیا تھا۔ غرضیکہ اس آمدورفت سے حضرت گنج شکرؒ سے ان کو اعتقاد صادق پیدا ہو گیا اور مرید ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت شیخ کی محبت نے اس قدر غلبہ کیا کہ سب کچھ ترک کر کے آپ بیوی کو لے کر اجودھن میں سکونت پذیر ہو گئے اور حضرت شیخ کے مقرب ترین مرید ہو گئے۔ آپ اٹھارہ سال شیخ کی خدمت میں رہے گویا سلطان المشائخؒ سے آپ بارہ سال پہلے مرید ہوئے۔

سلطان المشائخ اور آپ کے درمیان بہت محبت تھی۔ اس لئے حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ تم دونوں اکٹھے رہو اور بھائی بن کر رہو۔ یہی وجہ ہے کہ سید محمدؒ اپنے بال بچوں سمیت سلطان المشائخ کی خدمت میں دہلی چلے گئے اور باقی عمر ان کی صحبت میں گزاری۔ ایک دفعہ سلطان المشائخ کسی وجہ سے سید محمدؒ سے ناراض ہو گئے اور انہوں نے سلطان المشائخ کے دربار میں آنا بند کر دیا رات کو سلطان المشائخ نے خواب میں سید محمد کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑے ہوئے دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مولانا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ، سید محمد میرے فرزندوں میں سے ہے۔ صبح ہوتے ہی سلطان المشائخ سید محمد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر تشریف لے گئے اور پیار اور محبت کر کے انہیں اپنے ساتھ لائے اور خاطر تواضع کی۔ چند دنوں کے بعد سید محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے اور سلطان المشائخ سے چودہ برس پہلے رحلت کر گئے۔ آپ کی وفات جمعہ کی رات 711ھ میں واقع ہوئی اور قبر سلطان المشائخ کے احاطہ میں دیگر احباب کے چبوترہ میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

ہماری بہترین مطبوعات